علمی تاریخی ادبی اور متفرق مضامین نثر و نظم کا بہترین مجموعہ

ثمرات الاوراق

یعنی کشکول

تصنیف

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

دریں کتاب پریشاں نہ بینی از ترتیب
عجب مدار کہ چوں حالِ من پریشاں است

ثمرات الاوراق

یعنی

علمی، تاریخی، اخلاقی، ادبی متفرق مضامین نثر و نظم کا بہترین اور دلچسپ

مولانا مفتی محمد شفیعؒ

فرید بکڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ
FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.
NEW DELHI-110002

نام کتاب

کشکول

از: مولانا مفتی محمد شفیع رح

صفحات: ۳۶۰　　قیمت: ۹۰/- روپئے

طبع اول: مئی ۲۰۰۴ء

باھتمام

محمد ناصر خان

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول ﷺ اور دینی و دیگر علمی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور طباعت سے قبل کوشش کی جاتی ہے کہ نشاندہی کی جانے والی جملہ غلطیوں کی بروقت تصحیح کر دی جائے۔ اس کے باوجود غلطیوں کا امکان باقی رہتا ہے۔

لہٰذا قارئین کرام سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ علمی غلطیوں کی نشاندہی کریں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں تعاون کرنا صدقہ جاریہ کے مترادف ہے۔ (ادارہ)

Name of the book

KASHKOL (Urdu)

By: **Maulana Mufti Muhammad Shafi**

(Rahmatullah Alaihi)

Ist Edition: **May, 2004**

Pages: 360　　Size: 23x36/16　　Price: **Rs. 90/-**

فرید بکڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.

Corp. Off.: 2158, M.P. Street, Pataudi House Darya Ganj, N. Delhi-2
Phones: 23247075, 23289786, 23289159 Fax: 23279998 Res.: 23262486
E-mail: farid@ndf.vsnl.net.in Websites: faridexport.com, faridbook.com

Printed at: Farid Enterprises, Delhi-6

کشکول جدید عکسی ایڈیشن مع اضافات

یہ علمی جواہر پارے جو بنام "کشکول" شائع ہوئے تھے، کتابی صورت میں ان کی پہلی اشاعت ۱۹۶۳ء میں ہوئی تھی حضرت مفتی صاحب کی تمام عربی فارسی اردو نظمیں جو اس وقت تک ہوئی تھیں ان میں فارسی اردو کی نظمیں اس کشکول کے آخر میں اور عربی نظمیں جداگانہ بنام "نفحات" شائع ہو چکی تھیں۔

اس کے بعد کا پورا زمانہ حضرت کے کچھ ضعفِ عمر کچھ بیماریوں اور اس سے زیادہ مختلف افکار و مشاغل کے سبب شعر شاعری کا قضیہ تقریباً متروک ہو گیا۔ مگر پھر کچھ متفرق نظمیں لکھی گئیں جو مختلف ماہناموں میں شائع ہوتی رہیں۔ اس جدید ایڈیشن میں ان سب آخری نظموں کو بھی بنام ہدید اضافہ شامل کر دیا گیا ہے۔

محمد رضی عثمانی

فہرست مضامین ثمرات الاوراق یعنی علمی کشکول

فہرست مضامین حصہ دوم (نظم)

ثمرات الاوراق

یا

علمی کشکول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ وکفٰی وسلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفٰی

اما بعد، یہ ایک بے ترتیب مضامین کا مجموعہ ہے جس میں نہ کسی خاص علم و فن کی تخصیص ہے نہ ترتیب، و تبویب کی رعایت، کتب بینی کے دوران جب کہیں کوئی مختصر مضمون اور دلچسپ نظر آیا، اس سلسلہ میں درج کردیا۔ مقصد یہ تھا کہ آج کل عام ذہن کم فرصتی یا کم ہمتی کے سبب طویل مضامین اور کسی مضمون پر مستقل کتاب دیکھنے سے اکتا جاتا ہے۔ اس طرح کے مختلف اور متفرق مضامین خصوصاً چند سطری مفید کلمات بعض اوقات انسان کی زندگی میں انقلاب پیدا کردیتے ہیں۔

یہ مضامین متفرقہ کا سلسلہ دیوبند سے شائع ہونے والے قدیم رسائل القاسم، الرشید میں اور پھر المفتی وغیرہ میں شائع ہوتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو حسن قبول عطا فرمایا۔

احباب کا تقاضہ ہوا کہ اس کو مستقل کتابی صورت میں شائع کردیا جائے اسی زمانہ میں ایک مرتبہ اس کے کچھ اجزاء کتابی صورت میں شائع بھی ہوئے، مگر بہت جلد نایاب ہوگئے۔ تقریباً بیس سال کے بعد اب برخودار عزیز محمد رضی سلمہٗ نے اپنے ادارہ دارالاشاعت سے اس کی اشاعت کا قصد کیا اور اس کے پورے اجزاء کو فراہم کیا تو اس میں بہت کچھ جدید اضافے بھی شامل کردیئے گئے، ترتیب تو ان مضامین میں ہونا ہی نہیں چاہئے، بلکہ

دریں کتاب پریشان نہ بینی ار ترتیب عجب مدار کہ چوں حال من پریشان است

مگر انشاء اللہ تعالیٰ یہ امید ہے کہ ہر طبقہ اور ہر مزاج کے لئے فائدہ اور دلچسپی سے خالی نہ ہوں گے۔ واللہ الموفق والمعین۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔ خادم دارالعلوم کراچی

۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۰ھ، ۵ نومبر ۱۹۶۰ء عیسوی

حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت غیر مسلموں کے قلوب میں

حکیم ابن حزام (جن کو آج ہم حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) جب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، شرک و بت پرستی کے جال میں مقیّد، اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں میں داخل تھے، اسلام اور پیغمبر اسلام کے طریقہ کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے، قریش عرب کے سردار مانے جاتے تھے، مگر تعجب ہے کہ محبوب خدا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرویدہ اور آپ کی محبت میں مخمور تھے۔

عشق رانازم کہ یوسف راببازار آورد　　ہمچو صنعا زاہدے را زیر زنار آورد

امام حدیث و تاریخ، ابن عساکر اپنی تاریخ میں زُبیر ابن بکار کی روایت سے نقل کرتے ہیں کہ جن ایّام میں بے رحم و ظالم کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے قبیلہ بنی ہاشم سے بالکلیہ مقاطعہ کیا اور پہاڑ کی ایک گھاٹی میں آپ کو مع سارے قبیلہ کے مقید کرکے آب و دانہ پہنچنے کے سارے راستے بند کردیئے۔ آپؐ کو اور صحابہ کرام کو درختوں کے پتّے کھا کر وقت گزارنے کی نوبت آئی یہ کس کی مجال تھی کہ ساری برادری کے خلاف آپؐ کو کوئی سامان پہنچادے، حکیم ابن حزام اس واقعہ سے بے چین تھے، آخر یہ صورت نکالی کہ جب ملک شام سے ان کا تجارتی قافلہ گیہوں لے کر آتا تو جن اونٹوں اور گدھوں پر گیہوں لدے ہوئے ہوتے تھے ان کو اس گھاٹی کے دروازے پر لے جاتے اور وہاں پہنچ کر ان کو مارنا شروع کرتے، یہاں تک کہ وہ بھاگ کر اس گھاٹی میں گھس جاتے اور بنی ہاشم ان کو پکڑ کر ان سے غلّہ حاصل کرلیتے تھے۔

امام احمد روایت کرتے ہیں کہ حکیم ابنؓ حزام فرمایا کرتے تھے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی مجھے سب سے زیادہ محبت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوچکے تو ایک مرتبہ حکیم ابنؓ حزام موسم حج میں شریک تھے وہاں دیکھا کہ عرب کے مشہور بادشاہ ذیؓ یزن کا ایک حلہ فروخت ہورہا ہے یہ اگرچہ اس وقت کافر تھے مگر جوش محبت نے انہیں اس پر مجبور کردیا کہ یہ نفیس اور قیمتی حلہ خرید کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہدیۃً پیش کریں۔ بڑی قیمت دے کر خریدا اور پھر خود مدینہ طیبہؓ کا سفر کرکے آپؐ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ یہ حلہّ میری طرف سے ہدیۃً قبول فرمایئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ بعض اوقات کفار کا ہدیہ بھی قبول فرمالیتے تھے جیسا کہ احادیث معتبرہ میں اس کے شاہد موجود ہیں مگر غالباً اس موقع پر حکیم ابنؓ حزام کی اس محبت کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ توقع ہوگئی کہ شاید یہ اسلام قبول کرلیں، اس لئے ارشاد فرمایا۔

"ہم مشرکین سے ہدیہ نہیں لیا کرتے، لیکن اگر آپ چاہیں تو ہم قیمت دے کر یہ حلہّ لے سکتے ہیں۔"

ایک روایت میں ہے کہ حکیم ابن حزام کہتے ہیں کہ مجھے اس سے سخت پریشانی ہوئی کہ آپ نے میرے ہدیہ کو رد کردیا اور قیمت لے کر دینا مجھے گوارا نہ ہوا۔ اس لئے میں یہاں سے یہ ارادہ لے کر اٹھا کہ سب سے پہلے جو آدمی مجھے ملے گا میں اس کے ہاتھ یہ حلہّ فروخت کردوں گا خواہ کتنی ہی کم قیمت پر فروخت کروں۔ ادھر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ کو خفیہ طور پر میرے پیچھے لگا دیا کہ جب یہ فروخت کرنے لگیں تو تم خرید لینا۔ چنانچہ زید بن حارثہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حلہّ خرید لیا۔ اور اس کے بعد میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک پر یہ حلہّ پہنے دیکھا تو مسرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ جو مقصد تھا وہ

ایک درجہ میں حاصل ہوگیا۔

حکیم ابنؔ حزامؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ یہ حلّہ زیب تن فرماتے تھے تو مجھے سارے جہان میں آپ سے زیادہ حسین و جمیل کوئی معلوم نہ ہوتا تھا۔ (تاریخ ابن عساکر، ص ۴۱۲، لغایۃ ص۴۱۶۔ جلد ۴۔)

حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے غزوہ بدر کے موقع پر بھی بہت کوشش کی کہ اپنی قوم کفار قریش کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ سے روکدیں اور عتبہ بن ربیعہ کو بھی اس کام میں اپنا ہم خیال بنالیا تھا مگر ابوجہل کی قسمت میں اس وقت موت لکھی تھی اس لئے ان کی تدبیر نہ چلنے دی۔ (ابن عساکر، ص ۔ جلد۴)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا اسلام

حکیم بن حزام (جیسا کہ واقعات مذکورہ سے معلوم ہوا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زمانہ جاہلیت و کفر میں بھی والہانہ محبت رکھتے تھے لیکن مذہب اسلام کو قبول کرنے پر شرح صدر اور اطمینان حاصل نہ ہوا تھا اس لئے ہجرت کے نویں سال تک برابر اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے۔ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بھی ان کی محبت صادقہ کی وجہ سے یہ چاہتے تھے کہ یہ بھی دولت اسلام سے مالا مال ہوں اور کفر و شرک کی لعنت سے بچ جائیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے وقت جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکّہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو مجھے فرمایا کہ مکّہ معظمہ میں چار آدمی ایسے ہیں جن کا شرک میں مبتلا رہنا مجھ پر شاق و ناگوار ہے اور میری تمنا ہے کہ وہ مسلمان ہوجائیں ۔ ہم نے عرض کیا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، وہ یہ ہیں۔ عتّاب بن اسید۔ ۲۔ جبیر بن مطعم، حکیم بن حزام، سہل بن عمر، حق تعالیٰ نے آپؐ کی تمنا پوری فرمائی اور

یہ چاروں حضرات اسلام میں داخل ہوگئے۔

الغرض حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو جب تک اسلام اور اس کی تعلیمات کی حقانیت پر شرح صدر نہیں ہوگیا، باوجود آنحضرت صلی علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے اسلام میں داخل ہونے سے محترز رہے اور جب حق تعالیٰ نے ان کو اسلام کی توفیق بخشی اور توحید کا مزہ محسوس کیا تو اتنے دنوں تک مسلمان ہونے میں تاخیر کرنے پر افسوس کرتے تھے۔

ایک روز حکیم رضی اللہ عنہ کو دیکھا گیا کہ زارو زار رو رہے ہیں ۔ صاحبزادی نے عرض کیا، ابّا جان رونے کا کیا باعث ہے۔ فرمایا، میری ساری حرکتیں رونے ہی کے قابل ہیں کہ میں نے اسلام لانے میں اتنی تاخیر کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شرکت جہاد کے بڑے بڑے مواقع فوت کردیئے اور فتح مکّہ تک مجھے اسلام پر شرح صدر نصیب نہ ہوا۔ (ابن عساکر ص۴۱۷۔ جلد ۴)

کہاں ہیں وہ ظالم افتراء پرداز جو کہا کرتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے۔ وہ حکیم بن حزام سے پوچھیں کہ تمھیں کس تلوار نے اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا تھا۔

فتح مکّہ میں حضرت حکیم مشرف باسلام ہوتے ہی غزوہ حنین میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک جہاد ہوئے ۔ ایک مرتبہ حضرت حکیمؓ کو کوئی ضرورت پیش آئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عطا کا سوال کیا۔ آپ نے کچھ روپیہ عطا فرمادیا۔ ایسا ہی واقعہ پھر پیش آیا اور ان کے سوال کرنے پر آپ نے عطا فرمایا اور ساتھ ہی یہ نصیحت فرمائی۔

ان هٰذا المال خضرة جلوة فمن اخذ بسخاوة نفس بورك له فيه ومن اخذه باشراف لم يبارك له فيه

"یہ مال لبھانے والا اور شیریں ہے جو شخص اس کو استغنا کے ساتھ حاصل کرتا ہے اس کے لئے برکت ہوتی ہے اور جو انتظار اور طمع کے ساتھ حاصل کرتا ہے

وکان کالذی یاکل ولا یشبع والید العلیا خیر من الیدالسفلٰی ۔ (ابن عساکر ص ۴۱۷۔ جلد ۴)

اس کے لئے برکت نہیں ہوتی۔ اور ایسا ہوجاتا ہے جیسے کوئی شخص کھاتا ہے مگر پیٹ نہ بھرے اور یاد رکھو کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے افضل ہے۔"

حضرت حکیم نے یہ نصیحت ہمیشہ کے لئے پلے باندھ لی اور عرض کیا کہ اب میں آپؐ کے بعد کسی کو کچھ دینے کی تکلیف نہ دوں گا چنانچہ اس کے بعد کبھی کسی مال غنیمت میں سے بھی اپنا حصّہ نہ لیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ چاہتے تھے کہ مال غنیمت کا حصّہ ان کو دے دیں مگر حکیمؓ حدیث مذکور سنا کر عذر کردیتے تھے۔

حضرت حکیمؓ ابن حزام کا حکیمانہ مشورہ

ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظمؓ نے قصد فرمایا کہ صحابہ حضرات کے لئے کچھ وظائف بیت المال سے مقرر فرمادیں اور مہاجرین و انصار سے اس بارے میں مشورہ لیا سب نے اس کو پسند کیا کہ یہ لوگ فارغ البالی کے ساتھ دین کی خدمت میں مشغول رہ سکیں گے۔

جب حضرت حکیم کا نمبر آیا تو عرض کیا کہ امیر المومنین آپ ہرگز ایسا نہ کریں اس میں قریش کی تباہی ہے۔کیونکہ اب تو یہ لوگ تجارت پیشہ ہیں، اگر آپ نے ان کے وظائف مقرر فرمادیئے تو یہ تجارت چھوڑ بیٹھیں گے، پھر آپ کے بعد آنے والے خلفاء ان وظائف کو بند کردیں گے تو قریش مصیبت میں پڑجائیں گے کہ نہ وظائف رہے نہ تجارت۔ (ابن عساکر ص ۴۲۱ ۔ جلد ۴)

از ماست کہ بر ماست

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ

(ترجمہ) ظاہر ہوگیا بگاڑ جنگل اور بستی میں، ان گناہوں کے سبب جن کو لوگوں کے ہاتھ کر رہے ہیں"

دردِ سرِما ہمیں سرِ ماست بارے کہ بدوش ماست دوش است

حضرت ابن خیرہ رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں فرماتے ہیں۔

جزاء المعصية الوهن في العبادة والضيق في المعيشة والتعسر في اللـذة قيل وما التعسر في اللذة قال لا يصادف لذة حلالاً الا جاء من ينغصه اياها (تفسیر ابن کثیر سورہ سبا ص ۲۰ ۔ ج ۷)

"گناہ کی سزا یہ ہے کہ عبادت میں سستی پیدا ہونے لگتی ہے اور عیش تنگ ہوجاتی ہے اور لذت میں تنگی پیدا ہونے لگتی ہے لوگوں نے سوال کیا کہ لذت میں تنگی کا کیا مطلب ہے۔ فرمایا جب کوئی لذت حلال میسر آتی ہے کوئی نہ کوئی سبب ایسا پیش آجاتا ہے جو اس لذت کو منغص (کرکرا) کردیتا ہے۔

آج مسلمان فراخی عیش اور اطمینان و راحت کی طلب میں مشرق و مغرب کی خاک چھانتے پھرتے ہیں مگر عموماً نتیجہ یہ ہوتا ہے۔

از قضا سر کنگبین صفرا فزود روغن بادام خشکی مے نمود

وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے مرض کا سب اور علاج یورپ کے ڈاکٹروں اور ویدک طبیبوں کی رہنمائی سے معلوم کرنا چاہتے ہیں اور انہی کے نقش قدم پر چل کر اس مقصد کو حاصل کرنے کی فکر میں ہیں، مگر یاد رہے کہ

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی　　　کیں رہ کہ تو می روی بترکستان ست

انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ان کی شرح اسباب اور کتاب شفا صرف وہ کتاب ہے جو ان کے طبیب اعظم (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لے کر آئے ہیں۔ وہی ان کے امراض کے صحیح اسباب بتلا سکتی ہے اور اسی کے نسخے ان کے امراض کاازالہ کرسکتے ہیں اور وہ دنیا میں بھی صرف اسی کے ذریعہ چین کی زندگی بسر کرسکتے ہیں۔

جس طرح ہر شخص کا مزاج جدا ہے اور اس کے اعتبار سے اس مرض کا سبب اور علاج جدا ہوتا ہے اسی طرح قوموں کا مجموعی مزاج بھی مختلف ہے اور ہر قوم کے مرض کا سبب اور علاج بھی اسی کے موافق مختلف ہوتا ہے۔ اگر انگریز خدا اور خدائی احکام سے غافل ہوکر خود پرستی عیاری کے ذریعہ دنیوی ترقیات کا اعلیٰ مرتبہ حاصل کرسکتے ہیں یا ہندو سود خواری اور بت پرستی میں رہ کر عیش و مسرت کی زندگی گذار سکتے ہیں تو یہ لازم نہیں کہ مسلمان بھی یہ اعمال اختیار کرکے دنیا میں کسی وقت عزت و راحت پاسکیں۔

ان کی دنیوی راحت و عزت اور اطمینان و فلاح بھی حق تعالیٰ نے اپنی اطاعت میں رکھی ہے۔ گناہ و معصیت ان کے قومی مزاج کے لئے سم قاتل اور صرف طاعت و عبادت ہی ہر مرض کی دوا ہے۔

زہر مرض کہ بنا لدکسے شراب دہید　　　دوا یکے ست بدار الشفا میکدہا

کاش مسلمان اس نسخہ شفا کا استعمال اور اس کی بتلائی ہوئی مضر چیزوں سے پرہیز کا التزام کرنے لگیں تو اپنے اسلاف کی طرح پھر دیکھ لیں کہ ساری دنیا ان کی غلام اور راحت و عزت اور عیش و مسرت ان کی مملوکہ جاگیر ہے واللہ المستعان ولاحول ولا قوۃ الاباللہ العلی العظیم۔

صبر و استقلال اور عفو و کرم کی عجیب مثال

ایک قیدی امیر المومنین منصور کے دربار میں

بنی امیہ کی سلطنت و خلافت کے خاتمہ کے بعد جب خلیفۃ المسلمین منصور عباسی کا دور آیا تو کسی شخص نے ان کو خبر دی کہ فلاں شخص کے پاس بنی امیہؓ کے بہت سے اموال و خزائن ہیں جو اس کے پاس بطور امانت ان کی طرف سے رکھے ہوئے ہیں۔

منصور نے اس شخص کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ فوراً قید کر کے حاضر کیا گیا۔ منصور نے اس سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ تمہارے پاس بنی امیہؓ کی امانتیں اور اموال ہیں وہ سب لا کر یہاں حاضر کردو۔ اس شخص کی حیرت انگیز ہمّت و استقلال قابل دید ہے کہ نہایت اطمینان سے کہتا ہے۔

قیدی:۔ اے امیر المومنین، کیا آپ بنی امیہؓ کے وارث ہیں؟

منصور:۔ نہیں!

قیدی:۔ تو کیا آپ ان کے وصی ہیں؟

منصور:۔ نہیں!

قیدی:۔ جب آپ نہ ان کے وارث ہیں نہ وصی تو آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ ان کے اموال کا آپ مطالبہ کریں۔

منصور:۔ (کچھ دیر سر جھکائے ہوئے سوچنے کے بعد) بات یہ ہے کہ بنی امیہؓ نے مسلمانوں پر ظلم کیا اور ناجائز طریق سے ان کے اموال پر قبضہ کرلیا تھا۔ اب میں مسلمانوں کا وکیل ہوں۔ یہ چاہتا ہوں کہ ان کے غصب شدہ حقوق و اموال کو ظالموں کے ہاتھ سے لے کر بیت المال سرکاری میں جمع کردوں۔

قیدی:۔ امیر المومنین، آپ کا یہ ارشاد اس وقت تک قابل تسلیم نہیں۔ جب تک کوئی شہادت شرعیہ اس بات کی نہ پیش کریں کہ جو کچھ اموال میرے پاس ہیں۔ وہ بنی امیہّ کے انہی اموال میں سے ہیں جو انہوں نے ظلم و غصب سے جمع کئے تھے کیونکہ بلاشبہ بنی امیہّ کے پاس خود ان کے ایسے مملوکہ اموال بھی تھے جن میں ظلم و جبر کا کوئی دخل نہ تھا۔

منصور:۔ (تھوڑی دیر سر جھکانے اور سوچنے کے بعد اپنے وزیر ربیعؔ سے مخاطب ہو کر) اے ربیع! یہ شخص بات درست کہتا ہے، بے شک اس کے ذمہ ہمارا کوئی حق نہیں۔
(اس کے بعد بشاشت و انبساط کے ساتھ اس قیدی کی طرف متوجہ ہو کر کہا) کیا تمہیں کوئی حاجت ہے؟

قیدی:۔ ہاں، میری ایک حاجت تو یہ ہے کہ آپ فوراً ایک قاصد کے ہاتھ میرا خط میرے گھر بھجوادیں تاکہ وہ میری سلامت و عافیت کی خبر سن کر مطمئن ہوجاویں کیونکہ میری حاضری نے ان کو سخت پریشانی میں ڈال دیا ہے اور دوسری حاجت یہ ہے کہ آپ اس شخص کو میرے سامنے بلالیں جس نے آپ سے میری چغلی کھائی، کیونکہ میرے پاس بخدا بنی امیہّ کا کوئی مال موجود نہیں۔ لیکن جب میں آپ کے سامنے کھڑا کیا گیا اور مجھ سے اس معاملہ میں سوال کیا تو میں نے وہی جواب زیادہ جلد نجات دلانے والا سمجھا جس کو میں نے پیش کیا۔

منصور:۔ (اپنے وزیر ربیع سے مخاطب ہوکر) اس شخص کو بلاؤ جس نے یہ خبر دی تھی۔
ربیع نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور اس شخص کو حاضر کردیا۔

قیدی:۔ (اس شخص کو دیکھتے ہی) امیر المومنین، یہ میرا غلام ہے جو میرے تین ہزار دینار لے کر بھاگا ہے۔

منصور:۔ (غصہّ کے لہجہ میں غلام سے مخاطب ہو کر) سچ بتلاؤ۔ کیا واقعہ ہے؟

غلام:۔ (مجبور ہوکر) جہاں پناہ واقعہ یہی ہے جو انہوں نے بیان کیا۔ فی الواقع میں ان کا غلام ہوں اور جتنا مال انہوں نے بیان کیا ہے لے کر بھاگا ہوں۔

منصور:۔ (پہلے قیدی سے مخاطب ہوکر) میں آپ سے سفارش کرتا ہوں کہ اب اس

کو معافی دیجئے۔
قیدی:۔ امیرالمومنین، میں نے اس کا جرم بھی معاف کیا اور جتنا مال لے گیا ہے وہ بھی معاف کیا اور تین ہزار دینار اور اپنے پاس سے دیتا ہوں۔
منصور:۔ (متعجب ہو کر) اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے۔
اس کے بعد امیر المومنین منصور ہمیشہ اس شخص کے استقلال اور عفو و کرم پر تعجب کیا کرتے تھے کہ یہ عفو و کرم کی ایک عجیب مثال ہے۔
(منقول و مترجم از ثمرات الاوراق للحموی علی ہامش المستطرف ص ۲۲۲۔ جلد ۱)

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نصیحت

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد میں نے ان کو خواب میں دیکھا تو ان سے عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا أَقِلَّ مِنْ مَعْرِفَةِ النَّاسِ یعنی لوگوں سے جان پہچان کم کرو۔
(کتاب الروح لابن القیم)

کسب معاش کی ایک بڑی فضیلت

حافظ ابو نعیمؒ نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بہت سے گناہ ایسے ہیں کہ ان کا کفارہ نماز سے ہوتا ہے نہ حج سے نہ عمرہ سے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر ان کا کفارہ کس چیز سے ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کسب معاش میں جو تکلیفیں اور رنج پہنچتے ہیں ان سے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ (مختصر تذکرہ قرطبی ص ۲۲)

حاتم اصمؒ کی طالب علمی
۳۳ برس میں آٹھ مسائل حاصل کئے

ایک دن شفیق بلخیؒ نے اپنے شاگرد حاتم اصمؒ سے پوچھا کہ تم کتنے دنوں سے میرے ساتھ ہو۔ کہا ۳۳ برس سے ۔ پوچھا ، تم نے اس مدت میں مجھ سے کیا سیکھا؟

کہا، آٹھ مسئلے ۔ فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میرے اوقات تمہارے اوپر ضائع گئے کہ تم نے فقط آٹھ مسئلے سیکھے۔ کہا۔ اے استاذ میں نے زیادہ نہیں سیکھے ۔ اور نہ میں جھوٹ بولنے کو پسند کرتا ہوں۔ کہا ۔ اچھا بتاؤ، وہ کون سے آٹھ مسئلے ہیں کہ میں بھی سنوں۔ حاتمؒ نے کہا۔

اول مسئلہ:۔ یہ ہے کہ میں نے خلق کو دیکھا تو معلوم کیا کہ ہر ایک شخص کا ایک محبوب ہوتا ہے جو قبر تک اس کے ساتھ رہتا ہے جب وہ قبر میں جاتا ہے تو اپنے محبوب سے جدا ہوجاتا ہے اس لئے میں نے اپنا محبوب حسنات کو ٹھہرالیا، کہ جب قبر میں جاؤں تو میرا محبوب بھی میرے ساتھ رہے۔ شفیقؒ نے کہا۔ تم نے بہت اچھا مسئلہ سیکھا، اب باقی سات مسئلے کہو۔

دوسرا مسئلہ:۔ یہ ہے کہ میں نے اس آیت میں " واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھویٰ فان الجنۃ ھی الماوی" تامل کیا اور سمجھا کہ اللہ کا فرمانا درست ہے اس لئے اپنے نفس پر خواہش دور کرنے کی محنت ڈالی، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر جم گیا۔

تیسرا مسئلہ :۔ یہ ہے کہ اس دنیا کو دیکھا تو یہ پایا کہ جس کسی کے پاس کوئی شے قدر و قیمت کی ہے وہ اس کو اٹھا کر رکھ چھوڑتا ہے اور حفاظت کرتا ہے پھر جو دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

" تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ سب ختم ہوجائے گی

ماعندکم ینفدوماعنداللہ باق اور جو

اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ قائم اور باقی رہے گی"

پس جو چیز قدر و قیمت کی میرے ہاتھ لگی وہ میں نے حق تعالیٰ کی طرف پھیر دی تاکہ اس کے پاس موجود رہے۔

چوتھا مسئلہ:۔ یہ کہ لوگوں کو دیکھا تو ہر ایک کا میلِ خاطر طرف مال و حسب و نسب اور شرافت کے پایا۔ اور ان چیزوں پر جو غور کیا تو سب ہیچ و پوچ معلوم ہوئیں۔ پھر اللہ کے ارشاد کو سوچا کہ فرماتا ہے

ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم " اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو زیادہ متقی ہو"

اس لئے میں نے تقوی اختیار کیا کہ اللہ کے نزدیک کریم و شریف ہوجاؤں۔

پانچواں مسئلہ:۔ یہ کہ لوگوں کو دیکھا کہ ایک دوسرے پر گمان بد کرتے ہیں اور بُرا کہتے ہیں اور اس کی وجہ حسد ہے۔

ماخلا جسدٌ عن حسد "یعنی کوئی شخص حسد سے خالی نہیں"

پھر اللہ کے کلام میں تامل کیا تو یہ پایا۔

نحن قَسمنا بینھم معیشتَھم فی الحیٰوۃالدنیا

"ہم نے تقسیم کیا ہے لوگوں میں ان کی ضروریات معاش کو"

اس لئے میں نے حسد کو چھوڑ کر خلق سے کنارہ کیا اور جان لیا کہ قسمت اللہ کے یہاں سے ہے، اس لئے خلق کی عداوت چھوڑ دی۔

چھٹا مسئلہ:۔ یہ کہ لوگوں کو دیکھا کہ ایک دوسرے سے سرکشی اور کُشت و خون کرتے ہیں، میں نے اللہ تعالیٰ کے قول کی طرف رجوع کیا تو اس نے یہ فرمایا ہے

ان الشیطان لکم عدوفاتخذوہ عدواانما "شیطان تمہارا دشمن ہے اس کو دشمن سمجھو، وہ اپنی

یدعوا حزبہ لیکونوا من اصحاب السعیر پارٹی کو اس کی طرف بلاتا ہے کہ وہ دوزخی ہو جائیں۔"

اس بنیاد پر میں نے اسی اکیلے شیطان کو اپنا دشمن ٹھہرالیا کہ اس سے بچتا رہوں، باقی ساری مخلوق کی عداوت چھوڑ دی۔

ساتواں مسئلہ:۔ یہ کہ لوگوں کو دیکھا کہ ہر ایک شخص ایک پارہ نان کا طالب اور اس کی طلب میں اپنے نفس کو ذلیل کرتا ہے اور ایسے کاموں میں گھستا ہے جو اس کو جائز نہیں ہیں، میں نے اللہ تعالیٰ کے کلام میں غور کیا تو اس نے فرمایا ہے۔

ومامن دابۃفی الارض الاعلی اللّٰہ رزقھا "کوئی جاندار نہیں جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو۔"

میں نے سمجھا کہ میں بھی اللہ کے ان دواب میں ہوں جن کا رزق اس کے اوپر ہے اس لئے طلب رزق چھوڑ کر ادائے حقوق خدا میں مشغول ہوا۔

آٹھواں مسئلہ:۔ یہ کہ میں نے خلق کو دیکھا تو سب کو کسی چیز پر بھروسہ کرتے پایا۔ کوئی زمین پر بھروسہ کرتا ہے، کوئی تجارت پر، کوئی کسی حرفہ پر، کوئی بدن کی تندرستی پر، اللہ کو دیکھا کہ اس نے فرمایا ہے۔

ومن یتوکل علی اللّٰہ فھو حسبہ "جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے تو اللہ اس کے لئے کافی ہے"

اس لئے میں نے اکیلے اللہ پر بھروسہ کیا کہ وہی مجھے کافی ہے۔

شفیقؒ نے فرمایا۔ اے حاتم اللہ تجھ کو توفیق دے۔ میں نے جو علوم قرآن و توریت و انجیل و زبور پر نظر کی تو ان سب کی اصل انہی مسائل ہشتگانہ کو پایا۔ وہ سب علوم ان میں آجاتے ہیں۔

درحقیقت یہی وہ علم تھا جو انبیاء علیہم السلام کی وراثت اور دنیا و آخرت کی فلاح ہے۔ اب ہم نے جن رسوم کا نام علوم رکھ لیا ہے وہ تو

علم را بر تن زنی نارے بود، کا مصداق ہے۔ حضرت مولانا رومیؒ نے کیا خوب فرمایا

ہے

جانِ جملہ علما این ست و ایں — کہ بدانی من کیم در یوم دیں

وفات کے بعد خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان

حضرت بصیر حمصیؒ نے خلیل احمدؒ کو بعد وفات کے خواب میں دیکھا تو کہا کہ اب ہمیں بڑی مشکل ہو گئی کہ علمی مشکلات کا حل کس سے کریں۔ آپ جیسا کوئی عالم نہیں ملتا انہوں نے فرمایا کہ بھائی مشکلات کو تم ہی حل کرو گے ۔ پہلے یہ تو پوچھو کہ ہم جن تحقیقات علمیہ کے حامل اور ان پر نازاں تھے ان کا حشر کیا ہوا۔ فرمایا تو ہمیں تو صرف یہ کلمہ کام آیا۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم باقی تحقیقات کی پوچھ ہی نہیں ہوئی۔

شجاعت کی ایک عجیب مثال

حجاج ابن یوسف اور حجدر بن مالک

ابن اعرابی کہتے ہیں کہ حجاج بن یوسف کے عہد سلطنت میں قبیلہ بنی حنیفہ میں حجدر بن مالک نامی ایک بڑا ڈاکو تھا۔ سینکڑوں قتل و غارت کر چکا تھا ، اس نے اہل حجر پر ڈاکہ ڈالا۔ حجاج ابن یوسف کو اس کی اطلاع ہوئی تو حاکم یمامہ کو ڈانٹ کر خط لکھا کہ تم نے یہ کیا کر رکھا ہے اب تک اس کا انتظام کیوں نہیں کیا۔ فوراً حجدر کو گرفتار کر کے ہمارے پاس بھیج دو۔ حجاج کے قہر و غضب اور قہرمانی حکومت کے خوف سے لوگ ویسے ہی تھرّاتے تھے ۔ خط پہنچا تو حاکم یمامہ کو اپنی موت نظر آگئی۔ قبیلہ بنی یربوع و بنی

حلقہ کے ہوشیار اور بہادر لوگوں کو بلا کر ان کے لئے ایک بڑا انعام مقرر کیا کہ وہ جحدر کو قتل کردیں۔ یا قید کرکے لے آویں۔ یہ لوگ اس کی تلاش میں نکلے، جب اس کے مستقر کے قریب ہوئے تو ان میں سے ایک آدمی کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ ہم لوگ بھی تمہاری جماعت میں شریک ہوکر رہنا چاہتے ہیں۔ جحدر کو اس پر اعتماد ہوگیا اور ساتھ رہنے کی اجازت دے دی۔ یہ سب لوگ جحدر کے ساتھ رہنے لگے یہاں تک کہ ایک روز موقع پا کر اس کو باندھ لیا اور حاکم یمامہ کے پاس پہنچا دیا حاکم یمامہ نے انھیں لوگوں کے ساتھ حجاج کے پاس روانہ کردیا اور ان لوگوں کی مساعی بلیغہ کا حال حجاج کو لکھ بھیجا۔

جحدر جب حجاج کے سامنے پیش ہوتا ہے اور اس کو یہ بھی معلوم ہوا کہ حجاج بن یوسف وہ خونخوار انسان ہے کہ ایک لاکھ بیس ہزار انسانوں کو باندھ کر قتل کر چکا ہے (جامع ترمذی) مگر اس کی جرات دیکھئے کہ جب حجاج نے اس سے پوچھا کہ تجھے اس رہزنی اور ڈاکہ ڈالنے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ تو کہا، تین چیزوں نے، ایک اپنے دل کی جرات و شجاعت، دوسرے بادشاہ کا ظلم، تیسرے زمانہ کے حوادث۔ حجاج نے کہا، تجھ سے وہ کیا بات سرزد ہوئی ہے جس کی وجہ سے تیری جرأت بڑھی اور سلطان نے تجھ پر ظلم کیا اور زمانہ کے حوادث تجھ پر ٹوٹ پڑے۔

جحدر نے کہا کہ امیر مجھے آزمائے تو مجھے بہترین سپاہی شہسوار اور اپنی رعیت میں سب سے زیادہ خیر خواہ مجھے پائے گا۔ اور یہ اس لئے کہ جب کبھی کسی سے میرا مقابلہ ہوا ہے تو میں نے اپنے آپ کو اس پر غالب پایا ہے۔ حجاج نے کہا۔ اچھا، ہم تمہیں آزماتے ہیں، اور آزمائش یہ ہے کہ تمہیں ایک میدان میں چھوڑتے ہیں جس میں ایک شیر ببر ہوگا۔ اگر اس نے تجھے قتل کردیا تو ہم تیرے قتل کی فکر سے بچے اور اگر تو نے اسے قتل کردیا تو ہم تجھے آزاد کردیں گے۔ جحدر نے نہایت خوشی سے اس کو قبول کیا اور کہنے لگا کہ یہ تو میری عین آرزو ہے، ضرور ایسا کیجئے۔ حجاج نے کہا، صرف یہی نہیں کہ شیر کے مقابلے میں تجھے آزاد چھوڑ دیں بلکہ صورت یہ ہوگی کہ تیرے پاؤں میں بھاری

بھاری بیڑیاں ہوں گی اور داہنا ہاتھ گردن میں باندھ دیا جائے گا، صرف بایاں ہاتھ کھلا رہے گا اسی میں تلوار دی جائے گی۔ جحدر نے اس کو بھی قبول کیا۔ حجاج نے شیر کے آنے تک جحدر کو جیل خانہ میں محبوس کردیا اور اپنے ماتحت حاکم کو حکم دیا کہ ایک شیر ببر کہیں سے گرفتار کر کے لایا جاوے۔ حکام نے فوراً ببر شیر مہیا کردیا۔ جب شیر آیا تو اس کو ایک محصور میدان میں چھوڑ دیا، اور تین دن کامل اس کو بھوکا رکھا گیا اس کے بعد جحدر کے پاؤں بیڑیوں میں اور داہنا ہاتھ گردن میں باندھ کر لایا گیا بائیں ہاتھ میں تلوار دے کر شیر کے سامنے چھوڑ دیا گیا۔ جحدر اس کو دیکھ کر ایک رجزیہ ترانہ پڑھنے لگا۔

جب شیر نے اس کو دیکھا تو نہایت زور سے دھاڑا۔ اور انگڑائی لے کر جحدر کی طرف بڑھا۔ جب شیر بالکل قریب آپہنچا اور ایک نیزہ کا فصل رہ گیا تو جحدر نے زور سے جست کی اور اس زور سے تلوار کا اس پر وار کیا کہ ایک وار میں شیر ختم ہو کر زمین پر گرا اور ادھر جحدر پیروں کی بیڑیوں کی وجہ سے پیچھے کو جا پڑا۔

حجاج اور اس کے اعوان ایک دریچہ سے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے سب نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ ادھر جحدر اٹھا اور حجاج سے خطاب کر کے فی البدیہ یہ اشعار پڑھے۔

ولئن قصدت لی المنیة عامداً انی لخیرک یا ابن یوسف زاج

"اگر آپ نے میری موت کا قصد کیا تھا تو اے (حجاج) ابن یوسف میں تیرے انعام کا بھی امیدوار ہوں"

علم النساء باننی لاانثنی اذلا یثقن بغیرة الازواج

"عورتیں تو یہ سمجھتی تھیں کہ میں لوٹ کر نہ آؤں گا کیونکہ وہ شوہروں کی غیرت پر پورا بھروسہ نہیں رکھتیں"

وعلمت انی ان کرهت نزاله انی من الحجاج لست بناج

"اور میں نے سمجھ لیا تھا کہ اگر شیر کے مقابلہ سے پہلو تہی کی تو حجاج کے ہاتھ سے نجات

نہیں پاسکتا"

حجاج نے کہا اب اگر تم چاہو تو ہم تمہیں بڑا انعام دیں اور چاہو تو تمہیں بالکل آزاد چھوڑ دیں۔ جحدر نے کہا کہ نہیں، میں امیر کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ حجاج نے اس کے لئے اور اس کے سب گھر والوں کے لئے بڑے بڑے وظائف مقرر کردیئے۔
"(تاریخ ابن عساکر ص ۶۳، ۶۴ - جلد ۴)

حضرت ابوبکر طمستانی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ طریق تصوف کھلا ہوا ہے اور کتاب و سنت ہمارے درمیان قائم ہے اور فضیلت صحابہ کرام کی بوجہ سبقت فی الہجرت اور صحبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب کو معلوم ہے۔ پس ہم میں سے جو شخص کتاب و سنت کا ساتھ دے اور اپنے نفس اور مخلوق سے جدا ہوجاوے اور اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کرے صرف وہی شخص صادق اور مصیب ہے۔

امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق

حفّاظ حدیث اور ائمہ اسلام کے چند اقوال از امام حدیث ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ

○

امام اعظم ابو حنیفہؒ کی جلالت قدر اور فضائل و مناقب سے غالباً کوئی شخص جس نے کسی مسلمان گھرانے مین پرورش پائی ہو، بے خبر نہیں ہوگا۔ ان کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ تفقہ فی الدین اور شان امامت سے تو وہ لوگ بھی انکار نہیں کرسکے، جو امام صاحب پر طعن و تشنیع ہی کو اپنا مذہب بنائے ہوئے ہیں لیکن بہت سے لکھے پڑھے مگر کم علم و کم فہم لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ حضرت امام صاحب کو حدیث میں وہ پایہ اور

مرتبہ حاصل نہ تھا جو دوسرے ائمہ کا امتیازی وصف سمجھا گیا ہے۔بہت سے علم حدیث اور علم بالحدیث کے مدعی جو امام ہمام پر طعن و جرح کے لئے تیار بیٹھے رہتے ہیں یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم صرف اسی راستہ سے اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکتے ہیں کہ علم حدیث اور فن روایت میں امام اعظم کا مرتبہ گھٹایا جائے لیکن انہیں یاد رکھنا چاہئے۔

چراغی را کہ ایزد رفروزد کسی کس تف زند ریشش بسوزد

اس مختصر مضمون میں نہ امام موصوف کی سوانح بیان کی جاسکتی ہے نہ وہ تمام اقوال و شہادات جو ائمہ حدیث اور علماء سلف و خلف سے حضرت امامؒ کی شان میں منقول ہیں، جمع کی جاسکتی ہیں،بلکہ ہماری غرض اس وقت اس مقالہ کو پیش کرنا ہے جو اس باب میں امام حدیث ابو عمرو بن عبدالبرؒ شارح موطا مالکی المذہب نے اپنی کتاب میں تحریر فرمایا ہے ۔ امام ابن عبدالبرؒ تیسری صدی ہجری کے ان علماء میں سے ہیں جن پر اندلس و قرطبہ کے علم کا مدار سمجھا گیا ہے ۔ آپ ۳۶۸ھ میں قرطبہ میں پیدا ہوئے وہیں علم و فن حاصل کیا ۔ پھر اندلس کے مختلف شہروں میں قاضی رہے، آپ کی بے شمار تصانیف حدیث و فقہ اور تاریخ میں اپنے اپنے فن کی روح سمجھی گئی ہیں ۔ آپ فقہ میں امام مالکؒ کے مقلد ہیں۔ حنفی المذہب نہیں اس لئے آپ کا کلام امام اعظم ابو حنفیہؒ کے بارے میں اور بھی زیادہ قابل اعتناء ہے۔ اسی لئے بہتر یہ معلوم ہوا کہ ان کے اصلی عربی کلمات بھی درج مضمون کئے جائیں۔ اور ترجمہ دوسرے کالم میں رہے۔ واللہ المستعان

عربی	اردو
(قال ابو عمر و) افرط	امام ابو عمرو ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ بعض
اصحاب الحدیث فی ذم ابی	اصحاب حدیث نے امام ابو حنیفہؒ کی مذمت میں
حنیفة وتجاوزوا الحد فی ذلک	سخت زیادتی کی ہے اور حد سے تجاوز کر گئے اور
والسبب الموجب لذلک	سبب اس کا ان کے نزدیک یہ ہے کہ امام
عندهم ادخاله الرای والقیاس	موصوف نے احادیث و آثار میں رائے اور قیاس
علی الآثار و اعتبار هما واکثر	کو دخل دیا ہے اور اکثر اصحاب حدیث یہ کہتے ہیں
اهل العلم یقولون اذا صح الاثر	کہ جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہوجائے تو رائے
بطل القیاس والنظر وکان رده	اور قیاس باطل ہوجاتا ہے حالانکہ امام موصوف
لما رد من اخبار الآحاد بتاویل	نے جن اخبار کو ترک کیا ہے وہ کسی ایسی تاویل
محتمل و کثیر منه قد تقدمه الیه	کی وجہ سے کیا ہے جن کی ان اخبار میں گنجائش نہ
غیره و تا بعهٗ علیه مثله ممنٔ	تھی (پھر امام موصوف اس عمل میں منفرد بھی
قال بالرای وجُل مایوجد له من	نہیں ، بلکہ) ان سے پہلے دوسرے ائمہ نے بھی
ذالک ما کان منه اتباعا لاهل	ایسا کیا ہے اور ان کے بعد بھی علماء حقانی نے
بلده کابرٰهیم النخعی	ایسا ہی کیا ہے، الغرض جو کچھ حدیث میں قیاس
واصحاب ابن مسعود الا انه	کا دخل وغیرہ انہوں نے کیا ہے وہ سب اپنے شہر
اغرق وافرط فی تنزیل النوازل	کے ائمہ حدیث و فقہ کے اتباع میں کیا ہے مثلاً
هو واصحابه والجواب فیها	حضرت ابراہیم نخعیؒ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
برایهم واُستحسانهم فاتی منهم	کے شاگرد، البتہ امام موصوف کے مسائل میں
فی ذلک خلاف کبیر للسلف	اس کی کثرت ہے انہوں نے اور ان کے
ولشنع هی عند مخالفیهم بدع	شاگردوں نے بہت سے مسائل کی صورتیں
وما اعلم احداً من اهل العلم	(جزئیات فقہیہ) فرض کرکے ان کے جوابات

الاولہ تاویل فی أیۃ اومذھبہ فی سنۃ ردمن اجل ذٰلک المذھب سنۃ اخریٰ بتاویل سائغ اوادعاء نسخ الا ان لابی حنیفۃ من ذٰلک کثیرا وھو یوجدلغیرہ قلیل وعن اللیث بن سعدانہ قال احصیت علیٰ مالک بن انس سبعین مسئلۃ کلھا مخالفۃ لسنۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم مما قال مالک فیھا برایہ قال ولقد کتبت الیہ اعظہ فی ذٰلک (قال ابو عمر ولیس لاحد من علماء الامۃ یثبت حدیثا عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم ثم یردہ دون ادعاء النسخ علیہ باثر مثلہ اوباجماع او بعمل یجب علی اصلہ الانقیادالیہ اوطعن فی سندہ ولو فعل ذٰلک احد سقطت عدالتہ، فضلاً ان یتخذ اماماً ولزمہ اثم الفسق ولقد عافاھم اللّٰہ عزّوجلّ من ذٰلک ونقموا ایضاً علیٰ ابی حنیفۃ الارجاء ومن

جس جگہ حدیث و قرآن میں صحیح حکم نہ ملا وہاں اپنے قیاس سے لکھے ہیں اور سلف نے چونکہ فرضی جزئیات پر کلام نہیں کیا تھا اس لئے امام صاحب کے مخالفین نے اس فعل کو بدعت قرار دیا اور عظیم الشان خلاف قائم ہوگیا (بہرحال امام صاحب نے جو قیاس اور رائے سے بعض جزئیات فقہیہ سے کام لیا اس میں وہ تنہا و منفرد نہیں، بلکہ کسی اہل علم کو بھی میں ایسا نہیں پاتا جس نے آیات میں کسی آیت کو اور حدیث میں سے کسی حدیث کو اپنا مذہب و مختار قرار دے کر دوسری آیت اور حدیث میں تاویل نہ کی ہو۔ یا نسخ کا دعوی نہ کیا ہو۔ البتہ اس قسم کی چیزیں امام صاحب کے مذہب میں زیادہ اور دوسروں کے مذہب میں کم ہیں۔ حضرت لیث بن سعد فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ کے ستر ایسے مسائل شمار کر رکھے ہیں جو بالکل حدیث کے خلاف ہیں اور امام مالک نے محض اپنے قیاس سے وہ ارشاد فرمائے ہیں اور میں نے وہ مسائل بغرض خیر خواہی و نصیحت خود امام مالک کی خدمت میں لکھ بھی دیئے تھے، امام ابو عمر و ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ علماء امت میں سے کسی کو یہ حق نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی حدیث کا صادر ہونا ثابت مانے اور پھر اس کو رد کردے

اهل العلم من ينسب الى الارجاء كثير لم يعن احد بنقل قبيح ماقيل فيه لما عنوا بذلك فى ابى حنيفة لامامة وكان ايضاً مع هذا يحسد وينسب اليه ما ليس فيه ويختلق عليه مالا يليق به وقد اثنى عليه جماعة من العلماء و فضلوه، ولعلنا ان وجدنا نشطة ان نجمع من فضائله وفضائل مالك ايضاً والشافعى والثورى والاوزاعى كتاباً آملنا جمعه قديما فى اخبار ائمة الامصار ان شاء الله۔ وعن ابن عباس بن محمد الدورى قال سمعت يحيٰى بن معين يقول اصحابنا يفرطون فى ابى حنيفة و اصحابه فقيل له اكان ابو حنيفة يكذب فقال كان انبل من ذلك، وعن

جب تک کہ ایسی کسی حدیث یا اجماع و تعامل سے اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ نہ کرے یا اس کی سند میں کوئی جرح نہ کرے اور اگر کوئی شخص ایسا کرے کہ (بلاوجہ مذکور) کسی حدیث کو رد کردے تو اس کی عدالت ساقط ہوجائے گی اور اس کو فسق کا گناہ ہوگا۔ ایسا آدمی امت کا امام کیسے بن سکتا ہے، مگر حق تعالیٰ نے تمام ائمہ دین کو اس آفت سے محفوظ رکھا ہے، نیز امام ابوحنیفہ کی مذمت کرنے والوں نے ان کو مرجیہ کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔

اور نہ صرف امام موصوف کو بلکہ ائمہ دین میں سے بہت سے دوسرے حضرات پر بھی یہی الزام لگایا گیا ہے مگر اس الزام کی وجہ سے جس قدر زبان درازی امام موصوف کے بارے میں کی گئی ہے وہ دوسرے لوگوں کے متعلق نہیں کی گئی اور اسکا سبب یہ ہے کہ وہ امت کے مشہور امام ہیں (دوسرے اتنے مشہور نہیں) اور باوجود ان باتوں کے بعض لوگ ان کی مذمت کرتے ہیں، ان کی خداداد مقبولیت عامہؒ کی وجہ سے لوگ

☆ ابتداء کتاب میں جو مقدمہ مصنف کے حالات کے متعلق ناشر کی جانب سے لکھا ہوا ہے اس سے معلوم ہوا کہ امام عبدالبرؒ نے یہ کتاب تصنیف فرمائی جس کی ضخامت آٹھ جلدوں میں ہے مگر افسوس ہے کہ اس امام حدیث کی عرق ریزی کا یہ عظیم الشان نتیجہ اب اس قدر مفقود و نایاب ہے کہ کسی کتب خانہ میں اس کا موجود ہونا معلوم نہیں۔ ۱۲ منہ

مسلمة بن شبيب قال سمعت
احمد بن حنبل يقول راى
الاوزاعى وراى مالك وراى ابى
حنيفة كله راى وهو عندى
سواء وانما الحجة فى الآثار
وعن الدراوردى اذا قال مالك
وعليه ادركت اهل بلدنا
والمجتمع عليه عندنا فانه يريد
ربيعة بن ابى عبدالرحمٰن وابن
هرمز ، وذكر محمد بن الحسين
الازدى الحافظ الموصلى فى
الاخبار اللتى فى اٰخركتابه فى
الضعفاء قال يحيٰى بن معين
مارايت احدًا اقدمه علٰى وكيع
وكان يفتى براى ابى حنفية
وكان يحفظ حديثه كله وكان
قدسمع من ابى حنيفة حديثًا
كثيرا ، قال الازدى هذا من
يحيٰى بن معين تحامل وليس
وكيع كيحيٰى بن سعيد
وعبدالرحمٰن بن مهدى وقد
راى يحيٰى بن معين هؤلاء
وصحبهم قال وقيل ليحيٰى بن
معين ياابازكريا ابو حنفية كان

حسد بھی رکھتے ہیں اور بہت سی ایسی چیزیں ان کی طرف منسوب
کر دیتے ہیں جو ان کے اندر نہیں ہیں اور ان کی شان کے خلاف ان پر
تہمتیں باندھی جاتی ہیں اور اہل حق کی بڑی جماعت نے ان کی بڑی
مدح کی ہے اور ان کو اوروں پر فضیلت دی اور
اگر ہمیں فرصت ملی تو انشاء اللہ امام موصوف
اور امام مالک و شافعی اور ثوری اور اوزاعی وغیرھم
رحمۃ اللہ علیہم کے فضائل کو ایک مستقل کتاب
* میں جمع کریں گے اور عباس بن محمد دوری
فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت یحیٰی بن معین
سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ ہمارے اصحاب
ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کے بارے میں
بہت زیادتی کرتے ہیں۔کسی نے ان سے سوال
کیا کہ کیا ابو حنیفہ روایت میں سچے نہ تھے ؟ یحیٰی
بن معین نے فرمایا کہ وہ اس سے بالاتر ہیں۔
اور مسلمہ بن شبیب سے روایت ہے کہ وہ
فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل کو یہ
کہتے ہوئے سنا کہ قیاس امام اوزاعی کا اور قیاس
امام مالک کا اور قیاس ابو حنیفہ کا سب قیاس ہی
ہے اور حجت آثار ہی میں ہے اور امام دراوردی کہتے
ہیں کہ جب امام مالک کسی مسئلہ کے متعلق یہ
فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر کے علماء کو اس
کے موافق پایا ہے یا یوں کہتے ہیں کہ اپنے مجمع
کو اسی پر پایا ہے تو ان کی مراد ان علماء اور
مجمع سے ربیعہ ابن ابی عبدالرحمٰن اور ابن ہرمز

یصدق فی الحدیث قال نعم صدوق وقیل له فالشافعی کان یکذب قال ما احب حدیثه ولاذکره (قال ابو عمرو) لم یتابع یحیٰی بن معین احد فی قوله فی الشافعی وقال الحسن بن علیؒ الحلوانی قال لی شبابة بن سوار کان شعبة حسن الرای فی ابی حنیفة وکان یستنشد فی ابیات مساورالوراق۔

اذا ماالناس یوماً قایسونا بآبدة من الفتیا الطیفه وقال علی بن المدینی ابو حنیفة روی عنه الثوری وابن المبارک وحماد بن زید وهشیم ووکیع بن الجراح وعبادبن العوام و جعفر ابن عون وهو ثقة لاباس به وقال یحیٰی بن سعید ربمااستحسنا الشیء من قول ابی حنیفة فناخذ به قال یحیٰی وقد سمعت من ابی یوسف الجامع الصغیر ذکره الا زدی

وغیرہ ہوتے ہیں اور محمد بن حسین ازدی موصلی جو حافظ حدیث سے ہیں اپنی کتاب الضعفاء کے آخر میں فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن معین نے فرمایا ہے کہ میں نے کوئی عالم ایسا نہیں دیکھا جس کو میں امام وکیع پر مقدم اور افضل سمجھوں اور اس کے باوجود وہ فتویٰ امام ابو حنیفہ کے قول پر دیا کرتے تھے اور ان کی تمام حدیثیں انہیں یاد تھیں اور انہوں نے امام ابو حنیفہؒ سے بہت سی حدیثیں سنی تھیں۔ حافظ ازدیؒ کہتے ہیں کہ وکیع کے بارے میں جو کچھ یحییٰ بن معین نے فرمایا ہے یہ ان کا تسامح ہے ورنہ یحییٰ بن سعید اور عبدالرحمٰن بن مہدی وکیع سے افضل تھے۔

اور یحییٰ بن معین ان سب حضرات کی خدمت میں رہے ہیں، یحییٰ بن معین سے دریافت کیا گیا کہ کیاامام ابو حنیفہ حدیث کے بارے میں صدوق (سچ و صحیح بیان کرنے والے) تھے؟ فرمایا، ہاں وہ صدوق ہیں۔ پھر ان سے پوچھا گیا کیا امام شافعی روایت حدیث میں سچے نہ تھے؟ تو فرمایا مجھے ان کی حدیث پسند نہیں اور نہ ان کا ذکر پسند کرتا ہوں۔ ابو عمرو بن عبدالبر فرماتے ہیں کہ امام شافعی کی حدیث کو

(قال ابوعمر) الذی رووا عن ابی حنیفة ووثقوه واثنوا علیہ اکثر من الذین تکلموا فیہ والذین تکلموا فیہ من اهل الحدیث اکثرما عابوا علیہ الاغراق فی الرای والقیاس والارجاء وکان یقال یستدل علیٰ نباهة الرجل من الماضین بتباین الناس فیہ قالوا الا تری الیٰ علی ابن ابی طالب انہ هلک فیہ فتیان محب افرط و مبغض افرط وقد جاء فی الحدیث انہ یهلک فیہ رجلان محب مطر مبغص مفتر وهٰذه صفة اهل النباهة ومن بلغ فی الدین والفضل الغایة ' واللہ اعلم' (مختصر جامع العلم لابن عبدالبر ـ ص ۱۹۲)

ساقط کہنے کے بارے میں کسی نے یحییٰ بن معین کی موافقت نہیں کی۔ اور حسن بن ۔ حلوانیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت شبابہ ابن سوارؒ نے فرمایا کہ امام حدیث شعبہ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے اور مجھ سے مساور وراق کے اشعار جو امام موصوف کی مدح میں ہیں سنا کرتے تھے" امام حدیث علی بن مدنی فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ سے سفیان ثوریؒ ، عبداللہ بن مبارکؒ، حماد بن زیدؒ، ہشیمؒ اور وکیع بن جراح اور عباد بن عوام، جعفر بن عونؒ جیسے ائمہ حدیث نے حدیث حاصل کی ہے وہ (بلاشبہ) ثقہ ہیں ان میں کوئی کمی نہیں۔ امام حدیث یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ہمیں ابو حنیفہ کے اقوال پسند آتے ہیں تو ہم انہیں اختیار کرتے ہیں اور بیان کیا کہ میں نے ابو یوسف تلمیذ ابو حنیفہؒ سے جامع صغیر پڑھی ہے یہ تمام روایات حافظ ازدی نے بیان کی ہیں۔امام عبدالبر فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی اور ان کی توثیق فرمائی اور ان کی

مدح و ثناء کی وہ ان لوگوں سے زائد ہیں جنہوں نے ان کے بارے میں کچھ کلام کیا ہے اور جن اہل حدیث نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے (وہ بھی کسی واقعی عیب کی وجہ سے نہیں) بلکہ صرف اس لئے کہ انہوں نے (ایسے مسائل میں جن میں نص قرآن و حدیث وارد نہیں) قیاس سے کام لیا اور

ان کی طرف ارجاء کی نسبت کی گئی ہے اور یہ بات ہمیشہ سے کہی جاتی ہے کہ متقدمین میں کسی شخص کے بارے میں لوگوں کا مختلف رائیں رکھنا اس کی جلالت قدر اور عظمت شان کی دلیل ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ ، کا واقعہ خود اس کی دلیل ہے کہ ان کے بارے میں دو قسم کے لوگ تباہی میں پڑگئے ، ایک ان سے محبت رکھنے والے جنہوں نے افراط محبت کی وجہ سے حدود شرعی سے تجاوز کیا ۔ دوسرے وہ جو بغض رکھنے والے جو حدود شرعیہ سے تجاوز کرگئے ۔ یہی مضمون حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے بارے میں محبت سے تجاوز کرنے والے اور عداوت رکھنے والے ہلاک ہوں گے اور جن لوگوں کو حق تعالیٰ دین میں عظمت و جلالت اور بزرگی نصیب فرماتا ہے ان کی یہی شان ہوتی ہے۔ (مختصر جامع العلم ص ۱۹۴)

حجاج ابن یوسف اور حضرت یحییٰ ابن معمرؒ

ایک مرتبہ حجاج کی مجلس میں حضرت یحییٰ ابن معمر بھی تشریف رکھتے تھے۔ اتفاقاً جگر گوشہ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ذکر نکل آیا تو حجاج کہنے لگا کہ حضرت حسین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت میں سے نہیں ہیں (کیونکہ صاحبزادی کی اولاد ہیں اور اولاد کا نسب نانا کی طرف منسوب نہیں ہوتا)۔ حضرت یحییٰ نے غصہ کے ساتھ کہا، امیر المومنین تم نے جھوٹ بولا، وہ بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت میں سے ہیں۔

حجاج نے غصہ سے مشتعل ہوکر کہا کہ یا تو تم قرآن سے اس کی کوئی دلیل پیش کرو کہ نانا کی طرف اولاد کا نسب عائد کیا گیا ہو، ورنہ میں تمہیں قتل کردوں گا۔

حضرت یحییٰ نے فوراً یہ آیت پڑھی

ومن ذریة داؤد و سلیمان وایوب و یوسف و موسیٰ و هارون (الی قوله) و زکریا و یحییٰ و عیسیٰ

اور عرض کیا کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آدم علیہ السلام کی ذریت میں شمار فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ ان کے نانا ہی ہوسکتے ہیں، کیونکہ والدہ ہی سے ان کا نسب چلا ہے، حجاج کو مجبوراً تسلیم کرنا پڑا۔ مگر کہا کہ ہمارے سامنے ہماری تکذیب کرنے پر تمہیں کس چیز نے جری کردیا۔ حضرت یحییٰ نے فرمایا کہ اس آیت نے جس میں حق تعالیٰ نے انبیاءؑ اور ان کے متبعین سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ حق بات کو نہ چھپائیں گے۔ حجاج اس بات میں بھی لاجواب ہوگیا تو ان کو اس نے جلاوطن کرکے خراسان بھیج دیا۔ (ابن عساکر ص ۶۵۔ جلد ۴)

اسم اور مسمّٰی میں قدرتی ربط

امام التابعین حضرت سید ابن مسیبؒ ابن حزن سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا حزن ۔ آپؐ کو یہ نام مکروہ معلوم ہوا کیونکہ حزن بالفتح کے معنی عربی میں سخت زمین کے ہیں اس لئے ارشاد فرمایا کہ نہیں، تم سہل ہو۔ (سہل نام رکھو جس کے معنی نرم کے ہیں) حزن نے کہا کہ میں تو اس نام کو نہ بدلوں گا جو میرے باپ نے میرے لئے تجویز کیا ہے ۔ حضرت سعیدؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے دادا کے اس نام پر قائم رہنے کا یہ اثر ہے کہ آج تک ہم سب میں (جو ان کی اولاد ہیں) حزونت یعنی شدت وغلظت کا اثر موجود ہے۔ (اخرجہ البخاری فی الصحیح) اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا بہت اہتمام تھا کہ ہمیشہ نام ایسا رکھا جاوے کہ جس کے معنی مبارک و نافع ہوں۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ آپ سفر میں دو پہاڑوں کے پاس پہنچے، لوگوں سے ان کا نام دریافت کیا۔ بتلایا گیا کہ ایک کا

نام فاضح (رسوا کرنے والا) اور دوسرے کا مخزی ہے (ذلیل کرنے والا) آپؐ نے ان دونوں کے درمیان کا راستہ چھوڑ کر دوسرا اختیار فرمایا۔ اسی طرح ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹنی کا دودھ نکلوانا چاہتے تھے، صحابہ کرام کی ایک جماعت موجود تھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس اونٹنی کا دودھ کون نکالے گا۔ جماعت میں سے ایک شخص کھڑا ہوا کہ میں اس کا دودھ دوہوں گا۔ آپؐ نے نام پوچھا تو کہا مرّۃ (جس کے معنی ہیں کڑوا) آپؐ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اس کا دودھ کون دوہے گا۔ ایک شخص کھڑا اور عرض کیا کہ میں۔ آپؐ نے اس کا بھی نام پوچھا تو اس نے حرب نام بتلایا (جس کے معنی لڑائی اور جنگ کے ہیں) آپؐ نے اس کو بھی بٹھلا دیا اور پھر فرمایا کہ اس کا دودھ کون دوہے گا۔ تیسرے ایک صاحب کھڑے ہوئے آپؐ نے ان کا نام پوچھا تو یعیش بتلایا۔ ے جس کے معنی زندہ رہنے کے ہیں) ان کو آپؐ نے دوہنے کی اجازت دی (موطا ۔ امام مالک)

معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے اسم و مسمیٰ میں ایک ربط رکھا ہے جس شخص کے لئے جو حالات و افعال علم الٰہی میں مقدر ہوتے ہیں انہی کے مناسب نام اس کے ماں باپ کے قلب میں ڈال دیتے ہیں۔ امام لغت و عربیت ابو الفتح ابن جنی جو چوتھی صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایک طویل زمانہ ایسا گذرا ہے کہ میں بہت سے نام سنتا تھا اور اس کے معنی مجھے معلوم نہ ہوتے تھے۔ مگر میں اس کے حروف و مادہ کی کیفیات سے اس کے معنی متعین کرلیتا تھا۔ پھر تحقیق کرتا تو اس کے وہی معنی صحیح نکلتے تھے۔

علامہ ابن قیمؒ نے اس واقعے کو اپنی کتاب تحفۃ الودود فی احکام المولود میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ میں نے یہ واقعہ اپنے استاد ابن تیمیہؒ کے سامنے نقل کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے خود اس قسم کے واقعات بہت پیش آتے ہیں۔

الغرض حق تعالیٰ نے اسم و مسمیٰ اور الفاظ و معانی میں ایک خاص ربط و تاثیر رکھی

ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے نام رکھنے کی ممانعت فرمائی ہے جس کے معنی قبیح اور آثار بد پر دلالت کرنے والے ہیں۔ افسوس ہے کہ عام طور پر مسلمان اس کا خیال نہیں کرتے۔ بعض لوگ بالکل مہمل و بے معنی نام چھجو، نتھو وغیرہ رکھ دیتے ہیں اور بعض ایسے نام رکھتے ہیں جو آثار بد پیدا کرنے والے ہیں (اعاذنا اللہ تعالیٰ منہا)

حضرت سفیان ثوریؒ اور سفیان بن عیینہؒ

یہ دونوں بزرگ علماء سلف کے اس اونچے طبقہ میں سے ہیں جن کے حالات و مقالات نور ایمان سے لبریز، علوم نبوت کے حامل، ہر مسلمان کے لئے اسوہ ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر موجودہ افکار و حوادث سے فرصت ملی تو انشاء اللہ ان دونوں بزرگوں کے مفصل حالات قلمبند کروں گا، واللہ الموافق۔ اس وقت ان حضرات کا ایک باہمی مکالمہ نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت سفیانؒ بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیانؒ ثوری سے درخواست کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا۔

اَقْلِلْ من معرفة الناس "لوگوں سے جان پہچان کم کرو"

میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے۔ کیا حدیث میں نہیں آیا کہ

اکثر وامن معرفة الناس فان لکل مؤمن شفاعة "لوگوں سے جان پہچان زیادہ کرو کیونکہ ہر مسلمان کی شفاعت قبول کی جائے گی۔"

حضرت سفیانؒ الثوری نے فرمایا کہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کو جب کوئی تکلیف و مصیبت پہنچی ہوگی وہ جاننے والوں سے ہی پہنچی ہوگی۔ میں نے عرض کیا۔ بے شک آپ صحیح فرماتے ہیں۔

ابن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ اس وصیت کے بعد سفیان الثوریؒ کی وفات ہوگئی۔ میں نے ان کو خواب میں دیکھا کہ ٹہل رہے ہیں میں نے ان سے پھر وہی درخواست کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔ انہوں نے پھر وہی کلمہ دوہرایا کہ جہاں تک ممکن ہو، لوگوں سے جان پہچان کم کرو۔ کیونکہ ان سے چھوٹنا بہت دشوار ہے۔

اس کے بعد سفیان بن عیینہؒ کا یہ حال ہوگیا کہ اپنے دروازہ پر یہ کلمات لکھ کر لگا دیئے

جزی اللہ من لا یعرفنا خیرا ولا جزی بذلک اُصد قائنا فما اوذینا قط الّا منهم

"اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے جو ہمیں پہچانتے نہیں اور ہمارے دوستوں کو یہ جزا نہ دے کیونکہ جب کبھی ہمیں تکلیف پہنچی ہے انہی سے پہنچی ہے"

اور اسی مضمون کو ان اشعار میں نظم کیا گیا ہے۔

جزی اللہ عنّا الخیر من لیس بیننا ولا بینہ ود ولا نتعارف

"اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزائے خیر دے جن کے اور ہمارے درمیان نہ کوئی علاقہ دوستی ہے اور نہ ان سے جان پہچان ہے"

فماصابناھمٌ ولا نالنا اذی من الناس الامن تَردّو نعرف

"کیونکہ ہمیں جب کبھی کوئی غم اور اذیت پہنچی ہے وہ صرف دوستوں اور جاننے والوں ہی سے پہنچی ہے۔

(از منہاج العابدین لامام غزالی ص ۱۶)

حکیم ابن قبیصہؒ کا اسلام

یہ بزرگ جلیل القدر تابعی ہیں۔ حضرت معاویہ کے عہد میں مسلمان ہوئے اور آپ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے ان سے سوال کیا کہ تمہاری عمر میں سب سے زیادہ

مصیبت کا دن تم پر کون سا گذرا ہے عرض کیا وہ دن جس میں مجھے شفیق نے اپنے پاس سے نکال دیا تھا۔ پھر حضرت امیر معاویہ نے دریافت کیا کہ سب سے زیادہ عیش و مسرت کا دن تم پر کون سا آیا ہے۔ عرض کیا وہ دن جس میں مجھے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی توفیق دی۔ (ابن عساکر ص ۴۴۳، جلد ۴)

پیراہنِ یوسف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گریبان مبارک کی ہیئت

این زماں جاں دامنم را تافت است
بوئے پیراہانِ یوسف یافت است

کرتوں کے گریبان کی دو صورتیں معروف و مشہور ہیں۔ ایک آج کل عام طور پر مروج ہے کہ گریبان کا شق سینہ پر رہتا ہے اور دوسری صورت جو پہلے مروج تھی اور اب بھی بعض جگہ اس کا رواج ہے یہ کہ گریبان کا شق دونوں مونڈھوں پر رہے۔ اس میں گفتگو ہے کہ محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیراہن مبارک کی کیا ہیئت تھی۔ شیخ الاسلام والسنۃ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے جب اس کا سوال کیا گیا تو مندرجہ ذیل تحقیق زیب قرطاس فرمائی۔

ظاہر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گریبان مبارک کی وہی ہیئت تھی جو آج کل مروج ہے۔ یعنی یہ کہ شق اس کا سینہ پر رہے کیونکہ سنن ابو داؤد باب فی حَلِّ الازرار میں حضرت معاویہ ابن قرۃؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے والد قرہ سے نقل کیا۔ وہ فرماتے تھے کہ میں قبیلہ مزینہ کی ایک جماعت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہم نے آپؐ سے بیعت کی۔ آپؐ کی قمیض مبارک

کی گھنڈیاں کھلی ہوئی تھیں۔ میں نے قمیص مبارک کے اندر اپنا ہاتھ ڈالا اور خاتم نبوت کو ہاتھ سے چھوا۔

معاویہ راوی حدیث کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے میں نے ہمیشہ معاویہ اور ان کے والد قرہ کو اسی حالت میں دیکھا کہ گریبان کے بٹن کھلے ہوئے رہتے تھے۔

ف: احقر مترجم عرض کرتا ہے کہ اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ گریبان کھلا رکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دائمی عادت اور سنت تھی۔ بلکہ یہ ایک اتفاقی واقعہ ہے، مگر عشق و محبت کے احکام نرالے ہیں۔ حضرت قرہؓ نے جس ہیئت میں اول دیکھا تھا اس کا قلب پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ ہمیشہ اپنی بھی عادت بنالی

مرا از زلف او موئے پسنداست   ہوس را رہ مدہ بوئے پسند است

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ ظاہر اس حدیث سے یہی ہے کہ گریبان مبارک کا شق سینہ مبارک پر تھا ے جیساکہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اسی حدیث سے گریبان سینہ پر ہونے کے لئے استدلال کیا ہے۔

نیز عام کتب فقہ میں یہ مسئلہ جزئیہ مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص صرف لمبے کرتے (جو ستر پوشی کے لئے کافی ہو) نماز پڑھ رہا ہے اور رکوع یا سجدہ میں گریبان کے اندر سے اس کی نظر اپنے ستر پر پڑگئی تو نماز (امام شافعیؒ کے نزدیک) صحیح نہیں ہے۔ یہ مسئلہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان حضرات فقہاء کے زمانہ میں رواج یہی تھا کہ گریبان کا شق سینہ پر رہے۔

اور یہ مضمون جو مسئلہ مذکور میں موجود ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی مسند احمد اور سنن اربعہ وغیرہ یعنی بروایت حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں ایک شکاری آدمی ہوں (تہبند باندھ کر دوڑنا مشکل ہوتا ہے) کیا میں ایسا کرسکتا ہوں کہ صرف ایک کرتہ پہن لیا کروں۔ اور اسی میں نماز پڑھ لیا کروں۔ آپؐ

نے ارشاد فرمایا کہ ہاں، مگر اس کے گریبان کو بند کرلیا کرو اگرچہ ایک کانٹا ہی اس میں لگا لیا کرو۔

ف: عرب کے کرتے طویل نصف ساق تک ہوتے تھے اور ان میں دائیں بائیں شق (چاک) بھی نہیں ہوتی تھی اس لئے تنہا کرتا پہننے میں کسی قسم کی عریانی یا ستر کھل جانے کا احتمال نہ تھا۔

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ ان روایات کی وجہ سے میں یہ سمجھا ہوا تھا کہ طریق مسنون اور تعامل سلف گریبان کے بارے میں یہی ہے جو آج کل مروج ہے۔ پھر الحمدللہ بالکل صاف تصریح اس کی صحیح بخاری میں مل گئی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر ایک مستقل باب اس عنوان سے رکھا ہے۔ باب جیب القمیص من عندالصدر (یعنی باب اس بیان میں کہ گریبان کُرتے کا سینہ پر ہوتا ہے) پھر اس باب میں وہ حدیث بیان فرمائی جس میں بخیل اور سخی کی مثال دو جبّوں کے ساتھ دی گئی ہے اور اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ تنگ جبّہ کی مثال کو آپؐ نے اپنے دست مبارک سے اس طرح فرمایا کہ ہاتھ گریبان کے اندر سے نکالے کہ جس طرح یہ ہاتھ اس وقت گریبان کی تنگی کی وجہ سے بندھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح بخیل کا ہاتھ تنگ ہوتا ہے۔ حافظ الدنیا علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں فرمایا ہے۔

فالظاهر انه كان لابساً قميصاً	"پس ظاہر یہ ہے کہ آپ ﷺ اس وقت کرتہ
وكان طوقه فتحة الى صدره	ہوئے تھے اور اسکے گریبان کا شق سینہ
	مبارک پر تھا۔"

پھر فرمایا کہ ابن ابطال نے اسی سے استدلال کیا ہے کہ گریبان سلف کے کُرتوں کے سینے پر ہوتے تھے۔

اور طبرانی نے حضرت زید ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ

ان کے گریبان کی گھنڈیاں کھلی ہوئی ہیں تو آپؐ نے اپنے دست مبارک سے ان کو بند فرمادیا اور پھر فرمایا کہ اپنی چادر کے دونوں طرفوں کو اپنے سینے پر جمع کرلیا کرو۔ یہ واقعہ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا گریبان سینہ پر تھا۔

اور ابن ابی حاتم نے آیہ کریمہ ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن " میں جیوب کی تفسیر حضرت سعید بن جبیر سے یہ نقل کی ہے۔ یعنی

علی النحر والصدر فلا یُری منہ شیء (عورتوں کو حکم ہے کہ اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر رکھا کریں اور مراد گریبانوں سے سینہ ہے۔"

الغرض روایات و قرائن صدر سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیراہن مبارک کا گریبان سینہ مبارک پر تھا اور یہی طریقہ سلف صحابہ اور تابعین میں رائج تھا وللہ الحمد اولہ و آخرہ وظاہرہ وباطنہ۔

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا

مکتوب گرامی

رفع سبابہ کی تحقیق اور حضرت مجددؒ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاف کا جواب

حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چند قلمی مکتوبات جو علوم شریعت و طریقت کے بیش بہا فوائد پر مشتمل ہیں احقر کو مرشد عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کے کتب خانہ سے حاصل ہوئے تھے۔ جن پر حضرت کے قلم کا لکھا ہوا تھا " از ترکہ

والد صاحب "آج ان میں سے ایک مکتوب اہل علم کے فائدہ کے لئے لکھا جاتا ہے چونکہ مسئلہ علمی ہے عوام کو اس کی حاجت نہیں۔ اس لئے حضرت مرزا صاحب ہی کے فارسی الفاظ میں درج کیا جاتا ہے، اردو ترجمہ کی حاجت نہ سمجھی گئی۔

احقر محمد شفیع عفا عنہ، مدرس دارالعلوم دیوبند

مکتوب

نوشته بودند که حضرت مجدد الف ثانی رضی‌الله عنه در مکتوبے از مکتوبات منع رفع سبابه کرده اند و تو باوجود دعویٰ محبت بجناب ایشاں رفع سبابه مکینی و محب را اتباع محبوب لازم است۔ مخدو ما سبحانه جل شانه اتباع کتاب و سنت برعباد فرض گردانیده میفرماید ما کان لمومن ولا مومنة اذا قضی الله ورسوله امراً ان یکون لهم الخیرة من امرهم و رسول علیه السلام میفرماید لا یومن احدکم حتی یکون هواه تبعا لما جئت به و حضرت مجدد الف ثانی رضی الله عنه که نائب کامل آنحضرت از بنائے طریقه خود را بر اتباع کتاب و سنت گزاشته اند وعلماء بر اثبات رفع سبابه رسالها مشتمل بر احادیث صحیحه و روایات فقه حقیقه تصنیف کرده اند تا بجائیکه حضرت شاه یحییٰ رحمة الله علیه فرزند اصغر حضرت مجدّد نیز دریں باب رساله تحریر نموده اند و در نفی رفع یک حدیث به ثبوت نرسیده و ترک رفع ازجناب حضرت مجدد بناء اجتهاد واقع شده سنت محفوظ از نسخ بر اجتهاد و مجتهد مقدم است وبعد ثبوت سنت رفع ترک آں بایں حجت که حضرت مجدد

ترک فرموده اند معقول نیست وحضرت مجدّد بر ترک سنت تحذیر کثیر فرموده اند و حضرت مجدّد ہم مذہب حنفی داشتند و حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ گفتہ اذا ثبت الحدیث فهو مذهبی واترکوا قولی لقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پس امید آنست کہ حضرت مجدد از ترک ایں امر اجتہادے و اخذ با حادیث صحیح متغیره نہ شوند و اگر گویند کہ حضرت مجدّد بآں علم واسع از احادیث بہ ثبوت رفع چرا آگاه نبودند۔ گویم تازمان مبارک حضرت ایشاں ایں کتب و رسائل دردیار ہند شہرت نیافتہ بود و از نظرِ مبارک ایشاں نگذشتہ و ترک نموده اند و گر نہ ہرگز ترکِ رفع نمی فرمودند کہ ایشاں حریص ترین از اکابر ایں امت بر اتباعِ سنت بوده اند و اگر گویند عدم رضا حضرت رسالت علیہ التحیۃ بایں عمل از کشف دریافتہ ترک فرموده باشند .... گویم کہ کشف درا مور طریقہ معتبر است و دراحکام شریعت حجّت نیست مع ہذا در آن مکتوب احتجاج بکشف نکرده اند و امید آنست کہ ایں مخالفت جزئی برعایت قاعده کلی ایشاں کہ بحد تمام ترغیب بر اتباعِ پیغمبر علیہ السلام فرموده اند مثمر نتائج گردد، والسلام۔

....

حضرت سفیان ثوریؒ کا ایک خط

عباد خواصؒ کے نام

حضرت سفیان ثوریؒ نے اپنے ایک دوست عباد خواصؒ کے نام خط لکھا جس کے چند جملے یہ ہیں، امابعد۔ آپ ایک ایسے زمانہ میں ہیں کہ جس سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پناہ مانگی ہے حالانکہ ان کو وہ عمیق علم حاصل تھا جو ہمیں حاصل نہیں۔ تو ہمارا کیا حال ہوگا کہ ہم نے اس زمانہ کو پالیا اور نہ ہمیں وہ علم حاصل ہے نہ صبر و تقویٰ، اور نہ نیک کاموں میں امداد کرنے والے دوست۔ دنیا مکدر ہوگئی۔ اور لوگوں کا حال فاسد ہوگیا۔ (از منہاج العابدین للغزالیؒ)

خط وکتابت کی سنّت کے متعلق

احقر کا ایک خط اور اس کا جواب

(از حضرت مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ)

مضمون خط:۔ بحضرت سیدی و سندی کہفی و معتمدی وسیلۃ یومی وغدی متّعنا اللہ تعالیٰ بطول بقائہ بالخیر، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بعد تمنائے قدم بوسی عرض ہے کہ ناکارہ غلام مدت سے مجموعہ امراض بنا ہوا ہے، حاضری کا قصد مدت سے کررہا ہے مگر یہی امراض مانع ہوجاتے ہیں، کوئی دعا وغیرہ ارشاد ہو، تو احقر پڑھ لیا کرے۔

جواب:۔ الحمد شریف بعد نماز فجر ۲۱ یار یا گیارہ بار پانی پر دم کرکے دن بھر تھوڑا تھوڑا پیا کیجیے۔

مضمون: احقر کی عادت خط لکھنے میں عام طور پر یہی ہے کہ اوپر اپنا نام لکھ کر نیچے مکتوب الیہ کے القاب وغیرہ لکھتا ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ طریق سنت بھی ہے مگر بڑوں کو اور بالخصوص حضرت والا کی خدمت میں اس طرح لکھنے سے طبیعت ہمیشہ رکتی ہے۔ آج بے ساختہ اسی طرح لکھا گیا، خیال آیا تو کاٹ دینے کا ارادہ ہوا۔ پھر یہ سمجھ میں آیا کہ حضرت والا سے دریافت ہی کرلوں کہ یہ طبیعت کا رکنا محض رسم و رواج کی بناء پر ہے اور غیر محمود ہے یا منشاء ادب ہونے کی وجہ سے محمود ہے۔ امید ہے کہ حضرت والا اس پر متنبہ فرماویں گے۔

جواب:۔ادب کے خیال سے محمود ہے مگر بالغیر، یعنی الادب اور سنت محمود بالذات، اور محمود بالذات کو ترجیح ہوگی محمود بالغیر پر، تو یہ اصول شرعیہ کے اعتبار سے جواب ہے اور اس میں ایک عقلی مصلحت بھی ہے کہ اخیر میں اپنا نام لکھنے میں بعض اوقات کسی عارض سے ذہول بھی ہوجاتا ہے وقد جربناہ غیر مرۃ اور ایک طبعی مصلحت بھی ہے کہ مکتوب الیہ کو پہلے ہی سے معلوم ہوجاوے اگر خط بھی نہ پہچانتا ہو یا پہچانتا ہو، مگر کسی عذر سے کاتب نے کسی دوسرے سے لکھوایا ہو تو پہچاننے سے مضمون کے ہر جزو سے خاص اثر لیتا رہے گا اور ابہام کی صورت میں اس میں غلطی ہوسکتی ہے۔ پھر اخیر میں نام دیکھ کر تبدیل خیال کی کلفت ہوگی۔ بہرحال شرعاً عقلاً و طبعاً ہر طرح یہی طریقہ محمود ہے، لیکن اگر کسی کی ان مقتضیات پر نظر نہ جاوے اور وہ اس تقدیم سے بخیال ادب بچے تو اس کو تارک سنت بھی نہ کہیں گے کیونکہ یہ سنت عادت ہے، عبادت نہیں جس پر بالذات وعدہ اجراء اور ترک میں کراہت ہو، واللہ اعلم۔

تتمیہ: تحریر خط کے بعد عبارات ذیل دیکھی گئیں مناسب معلوم ہوا کہ ان کو بھی لکھ دیا جاوے۔

کتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی منذر بن ساوی بالبحر بعد ما اسلم بما نصہ فی نصب الرایہ للزیلعی ص ۳۸۱ ج۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ من محمد رسول اللہ الیٰ منذر بن ساوی سلام علیک ، فانی احمد اللہ الیک الحدیث وقال العینی فی شرح کتابہ علیہ السلام الیٰ ہرقل وقال الشیخ قطب الدین وفیہ ان السنۃ فی المکاتبات ان یبتدا بنفسہ فیقول من فلان الیٰ فلان وھو قول الاکثرین وکذا فی العنوان ایضاً یکتب کذالک واحتجوا بھذا الحدیث و بما اخرجہ ابو داؤد عن العلاء بن الحضرمی وکان عامل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی البحرین و کان اذا کتب الیہ بدا بنفسہ وفی لفظ بدا باسمہ وقال حماد بن زید کان الناس یکتبون من فلان بن فلان الیٰ فلان بن فلان۔ امّا بعد ۔ قال بعضھم وقال یبدا الصحابۃ وقال ابو جعفر والنحاس وھذا ھوالصحیح قال غیرہ وکرہ جماعۃ من السلف خلافہ وھوان یکتب اولاً باسم المکتوب الیہ و رخص فیہ بعضھم وقال یبدا باسم المکتوب الیہ روی ان زید بن ثابتؓ کتب الیٰ معاویۃ فبدا باسم معاویۃؓ وعن محمد بن الحنفیہ وایوب السختیانی انھم فلا باس بذلک وقیل یقدم الاب ولا یبدا ولد باسمائہ علی والدہ والکبیرالسن کذلک قلت یردہ حدیث العلاء لکتابتہ الیٰ افضل البشر و حقہ اعظم من حق الوالد وغیرہ۔

(عمدۃ القاری ص ۱۱۶ ۔ ج)

روایات و عبارات مرقوم سے معلوم ہوا کہ سنت خط کی یہی ہے کہ اول اپنا نام لکھے پھر مکتوب الیہ کا ، خواہ مکتوب الیہ چھوٹا ہو یا بڑا ، اور مسلم ہو یا کافر۔ نیز یہ بھی

معلوم ہوا کہ اگر کبھی اس کے خلاف بھی ہوجاوے تو قول راجح یہی ہے کہ وہ بھی مکروہ نہیں جیسا کہ اصل تحریر میں لکھا گیا والحمدللہ علیٰ ذٰلک

(اشرف علی عفاعنہ ، ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ)

محبّت کا انعام

از مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جب جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ کی تشریف آوری سے کئی روز پہلے سے مشتاقانِ جمال شہر سے نکل کر راستہ پر آبیٹھتے تھے اور شام کو مایوسانہ واپس ہوجاتے ۔ بہت انتظار اور بڑی آرزوؤں کے بعد جب آپ تشریف لائے تو وہ دن اہل مدینہ کے لئے عید ہوگیا ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لمّا قدم رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم المدینۃ اضاء منھا کل شیء یعنی جس روز رسول اللہ تشریف فرما ہوئے تو آپ کے جمال سے مدینہ منورہ کی تمام چیزیں نورانی ہوگئیں بڑوں کے ساتھ بچّے بھی خوشی منارہے تھے اور لڑکیاں خوشی اور مبارک باد کے یہ سیدھے سادھے گیت گارہی تھیں۔

طَلَعَ البدرُ علینا من ثنیات الوداع وَجَبَ الشکرُ علینا مادعیٰ للّٰہ داع

ثنیات الوداع سے ہم پر بدر کامل نے طلوع کیا اس لئے خدا کا شکر ہم پر ہمیشہ کے لئے واجب ہوا

لوگ ہر طرف سے آرہے تھے اور زیارت کررہے تھے ، انصار میں سے ایک نوجوان طلحہ بن براء حاضر خدمت ہوئے تو بے اختیار آپ کو لپٹے جاتے تھے اور آپ کے مبارک ہاتھوں کو خوب بوسے دیئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ مجھے جس کام کو چاہیں ارشاد فرمایئے ، میں ہرگز کسی بات میں بھی آپ کی نافرمانی نہ کروں گا۔ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نوعمری میں ان کی اس پختگی اور

جرأت کو دیکھ کر ہنس پڑے اور بطور امتحان کے فرمایا کہ جاؤ اپنے والد بزرگوار کو قتل کر آؤ۔ طلحہ تو تیار ہی کھڑے تھے اور ان کی جاں نثاری کچھ زبانی تو تھی ہی نہیں، فوراً تعمیل ارشاد کے لئے چلنے لگے۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ٹھہرایا اور فرمایا کہ یہ محض آزمائش تھی، مجھ کو اللہ تعالیٰ نے قطع رحم کے لئے مبعوث نہیں کیا۔ (یعنی رشتہ داروں کے تعلقات قطع کرنے اور صلہ رحمی کے خلاف معاملہ کرنے کے لئے مجھ کو خدا تعالیٰ نے نہیں بھیجا۔)

افسوس ہے کہ اس وفادار عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عمر نے وفا نہ کی، جوانی ہی میں وعدہ آن پہنچا اور ایسے بیمار ہوئے کہ زندگی کی امید نہ رہی۔ آخری وقت میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے تو عجیب حسرت کا وقت تھا۔ ایک وفادار خادم اور بے ریا مخلص بستر مرگ پر پڑا ہے اور دنیا سے رخصت ہونے کے لئے تیار ہے، سامنے جان و مال سے زیادہ پیارا سردار اور ماں باپ سے شفیق مربی کھڑا صورت کو دیکھ رہا ہے، حکم خداوندی سے کچھ چارہ نہیں دیکھتا اور باچشم پُرآب واپس ہوتا ہے۔

آپؐ نے ان سے علیحدہ ہوکر بعض لوگوں سے فرمادیا کہ طلحہ پر علامات موت ظاہر ہو گئے ہیں، اب غالباً یہ زندہ نہیں رہیں گے۔ جب انتقال ہوجائے تو مجھے اطلاع کردینا۔ تاکہ آکر نماز پڑھوں اور تجہیز و تکفین میں جلدی کرنا کیونکہ مسلمان کی نعش کا گھر میں ڈالے رکھنا مناسب نہیں۔

بنی عمرو بن عوف کا یہ محلہ جس میں یہ انصاری بیمار تھے، مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر مسجد قبا کے اطراف میں تھا اور راستے میں یہودی لوگ آباد تھے۔ آپؐ وصیت و نصیحت فرما کر دن ہی کو مدینہ منورہ واپس آگئے۔

جس طرح دن کا آخری حصہ جلد جلد گزر رہا تھا اسی طرح طلحہ بیمار کے آخری سانس ختم ہوتے جاتے تھے۔ رات ہوگئی اور طلحہ کا بالکل آخر وقت آگیا۔ گھر والوں سے

یقین ہے کہ سید الانبیاءؐ کی درخواست منظور ہو کر خوش نصیب طلحہؓ کو محبت کے صلہ اور انعام میں خدا تعالیٰ کی خوشنودی و رضا مندی کی وہ نعمت مل گئی ہوگی جس سے بڑھ کر نہ دنیا میں کوئی دولت و راحت ہے نہ آخرت میں اور جنت میں، ہم بھی اس دعا میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور بار بار کہتے ہیں کہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عن الصحابۃ اجمعین و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا سیدالانبیاء و المرسلین (آمین)

نیک بندوں کے وجود سے خلق اللہ کا نفع

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْاَرْضُ

جس طرح دنیا میں اپنے ایک محبوب کی خاطر اس کے سینکڑوں متعلقین کی رعایتیں کی جاتی ہیں

خورند از برائے گلے خارھا
برند از برائے دلے بارہا

عادۃ اللہ بھی اس بارہ میں یہی ہے مراعات صد کن برائے یکے

امام الحدیث والتفسیر ابن جریر آیت مذکورہ کی تفسیر میں بروایت حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

" اللہ تعالیٰ ایک مرد صالح کی برکت سے اس کے پڑوس میں سو گھرانوں سے بلا وعذاب کو دفع فرمادیتا ہے۔ (ابن کثیر ص ۶۰۶ ۔ ج ۱)

حضرت ابن عمرؓ نے وہ حدیث نقل کرنے کے بعد یہ آیت پڑھی۔

وَلَولا دَفعُ اللہِ النّاسَ بَعضَھُم بِبَعضٍ لَفَسَدَتِ الارضِ۔

" اگر اللہ تعالیٰ (نیک) لوگوں کی وجہ سے دوسرے لوگوں سے عذاب کو دفع نہ کرتا، بلکہ ہر بدکاری کی سزا دیتا تو سب زمین خراب ہوجاتی۔"

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ان اللہ لیصلح بصلاح الرجل المسلم ولدہ وولدہ واھل دویرہ دویرات حولہ ولا یزالون فی حفظ اللہ ما دام فیھم (ابن کثیر ص ۶۰۷ ـ ج ۱)

" بے شک حق تعالیٰ ایک نیک مسلمان کی برکت سے اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد کو اور ان کے سب گھر والوں اور آس پاس کے گھر والوں کو درست کردیتا ہے اور وہ ہمیشہ خدا تعالیٰ کی حفاظت میں رہتے ہیں"

امام التفسیر ابن کثیرؒ نے یہ دونوں روایتیں نقل کرنے کے بعد اگرچہ ان کی تضعیف کی ہے لیکن اول تو فضائل اعمال میں بحسب تصریح جمہور محدثین حدیث ضعیف مقبول ہے، پھر تعدد طرق سے اس کے ضعف کی مکافات بھی ہوگئی ہے اور مضمون ان احادیث کا قرآن مجید کی آیت مذکورہ سے ثابت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دین دار اور نیک مسلمان کا وجود سب مسلمانوں کے لئے موجب برکات ہے خواہ ظاہر میں اس سے نفع حاصل کریں یا نہ کریں۔

....

اعجاز ابراہیمی کی ایک جھلک بعض غلامانِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں پر حضرت ابو مسلم خولانیؒ کی عجیب کرامت

حضرت ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ جو طبقہ تابعین میں بلند پایہ بزرگ ہیں ان کا ایک عجیب واقعہ حدیث و تاریخ کی نہایت مستند کتاب حلیۃ ابی نعیم ، تاریخ ابن عساکر ، تاریخ ابن کثیر وغیرہ میں محدثانہ اسانید کے ساتھ مذکور ہے جس کے دیکھنے سے سرورِ کائنات فخر موجودات نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جامعیت کمالات کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے کہ جو معجزات و کمالات انبیائے سابقین کو عطا ہوئے تھے اسی قسم کے بعض کمالات اور خوارقِ عادات حق تعالیٰ نے آپؐ کی امت کے افراد پر ظاہر فرما کر اہل علم پر ظاہر فرما دیا کہ

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

مسیلمہ کذاب کا نام شیطان کی طرح ایسا مشہور ہے کہ غالباً بہت سے عوام بھی اس سے واقف ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں اس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اس کا اعلان کیا کہ میں بھی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک نبوت ہوں۔

یمن میں اس کا نشوونما ہوا ، بے وقوف اور محروم القسمت گمراہوں کی ایک بڑی

جماعت اس کے ساتھ ہوگئی، یہاں تک کہ اطراف یمن پر چھا گئی اور لوگوں کو جبر و اکراہ سے اپنے باطل مذہب کی طرف دعوت دینے لگی۔

ایک روز مسیلمہ کذّاب نے حضرت ابو مسلم خولانی کو گرفتار کرا کے اپنے سامنے حاضر کیا اور دریافت کیا کہ کیا تم اس کی شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ حضرت ابو مسلمؒ نے فرمایا کہ میں سنتا نہیں ہوں۔ اس نے پھر کہا کہ تم اس کی شہادت دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں؟ ابو مسلمؒ نے فوراً کہا کہ بے شک!

اس نے پوچھا کہ کیا تم اس کی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ ابو مسلم نے فوراً جواب دیا کہ میں سنتا نہیں۔ پھر پوچھا کہ کیا تم اس کی شہادت دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں تو فرمایا کہ ہاں، اسی طرح پھر تیسری مرتبہ دونوں جملے دریافت کیئے اور یہی دونوں جواب سنے۔

غصّہ میں آکر حکم دیا کہ ایک عظیم الشان انبار سوختہ کا جمع کرکے آگ روشن کرو اور ابو مسلم کو اس میں ڈال دو۔ اس حزب شیطان نے حکم پاتے ہی یہ جہنم کا نمونہ تیار کردیا اور ابو مسلم کو بے دردی کے ساتھ اس میں ڈال دیا۔ مگر جس قادر مطلق نے حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے لئے دہکتی آگ کو ایک پر فضا باغ اور برد وسلام بنادیا تھا وہ حیّ وقیوم آج بھی اپنے رسول کی محبت میں جاں نثاری کرنے والے ابو مسلم کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے اس وقت پھر معجزہ ابراہیمی کی ایک جھلک دنیا کو دکھلادی اور پیروانِ نمرود کی ساری کوششیں خاک میں ملا دیں۔ حضرت ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ صحیح سالم اس آگ سے برآمد ہوئے۔ تو مسیلمہ کذاب کے ساتھی خود متذبذب ہونے لگے اور مسیلمہ نے اس کو غنیمت سمجھا کہ کسی طرح یہ یمن سے چلے جاویں۔

ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو قبول کیا اور یمن کو چھوڑ کر مدینۃ الرسول کی راہ لی۔ مدینہ طیبہ پہنچے تو مسجد نبوی میں داخل ہوکر ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھنا شروع

کردی ۔ اچانک حضرت فاروق اعظمؓ کی نظر ان پر پڑی تو بعد فراغت نماز دریافت کیا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ یمن سے (مسیلمہ کذاب کا یہ واقعہ کہ کسی مسلمان کو اس نے آگ میں جلا دیا ہے بہت مشہور ہوچکا تھا اور حضرت فاروقؓ بھی اس سے متاثر اور حقیقت دریافت کرنے کے مشتاق تھے) ان سے پوچھا کہ آپ کو اس شخص کا حال معلوم ہے جس کو مسیلمہ نے آگ میں جلا دیا ہے ؟

ابو مسلم نے غایت ادب سے صرف اپنا نام لے کر عرض کیا کہ وہ شخص عبداللہ بن ثوب (یعنی خود) ہی ہے حضرت فاروق اعظم نے قسم دے کر فرمایا کہ کیا واقعی آپ ہی کو اس نے آگ میں ڈالا تھا۔ انہوں نے بقسم عرض کیا کہ میں ہی اس کا صاحب واقعہ ہوں۔

حضرت فاروقؓ یہ سن کر کھڑے ہوگئے اور ان سے معانقہ کیا ۔ پھر روتے رہے اور اپنے ساتھ لے گئے اور صدیق اکبرؓ کے اور اپنے درمیان بٹھلایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اس وقت تک زندہ رکھا کہ اپنی آنکھوں سے میں نے ایسے شخص کی زیارت کرلی جس کے ساتھ وہی معاملہ کیا گیا ہے جو حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے ساتھ کیا گیا تھا۔

تنبیہ : قادیانی مرزا غلام احمد کے پیرو آنکھیں کھولیں اور دیکھیں کہ مسیلمہ کذاب کا دعویٰ ان کے گرو کے دعوے سے کچھ زیادہ شدید نہیں تھا کیونکہ وہ بھی نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منکر نہ تھا صرف اپنے آپ کو بھی مرزا کی طرح نبی کہلانا چاہتا تھا۔ مگر صحابہ و تابعین نے اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ واللہ الہادی

امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا حکیمانہ مکتوب

سنن ابی داؤد میں سند کے ساتھ مذکور ہے کہ ایک شخص نے امیر المومنین حضرت عمر

ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں تقدیر کے متعلق سوالات تھے آپؒ نے اس کے جواب میں جو حکیمانہ جواب لکھا ہے اس کا ایک ایک جملہ آب زر سے لکھے جانے کے لائق اور وردِ زبان اور حرزِ جان بنانے کے قابل ہے چونکہ اس کے پُر شوکت الفاظ بھی نہایت دل آویز ہیں اس لئے اصل عربی خط مع ترجمہ کے لکھا جاتا ہے۔

اما بعد ۔ اوصیک بتقوی اللہ والا قتصاد فی امرہ واتباع سنۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و ترک ما احدث المحدثون بعد ما جرت بہ سنۃ وکفوا مؤنتہٗ ، فعلیک بلزوم السنۃ فانہا لک باذن اللہ عصمۃ، ثم اعلم انہ لم یبتدع النّاس بدعۃ الاقد مضی قبلہا ماھو دلیل علیہا اوعبرۃ فیہا فان السنّۃ انما سنّہا مَن قد علم ما فی خلافہا ولم یقل ابن کثیر* من قد علم من الخطاء و الزلل والحمق والتعمّق فارض

۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کے معاملہ میں میانہ روی کرنے کی اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کی وصیت کرتا ہوں اور جو چیزیں ایجاد کرنے والوں نے ایجاد کیں باوجودیکہ اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک طریقہ جاری فرمادیا تھا اور امت کو اس مشقت سے سبکدوش کردیا تھا۔ ان چیزوں کے چھوڑنے کی وصیت کرتا ہوں تم اتباعِ سنت کو لازم پکڑو اس لئے کہ وہی خدا تعالیٰ کے حکم سے تمہارے لئے تمام مہلکات سے نجات کی کفیل ہے اور خوب سمجھ لو کہ لوگوں نے کوئی بدعت ایجاد نہیں کی، مگر اس طرح کہ سنت رسول میں اس کی قباحت و برائی کی دلیل موجود ہے یا اس میں خود عبرت ہے اس لئے کہ طریق سنت کو اس ذات حق تعالیٰ نے جاری کیا ہے جس نے پہلے یہ معلوم کردیا تھا کہ اس طریق کے خلاف میں خطاء و لغزش اور حماقت اور تکلف ہے ۔ لہٰذا تمہیں

لنفسک ما رضی بہ القوم لانفسھم فانھم علٰی علم وقفوا وببصر نافذ کفوا ولھم علٰی کشف الامور کانوا اقوٰی وبفضل ما کانوا فیہ اولٰی فان کان الھدیٰ ما انتم علیہ لقد سبقتموھم الیہ ولئن قلتم انما حدث بعدھم ما احدثہ الامن اتبع غیر سبیلھم ورغب بنفسہ عنھم فانھم ھم السابقون فقد تکلموا فیہ بما یکفی ووصفوا منہ ما یشفی فما دونھم من مقصر وما فوقھم من محسر وقد قصر قوم دونھم فجفوا وطمع عنھم اقوام فغلوا وانھم بین ذلک لعلٰی ھدیً مستقیم۔ الخ (ابو داؤد کتاب السنت ص ۲۸۵ ۔ ج ۲ ۔ کتاب الاعتصام

چاہیے کہ اپنے لئے وہی طریقہ اختیار کرلو جس کو قوم (سلف صحابہ نے) اپنے لئے پسند کرلیا تھا۔ اس لئے وہ جس حد پر ٹھہرے علم کے ساتھ ٹھہرے اور انہوں نے جس چیز سے لوگوں کو روکا ایک دوربین نظر کی بناء پر روکا اور بلاشبہ وہ ہی حضرات دقیق حکمتوں اور علمی الجھنوں کے کھولنے پر قادر تھے اور وہ جس کام میں تھے اس میں سب سے زیادہ فضیلت کے وہی مستحق تھے۔ پس اگر ہدایت اس طریق میں مان لی جاوے جس پر تم ہو تو اس کے یہ معنی ہیں کہ تم فضائل میں ان سے سبقت لے گئے (جو بالکل محال ہے) اگر تم یہ کہو کہ یہ چیزیں ان حضرات کے بعد پیدا ہوئی ہیں (اس لئے ان سے یہ طریقہ منقول نہیں) تو سمجھ لو کہ ان کو ایجاد کرنے والے وہی لوگ ہیں جو ان کے راستہ پر نہیں ہیں اور ان سے علیحدہ رہنے والے ہیں کیونکہ یہی حضرات سابقین ہیں جو معاملات دین میں اتنا کلام کرگئے ہیں جو بالکل کافی ہے اور اس کو اتنا بیان کردیا ہے جو شفا دینے والا ہے پس ان کے طریقہ سے کمی و کوتاہی کرنے کا بھی کوئی موقع نہیں ہے اور ان سے زیادتی کرنے کا بھی کسی کو حوصلہ نہیں ہے اور بہت سے لوگوں نے ان کے طریقہ میں کوتاہی کی وہ

☆ اس جگہ راوی حدیث ابن کثیرؒ نے قدعلِم کا لفظ نہیں، بلکہ کوئی لفظ کہا ہوگا۔ دوسرے راوی ربیع اور ہناد نے قدعلِم کا لفظ کہا تھا ابو داؤد نے ان کا لفظ نقل کیا ہے۔

ص ۴۸ جلد ۱ ـ بذل المجھود ص ۱۹۲ ج ۵)

مقصد سے دور رہ گئے اور بہت سے لوگوں نے ان کے طریقہ سے زیادہ کا ارادہ کیا وہ غلو میں مبتلا ہوگئے اور یہ حضرات افراط و تفریط اور کوتاہی کے درمیان ایک راہ مستقیم پر تھے "

اس خط میں کس قدر وضاحت کے ساتھ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایسی چیزوں سے اجتناب چاہئے جن سے یہ حالات پیدا ہوں کہ ہم نے وہ فضیلت حاصل کرلی ہے جو ہمارے اسلاف کو حاصل نہ ہوسکی تھی کیونکہ یہ ایک مہلک غلطی ہے ۔

کثرت و قلت

حضرت فضیل بن عیاضؒ کا ایک کلمہ حکمت

آج کل دنیا میں کثرت رائے کی حکومت ہے لوگوں نے دنیوی امور سے گذر کر دینیات میں بھی یہی اصول بنالیا ہے مگر اسلاف امت اس کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں وہ اس جملہ سے بوضاحت معلوم ہوجاتی ہے ، حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں۔

اتبع طرق الھدیٰ ولا یضرک قلة السالکین وایاک و طرق الضلالة ولا تغتر بکثرة الھالکین (کتاب الاعتصام للشاطبی، ص۹٦ ـ ج۲)

" تم راہ ہدایت کا اتباع کرو اگر اس پر چلنے والے کم ہوں تو وہ تمہارے لئے مضر نہیں اور گمراہی کے راستہ سے بچو اور ہلاکت میں پڑنے والوں کی کثرت سے دھوکہ مت کھاؤ۔"

اور علامہ شاطبی فرماتے ہیں۔

وھذہ سنة اللہ فی الخلق ان اھل الحق فی جنب اھل الباطل قلیل لقولہ

" اور اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق کے بارے میں یہی سنت ہے (عادت جاریہ) کہ

تعالٰی وما اکثر الناس ولو حرصت بمومنین وقولہ وقلیل من عبادی الشکور (اعتصام۔ جلد ۱۔ ص ۱۱)

اہل حق (ہمیشہ) بمقابلہ اہل باطل کے (تعداد میں) کم رہتے ہیں۔ حق تعالٰی کا ارشاد ہے اور اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں، اگرچہ آپ اس پر حریص ہوں اور ارشاد ہے اور میرے بندوں میں شکر گذار لوگ بہت کم ہیں۔"

اور حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں۔

اسلکوا سبیل الحق ولا تستوحشوا من قلۃ اھلہ (اعتصام ص ۲۸، ج ۱)

" تم حق کے راستے پر چلو اور اس سے نہ گھبراؤ کہ اہل حق تعداد میں کم ہیں۔"

امام اعظم ابو حنیفہؒ اور عطاء بن ابی رباح

ابن بطال نے شرح بخاری میں امام اعظم ابو حنیفہؒ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں ان کا اور حضرت عطاء بن ابی رباحؒ کا اجتماع ہوگیا، عطاء بن ابی رباحؒ نے پوچھا، آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں اہل کوفہ میں سے ہوں۔ عطاء ابن ابی رباحؒ نے فرمایا کہ اچھا آپ اس بستی کے رہنے والے ہیں جنھوں نے دین میں تفرقہ ڈالا اور پارٹیاں بنالیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے کہا۔ ہاں میں اس بستی کا رہنے والا ہوں۔ پھر عطاء بن ابی رباحؒ نے پوچھا کہ اچھا آپ ان مختلف اصناف میں سے کس صنف میں داخل ہیں، امام صاحب نے فرمایا۔

ممن لا یسبب السلف ویؤمن بالقدر ولا یکفر احدا بذنب

" میں ان لوگوں میں سے ہوں جو سلف صالح میں سے کسی کو برا نہیں کہتے اور تقدیر پر ایمان رکھتے ہیں اور کسی شخص کو کسی گناہ کی بناء پر کافر نہیں کہتے۔"

عطاءؒ بن ابی رباحؒ نے فرمایا کہ آپ نے حق کو پہچان لیا ہے اسی پر قائم رہیئے۔
(کتاب الاعتصام للشاطبی ص ۶۴۔ ج ۱)

امیر المومنین حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کا پہلا خطبہ

عمر ثانی افضل التابعین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جس وقت امارت و خلافت کا بار ان کے دوش مبارک پر آیا تو سب سے پہلا خطبہ جو ایک عظیم مجمع کے سامنے دیا یہ تھا جس کا ایک ایک لفظ یاد رکھنے اور حفظ کرنے کے قابل ہے۔

" حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں اور نہ تمہاری کتاب (قرآن) کے بعد کوئی دوسری آسمانی کتاب ہے اور نہ تمہاری سنت کے بعد کوئی دوسری سنت (طریقہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول) ہے اور نہ تمہاری اس امت کے بعد کوئی امت ہے۔

خوب سمجھ لو کہ حلال صرف وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی زبانی ہمارے لئے حلال فرمادیا اور وہ قیامت تک حلال رہے گا، اسی طرح حرام صرف وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ (صراحتہً یا اشارۃً) ہمارے لئے حرام کردیا۔

خوب سمجھ لو کہ میں اپنی طرف سے کوئی نئی بات ایجاد کرنے والا نہیں ہوں بلکہ محض اتباع (سنت) کرنے والا ہوں اور معلوم کرلو کہ میں (حقیقی) قاضی (فیصلہ کنندہ) نہیں بلکہ احکام کو نافذ کرنے والا ہوں (یعنی میرا کام صرف یہ ہے کہ قانون الٰہی سے جو امر ثابت ہے، اس کو نافذ کردوں)۔

اور خوب سمجھ لو کہ میں صاحب خزانہ نہیں بلکہ (محض) ایک کارکن ہوں کہ مال کو جس جگہ رکھنے کے لئے امر الٰہی آتا ہے اس میں رکھ دیتا ہوں اور میں تم سے بہتر نہیں،

بلکہ تم سے زیادہ بار عظیم کا متحمل ہوں ۔ خبردار ، کسی مخلوق کی اطاعت میں حق تعالیٰ کی معصیت جائز نہیں۔ (اعتصام ص ۱۰۲ ۔ ج ۱)

فائدہ عجیبہ

فقہ مالکیہ کی مشہور کتاب فیض الرحمٰن میں بحوالہ حیٰوۃ الحیوان مذکور ہے کہ علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس پر مداومت کرے کہ جب جوتا پہنے تو پہلے دایاں اور پھر بایاں پہنے اور جب نکالے تو پہلے بایاں اور پھر داہنا نکالے وہ تلّی کے درد سے مامون رہے گا۔ (فیض الرحمن ص ۲۳۱)

فائدہ فقہیہ

لہو و لعب اور گانے بجانے وغیرہ کی ایسی چیزیں جن کا استعمال شرعاً ناجائز ہے ان کو گھر میں رکھنا بھی گناہ اور مکروہ ہے اگرچہ ان کا استعمال نہ کیا جاوے۔

لما في خلاصة الفتاوی ص ۳۳۸ ج ۴ ولوامسک فی بیتہ شیئا من المعازف والملاھی کرہ ویاثمہ وان کان لایستعملھالان بامساک ھذہ الاشیاء یکون اللھو عادةً، انتھٰی۔

ف:۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گھر میں ایسی چیزیں رکھنا بھی مناسب نہیں جن سے گھر والوں کے اخلاق و اعمال یا عقائد وغیرہ پر برا اثر پڑے اور اسی لئے فقہاء رحمہم اللہ نے اہل باطل کی کتابوں کو اپنے گھر میں رکھنے سے منع کیا، یہ جزئیہ کتب فتاویٰ میں کہیں نظر سے گذرا ہے مگر اس وقت حوالہ یاد نہیں اور تتبع کی فرصت نہیں۔

(بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ)

مفسر قرآن قاضی بیضاوی

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ جن کی تفسیر بیضاوی عام طور پر مدارس میں زیر درس ہے شیخ تاج الدین سبکیؒ نے طبقات شافعیہ میں بذیل تذکرہ ان کا ایک دلچسپ اور عبرت خیز واقعہ نقل کیا ہے۔

موصوف اپنے فضل و کمال اور خداداد شہرت و وجاہت کی بناء پر اوائل میں شیراز کے قاضی تھے، مگر انقلاب زماں اور معاصرانہ کاوشوں کی وجہ سے سلطان وقت نے ان کو وہاں سے معزول کردیا، معزول ہونے کے بعد یہ تبریز پہنچے، وہاں ایک عالم کے حلقہ

درس میں حاضر ہوئے اور کنارہ پر ایک جگہ بیٹھ گئے ۔ اثنائے درس میں مدرس نے بطور امتحان ایک نکتہ غریبہ اس خیال سے بیان کیا کہ موجودین میں سے اس کو کوئی حل نہ کرسکے گا، بلکہ اس کے اشکال کو سمجھ بھی نہ سکے گا ، چنانچہ سب حاضرین سے خطاب کرکے کہا کہ اگر تمہیں قدرت ہے تو اس کو حل کردو ورنہ کم از کم اس کے اشکال ہی کی تقریر کردو۔

شرکائے درس سب حیران تھے کہ کیا جواب دیں کہ اچانک قاضی بیضاویؒ نے اس کا جواب دینا شروع کیا۔ مدرس نے کہا کہ میں اس وقت تک جواب نہ سنوں گا جب تک پہلے یہ نہ معلوم کرلوں کہ تم اشکال بھی سمجھ گئے ہو۔

قاضی بیضاویؒ نے اشکال کی تقریر کردی اور بیان کیا کہ آپ نے نکتہ کے بیان میں فروگذاشت کی ہے ، اس کی صحیح تقریر یہ ہے اور پھر اس کا حل نہایت صاف بیان کردیا۔

اس کے بعد اسی کی مثل ایک معمہ اپنی طرف سے پیش کرکے مدرس سے حل طلب کیا۔ مدرس اس کے حل میں حیران رہ گیا ، اتفاقاً اس مجلس میں وزیر سلطان بھی حاضر تھے ۔ یہ واقعہ دیکھ کر بیضاویؒ کی عظمت اس کے قلب میں بڑھ گئی ، (اگرچہ وہ اس وقت تک بیضاویؒ کو پہچانتے نہ تھے) اور فوراً قاضی بیضاویؒ کو ان کی جگہ سے اٹھا کر اپنے پاس لے آئے اور ان کے حالات دریافت کئے کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے اور کس غرض سے آئے ہیں؟ موصوف نے حالات بیان کئے کہ ۔

میں بیضا کا رہنے والا ہوں، قضاء شیراز کی طلب میں یہاں حاضر ہوا ہوں۔ وزیر نے ان کا بہت اکرام کیا اور خلعت و انعام دے کر رخصت کیا۔

اور بعض ارباب تاریخ نے واقعہ اس طرح نقل کیا ہے کہ قاضی بیضاوی شیخ محمد بن محمد کتانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ وزیر کی خدمت میں میری سفارش کردیں کہ وہ مجھے بھی شیراز کی قضا پر بحال کردیں۔ شیخ موصوف ایک مقبول بزرگ تھے ۔ ایک روز وزیر سے ان کی ملاقات ہوئی تو قاضی موصوف کی سفارش

ان الفاظ میں کی۔

" یہ ایک مرد صالح اور عالم فاضل ہے، اس کی درخواست یہ ہے کہ جہنم میں آپ کا شریک ہوجائے یعنی یہ چاہتا ہے کہ ایک مصلیٰ کی جگہ جہنم میں اس کو بھی مل جاوے (مجلس حکومت اس قدر خطرناک ہے کہ وہ اکثر جہنم کا سبب بن جاتی ہے، اس لئے شیخ محمد نے اس کو جہنم سے تعبیر کیا۔")

قاضی بیضاویؒ اس عجیب طرح کی سفارش سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنی درخواست ہی واپس لے لی اور پھر ہمیشہ شیخ کی خدمت میں رہنے لگے اور انہی کے اشارہ سے یہ تفسیر بھی لکھی ہے جو ہمیشہ مقبول خواص و عوام رہی ہے۔ انتہیٰ

مومن کی دنیا

از مولوی محمد قاسم صاحب اعظم گڑھی، دارالعلوم دیوبند

ما پروردیم دشمن و ماہی کشیم دوست
کس را چرا و چوں نہ رسد درقضائے ما

امام احمدؒ نے نوف بکالی سے ایک عجیب حکایت نقل فرمائی ہے، فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ دو شخص مچھلیوں کے شکار کی غرض سے چلے، ان میں سے ایک کافر تھا دوسرا مسلمان، کافر اپنا جال ڈالتے وقت اپنے معبودوں کا نام لیتا جس کی وجہ سے اس کا جال مچھلیوں سے لبریز ہوکر آتا اور مسلم اپنا جال ڈالتے وقت اللہ تبارک و تعالیٰ کا نام لیتا لیکن کوئی مچھلی اسے ہاتھ نہ آتی، اسی طرح غروب آفتاب تک دونوں شکار کرتے رہے، آخر کار اس مسلمان کو بھی ایک مچھلی ہاتھ لگی لیکن وائے ناکامی کہ وہ مچھلی بھی اس کے ہاتھ سے اچھل کود کر پانی میں جاپڑی، یہاں تک کہ یہ بے چارہ غریب مسلمان شکار گاہ سے ایسا خائب و خاسر لوٹا کہ اس کے ساتھ کوئی شکار نہ تھا اور کافر ایسا کامیاب واپس آیا کہ

اس کا کشکول مچھلیوں سے پُر تھا۔

اس عجیب و غریب حیرت ناک واقعہ سے فرشتہ مومن کو سخت افسوس ہوا اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا " اے میرے رب ! یہ کیا بات ہے کہ تیرا ایک مومن بندہ جو تیرا نام لیتا ہے ایسی حالت میں لوٹتا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی شکار نہیں ہوتا ، اور تیرا کافر بندہ ایسا کامیاب واپس آتا ہے کہ اس کا کشکول مچھلیوں سے لبریز ہوتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتہ مومن سے خطاب فرمایا کہ اے فرشتہ آ، اور اس مرد مومن کے عالیشان مقام کو دکھلا کر جو اس کے لئے جنت میں پہلے سے تیار ہے، ارشاد فرمایا کہ کیا اس مقام کو حاصل کرنے کے بعد بھی میرے اس مومن بندے کو وہ رنج وتعب جو دنیا میں مچھلیوں سے ناکامی کے باعث پہنچا تھا، باقی رہ سکتا ہے اور کافر کے اس بد ترین مقام کو دکھلا کر جو اس کے لئے جہنم میں تیار کیا گیا ہے، ارشاد فرمایا کہ کافر کی وہ چیزیں جو اس کو دنیا میں عطا کی گئی ہیں اس کو جہنم کے دائمی عذاب سے نجات دلاسکتی ہیں؟ فرشتے نے جواب دیا لاَ، واللہ یا ربّ، یعنی اے رب العزت ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔

(ف) : سبحان اللہ حق تعالیٰ کے نزدیک ایمان کا کتنا بڑا مرتبہ ہے ، مسلمانو ! اس کی قدر کرو، کسی دنیوی مصیبت کی وجہ سے پست ہمت اور ملول مت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دنیا کے عوض جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جن کے مقابلہ میں دنیاوی نعمتیں کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔

دوم:۔ اسی قسم کا ایک اور واقعہ ابی العباس ابن المسروقؒ سے مروی ہے ، فرمایا، کہ میں نے یمن میں ایک شکاری کو دیکھا جو دریا کے بعض کناروں پر مچھلی کا شکار کررہا تھا اس کے ہمراہ ایک بچّی بھی تھی، شکاری جب کوئی مچھلی شکار کرتا تو اسے لڑکی کے جھولے میں ڈال دیتا اور شکار میں مصروف ہوجاتا۔ ادھر وہ لڑکی شکار کردہ مچھلیوں کو پانی میں ڈالتی جاتی۔ ایک مرتبہ اس نے مچھلیوں کی طرف التفات کیا تو اسے کوئی مچھلی نظر نہ آئی بچّی سے دریافت کیا کہ اے بیٹی تم نے کس وجہ سے ایسا معاملہ مچھلیوں کے ساتھ کیا۔ لڑکی

نے جواب دیا، اے ابا جان ایک مرتبہ میں نے آپ کو سنا، حدیث بیان فرما رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مچھلی جال میں نہیں پھنستی، مگر جب کہ اللہ کے ذکر سے غافل ہوجاتی ہے۔ اس لئے میں نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ ایسی شے کو لقمہ بناؤں جو خدا کی یاد سے غافل ہو۔

لڑکی کے اس جواب کو سن کر وہ شخص بے اختیار رو پڑا اور جال کو ہاتھوں سے پھینک دیا۔

(ف) سبحان اللہ! پہلے لوگوں کے دلوں میں کس قدر خدا اور اس کے رسولؐ کی عظمت و محبت پوشیدہ تھی، مرد تو مرد، عورتیں اور بچیاں بھی کیسی متقی اور پرہیزگار ہوتی تھیں۔ افسوس ہے کہ آج کل ہمارے پرفتن دور میں دینداری اور پرہیزگاری کا روز بروز قحط ہوتا جارہا ہے۔ اب فیصدی ایک بھی خدا کے نیک اور دیندار بندے نظر نہیں آتے۔ مسلمانو! ان واقعات سے عبرت پکڑو اور موجودہ زمانے کے نت نئے فتنوں سے جو کہ حشرات الارض کی طرح پھیلے جارہے ہیں اپنے آپ کو بچاؤ اور اگلے لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی پوری پوری کوشش کرو، انشاء اللہ تم بھی ان کے مرتبہ کو پہنچ جاؤ گے۔

کافروں اور مجرموں کے ساتھ مسلمانوں کا حسن سلوک

اس سلسلے کے تاریخی واقعات اگر جمع کئے جاویں تو ایک ضخیم دلچسپ کتاب تیار ہو۔ اس وقت صرف دو واقعے مختصر لفظوں میں لکھے جاتے ہیں۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ:۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کے صاحبزادے عبدالرحمن نے چار قیدیوں کو ہاتھ پاؤں باندھ کر قتل کرادیا۔ تو ابو ایوب انصاری نے فرمایا کہ میں تو

مرغی کو اس طرح مارنا جائز نہیں سمجھتا۔ (مسند احمد)

غزوہ روم کے زمانہ میں بہت سے قیدی افسر تقسیمات کی زیر نگرانی تھے ان میں سے ایک عورت کو زارو نزار روتے ہوئے دیکھا گیا۔ ابو ایوب ادھر سے گذرے تو سبب دریافت کیا بیان کیا گیا کہ اس کا بچہ اس سے چھین کر علیحدہ کردیا گیا ہے۔ آپ نے فوراً اس کے بچے کو واپس دلوادیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر سخت وعید فرمائی ہے کہ ماں سے اس کے بچے کو جدا کیا جاوے۔ (مشکوٰۃ)

بدعات و محدثات
حضرات صوفیائے کرام کی نظر میں

بدعات و محدثات کے ایجاد کرنے والے اور ان پر عمل کرنے والے عموماً حضرات صوفیائے کرام اور مشائخ طریقت کی پناہ لیتے ہیں اور انہی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بہت سے عوام اس خیال میں ہیں کہ طریقت و شریعت دو متضاد چیزیں ہیں، بہت سے احکام جو شریعت میں ناجائز ہیں اہل طریقت ان کو جائز قرار دیتے ہیں اور یہ ایک خطرناک غلطی ہے کہ اس میں مبتلا ہونے کے بعد دین و ایمان کی خیر نہیں، کیونکہ انسان کو تمام گمراہیوں سے بچانے والی صرف شریعت ہے، جب اس کی مخالفت کو جائز سمجھ لیا گیا تو پھر ہر گمراہی کا شکار ہوجانا سہل ہے۔

اسی لئے مناسب معلوم ہوا کہ حضرات صوفیائے کرام اور مشائخ طریقت کے ارشادات بدعات کی مذمت اور اتباع سنت کی تاکید میں بقدر کفایت جمع کئے جاویں تاکہ عوام اس دھوکہ سے بچ جائیں کہ مشائخ طریقت بدعات کو مذموم نہیں سمجھتے، یا اتباع

سنت میں متساہل ہیں۔

اس سلسلے میں علامہ شاطبیؒ نے اپنی کتاب الاعتصام ص ۱۰۶ جلد ۱ میں ایک مستقل فصل قائم کی ہے جس میں صوفیاء متقدمین کے ارشادات دربارہ مذمت بدعات جمع کئے ہیں ہمارے لئے ان کا ترجمہ کردینا کافی ہے۔ وھی ہذا،

امام طریقت حضرت فضیل بن عیاضؒ

فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی بدعتی کے پاس بیٹھتا ہے اس کو حکمت نصیب نہیں ہوتی۔

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ

آپ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں دعا قبول فرمانے کا وعدہ کیا ہے، فرمایا اُدْعُوْنِی اَسْتَجِبْ لَکُمْ مگر ہم بعض کاموں کے لئے زمانہ دراز سے دعا کررہے ہیں، قبول نہیں ہوتی۔ اس کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارے قلوب مرچکے ہیں اور مردہ دل کی دعا قبول نہیں ہوتی اور موت قلوب کے دس سبب ہیں۔

اول یہ کہ تم نے حق تعالیٰ کو پہچانا مگر اس کا حق ادا نہیں کیا۔ دوسرے تم نے کتاب اللہ کو پڑھا اور اس پر عمل نہیں کیا۔ تیسرے تم نے محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعویٰ تو کیا، مگر آپؐ کی سنت کو چھوڑ بیٹھے۔ چوتھے شیطان کی دشمنی کا دعویٰ کیا، مگر اعمال میں اس کی موافقت کی۔ پانچویں تم کہتے ہو کہ ہم جنت کے طالب ہیں، مگر اس کے لئے عمل نہیں کرتے۔ اسی طرح پانچ چیزیں اور شمار کرائیں۔

اور غرض اس حکایت کے نقل سے یہ ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ ترک سنت کو

موت قلب کا سبب قرار دیتے ہیں۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ حق تعالٰی کی محبت کی علامت یہ ہے کہ اخلاق و اعمال اور تمام امور اور سنن میں حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کیا جاوے، اور فرمایا کہ لوگوں کے فساد کا سبب چھ چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ عمل آخرت کے متعلق ان کی ہمتیں اور نیتیں ضعیف ہوگئی ہیں' دوسرے یہ کہ ان کے اجسام ان کی خواہشات کا گہوارہ بن گئے۔ تیسرے یہ کہ ان پر طول امل غالب آگیا یعنی دنیوی سامان میں قرنوں اور زمانوں کے انتظام کرنے کی فکر میں لگے رہے، حالانکہ ان کی عمر قلیل ہے۔ چوتھے یہ کہ انہوں نے مخلوق کی رضا کو حق تعالٰی کی رضا پر ترجیح دے رکھی ہے۔ پانچویں یہ کہ وہ اپنی ایجاد کردہ چیزوں کے تابع ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو چھوڑ کر بیٹھے چھٹے یہ کہ مشائخ سلف' اور بزرگان متقدمین میں سے اگر کسی سے کوئی لغزش صادر ہوگئی تو ان لوگوں نے اسی کو اپنا مذہب بنالیا اور ان کے فعل کو اپنے لئے محبت سمجھا اور ان کے باقی تمام فضائل و مناقب کو دفن کردیا۔

اور ایک شخص کو آپ نے نصیحت فرمائی کہ تمہیں چاہئے کہ سب سے زیادہ اہتمام اللہ تعالٰی کے فرائض و واجبات کے سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کا کرو اور جس چیز سے اللہ تعالٰی نے تمہیں منع کیا ہے ان کے پاس نہ جاؤ۔ کیونکہ حق تعالٰی کی عبادت کا وہ طریقہ جو اس نے خود تعلیم فرمایا ہے اس طریقہ سے بہت بہتر ہے جو تم خود اپنے لئے بناتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ ہمارے لئے اس میں زیادہ اجر وثواب ہے، جیسے بعض لوگ خلاف سنت رہبانیت کا طریقہ اختیار کرلیتے ہیں۔

بندہ کا فرض یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے آقا کے حکم پر نظر رکھے اور اسی کو اپنے تمام معاملات میں حکم بنائے اور جس چیز سے اس نے روک دیا ہے اس سے بچے۔

آج کل لوگوں کو حلاوت ایمان اور طہارت باطن سے صرف اس چیز نے روک رکھا ہے کہ وہ فرائض اور واجبات کو معمولی چیزیں سمجھ کر ان کا اہتمام نہیں کرتے۔ جتنا کرنا چاہئے۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ کہ اے بشر! تم جانتے ہو کہ تمہیں حق تعالیٰ نے سب اقران پر فوقیت و فضیلت کس سبب سے دی ہے؟ میں نے عرض کیا، کہ یا رسول اللہؐ میں واقف نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس فضیلت کا سبب یہ ہے کہ تم میری سنت کا اتباع کرتے ہو اور نیک لوگوں کی عزت کرتے ہو اور اپنے بھائیوں کو خیر خواہی کرتے ہو اور میرے صحابہ اور اہل بیت کی محبت رکھتے ہو۔

حضرت ابوبکر دقاق رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابوبکر دقاق قدس سرّہ، جو حضرت جنید کے اقران میں سے تھے، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اس میدان میں سے گزر رہا تھا جہاں چالیس سال تک بنی اسرائیل قدرتی طور پر محصور ہے اور نکل نہ سکتے تھے جس کو وادی تیہہ کہا جاتا ہے اس وقت میرے دل میں یہ خطرہ گذرا کہ علم حقیقت علم شریعت سے مخالف ہے، اچانک مجھے غیبی آواز آئی۔

کل حقیقۃ لا تتبع بالشریعۃ	جس حقیقت کی موافقت شریعت نہ کرے
فھی کفر	وہ کفر ہے

حضرت ابو علی جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ بندہ کی نیک بختی کی علامت یہ ہے کہ اس پر خدا اور رسول کی اطاعت آسان ہوجائے اور اس کے افعال مطابق سنت کے ہوجاویں اور اس کو نیک لوگوں کی صحبت نصیب ہوجاوے اور اپنے احباب و اخوان کے ساتھ اس کو حسن اخلاق کی توفیق ہو اور خلق اللہ کے لئے اس کا نیک سلوک عام ہو اور مسلمانوں کی غمخواری اس کا شیوہ ہو اور اپنے اوقات کی نگہداشت کرے (یعنی ضائع ہونے سے بچائے)

کسی نے آپ سے سوال کیا کہ اتباع سنت کا طریقہ کیا ہے؟ فرمایا کہ بدعات سے اجتناب اور ان عقائد و احکام کا اتباع جس پر علمائے اسلام کے صدر اول کا اجماع ہے اور ان کی اقتداء کو لازم سمجھنا۔

حضرت ابوبکر ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ کمال ہمت اس کے تمام اوصاف کے ساتھ سوائے اہل محبت کے کسی کو حاصل نہیں ہوئی اور یہ درجہ ان کو محض اتباع سنت اور ترک بدعت کی وجہ سے حاصل ہوا۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مخلوق سے زیادہ صاحب ہمت اور سب سے زیادہ واصل الی اللہ تھے۔

(ف): ہمت، اصطلاح صوفیہ میں تصرّف اور توجہ کو کہتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنے تخیل کی قوت کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے کی طرف جمع کرے، اس جگہ ممکن ہے کہ یہی مراد ہو، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تصرف اور ہمت اصطلاحی کے استعمال کا صدور کہیں صراحتاً ثابت نہیں، اس لئے غالباً اس جگہ ہمّت کے لغوی معنی مراد ہیں یعنی دین کے کاموں میں چستی اور مضبوطی، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

حضرت ابوالحسن وراق رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ تک صرف اللہ ہی کی مدد اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء فی الاحکام کے ذریعہ پہنچ سکتا ہے اور جو شخص وصول الی اللہ کے لئے سواء اقتداء رسولؐ کے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرے وہ حصول ہدایت کی خاطر گمراہ ہوگیا۔

حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ

یہ بزرگ حضرت ابو عبداللہ مغربی اور حضرعت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے ہیں بدعات سے سخت متنفر اور مبتدعین پر سخت رد کرنے والے، کتاب و سنت پر مضبوطی سے قائم اور مشائخ ائمہ متقدمین کے طرز کا التزام کرنے والے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن منازل ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن شیبان تمام فقراء اور اہل آداب و معاملات پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک حجّت ہیں۔

حضرت ابو عمر زجاجی رحمۃ اللہ علیہ

یہ عبّاد و زہّاد کے مشہور امام حضرت جنیدؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ کے اصحاب میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ:

"زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا دستور یہ تھا کہ ان چیزوں کا اتباع کرتے تھے جن کو ان کی عقلیں مستحسن سمجھتی تھیں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو آپؐ نے ان کو اتباع شریعت کا ارشاد فرمایا۔ پس عقل صحیح و سلیم وہی ہے جو محسنات شرعیہ کو اچھا اور مکروہات شرعیہ کو ناپسند سمجھے۔"

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال مجاہدات کئے، مگر مجھے کوئی مجاہدہ علم اور اتباع علم سے زیادہ شدید نہیں معلوم ہوا۔ اور اگر علماء کا اختلاف نہ ہوتا تو میں مصیبت میں پڑجاتا، بلاشبہ علماء کا اختلاف رحمت ہے (مگر وہ اختلاف جو تجرید توحید کا ہو کہ وہ رحمت نہیں) اور اتباع صرف اتباعِ سنت کا نام ہے (کیونکہ علم سنت کے علاوہ دوسری چیز علم کہلانے کی مستحق نہیں)

ایک مرتبہ ایک بزرگ ان کے دفن میں تشریف لائے۔ شہر میں ان کی ولایت و بزرگی کا چرچا ہوا۔ حضرت ابو یزید نے بھی زیارت کا قصد کیا اور اپنے ایک رفیق سے کہا، چلو ان بزرگ کی زیارت کر آویں۔

ابو یزیدؒ اپنے رفیق کے ساتھ ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ یہ بزرگ گھر سے نماز کے لئے نکلے، جب مسجد میں داخل ہوئے تو جانب قبلہ تھوک دیا۔ ابو یزید یہ حالت دیکھتے ہی واپس آگئے اور ان کو سلام بھی نہ کیا۔ اور فرمایا کہ یہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آداب میں سے ایک ادب پر مامون نہیں کہ اس کو ادا کر سکے، اس لئے کیا توقع رکھی جائے کہ یہ کوئی ولی اللہ ہو۔

امام شاطبیؒ اس واقعہ کو کتاب الاعتصام میں نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ حضرت ابو یزید کا یہ ارشاد ایک اصل عظیم ہے جس سے معلوم ہوا کہ تارک سنت کو درجہ ولایت حاصل نہیں ہوتا اگرچہ ترک سنت بوجہ ناواقفیت ہونے کے ہوا ہو۔

اب آپ اندازہ کریں کہ جو علانیہ ترک سنت اور احداثِ بدعت پر مصر ہوں ان کو بزرگی اور ولایت سے دور کا بھی کوئی واسطہ ہو سکتا ہے؟

حضرت ابو محمد بن عبدالوہاب ثقفی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف وُہی اعمال قبول فرماتے ہیں جو صواب اور درست ہوں اور صواب و درست میں بھی صرف وہی اعمال مقبول ہیں جو خالص (اس کے لئے) ہوں اور خالص میں سے بھی وہی مقبول ہیں جو سنت کے مطابق ہوں۔

نیز حضرت ابو یزید کا ارشاد ہے کہ اگر تم کسی شخص کی کھلی کھلی کرامات دیکھو، یہاں تک کہ ہوا میں اڑنے لگے تو اس سے ہرگز دھوکہ نہ کھاؤ اور اس کی بزرگی و ولایت کے اس وقت تک معتقد نہ ہو، جب تک کہ یہ نہ دیکھ لو کہ امر و نہی اور جائز و ناجائز اور حفاظت حدود اور آداب شریعت کے معاملے میں اس کا کیا حال ہے۔

حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ بندہ جو فعل بغیر اقتداء (رسول) کے کرتا ہے خواہ وہ (بصورت) اطاعت ہو یا معصیت، وہ عیش نفس ہے اور جو فعل اقتداء و اتباع سے کرتا ہے وہ نفس پر عتاب اور مشقت ہے کیونکہ نفس کی خواہش کبھی اقتداء و اتباع میں نہیں ہوسکتی اور اصل مقصود ہمارے طریق (یعنی سلوک) کا یہی ہے کہ اتباع ہوا سے بچیں۔

نیز فرمایا کہ ہمارے (صوفیاء کرام کے) سات اصول ہیں، ایک کتاب اللہ کے ساتھ تمسک، دوسرے سنت رسول اللہ ؐ کی اقتداء، تیسرے اکلِ حلال (یعنی کھانے پینے اور استعمال کرنے میں اس کا لحاظ کہ کوئی چیز حرام و ناجائز نہ ہو) چوتھے لوگوں کو تکلیف سے بچانا، پانچویں گناہوں سے بچنا، چھٹے توبہ، ساتویں ادائے حقوق۔

نیز ارشاد فرمایا کہ تین چیزوں سے مخلوق مایوس ہوگئی، توبہ کا التزام ، اور سنت رسول ؐ کا اتباع ، اور مخلوق کو اپنی ایذا سے بچانا۔

نیز کسی نے آپ سے دریافت فرمایا کہ فتوت (عالی ظرفی) کیا چیز ہے ؟ فرمایا کہ اتباع سنت۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ بسا اوقات میرے قلب میں معارف و حقائق اور علوم صوفیاء میں سے کوئی خاص نکتہ عجیبہ وارد ہوتا ہے اور ایک زمانہ دراز تک وارد ہوتا رہتا ہے ، مگر میں اس کو دو عادل گواہوں کی شہادت کے بغیر قبول نہیں کرتا اور وہ دو عادل گواہ کتاب و سنت ہیں۔

حضرت ابو حفص حدّاد رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص ہر وقت اپنے افعال و احوال کو کتاب و سنت کی میزان میں وزن نہیں کرتا اور اپنے خواطر (واردات قلبیہ) کو متہم (ناقابل اطمینان) نہیں سمجھتا اس کو مردان راہ تصوف میں شمار نہ کرو۔

نیز آپ سے بدعت کی حقیقت دریافت کی گئی تو فرمایا کہ احکام میں تعدّی یعنی شرعی حدود سے تجاوز کرنا اور تہاون فی السنن یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّتوں میں سستی کرنا اور اتباع الآراء والاھواء یعنی اپنی خواہشات اور غیر معتبر آراء رجال کی پیروی اور ترک الاتباع والاقتداء یعنی سلف صالح کے اتباع و اقتداء کو چھوڑنا اور کبھی کسی صوفی کو کوئی حالت رفیعہ بغیر امر صحیح کے اتباع کے حاصل نہیں ہوئی۔

حضرت حمدون قصّار رحمۃ اللہ علیہ

آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ لوگوں کے اعمال پر احتساب اور دارو گیر کسی شخص کے لئے کس وقت جائز ہوتی ہے ۔ فرمایا کہ جب وہ یہ سمجھے کہ یہ احتساب اور امر بالمعروف مجھ پر فرض ہوگیا ہے (فرض ہونے کی صورت یہ ہے کہ جس کو امر بالمعروف کیا جائے وہ اس کا ماتحت اور تحت القدرت ہو، یا یہ یقین ہو کہ وہ ہماری بات مان لے گا ، وغیر ذلک) یا یہ خوف ہو کہ کوئی انسان بدعت میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوجاوے گا، اور اس کو یہ گمان ہے کہ ہمارے کہنے سننے سے اس کو نجات ہوجاوے گی۔

نیز ارشاد فرمایا کہ جو شخص سلف صالح کے احوال پر نظر ڈالتا ہے اس کو اپنا قصور اور مردان راہ خدا کے درجات سے اپنا پیچھا رہنا معلوم ہوجاتا ہے ۔

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ غرض اس کلام کی (واللہ اعلم) یہ ہے کہ لوگوں کو سلف صالح کی اقتداء کی ترغیب دیں، کیونکہ یہی حضرات اہلسنت ہیں۔

حضرت احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص کوئی عمل بلا اتباع سنّت کرتا ہے اس کا عمل باطل ہے

سیّد الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

آپ سے کسی نے ذکر کیا کہ عارفین پر ایک حالت ایسی آتی ہے کہ وہ تمام حرکات و اعمال چھوڑ کر تقرب الی اللہ حاصل کرتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں کا قول ہے جو اسقاط اعمال کے قائل ہیں۔

اور فرمایا کہ میں تو اگر ایک ہزار سال بھی زندہ رہوں تو اپنے اختیار سے اعمال بر (طاعات و عبادات) میں سے ایک ذرہ بھی کم نہ کروں، ہاں مغلوب و مجبور ہو جاؤں تو دوسری بات ہے۔

اور فرمایا کہ وصول الی اللہ کے جتنے راستے عقلاً ہو سکتے ہیں وہ سب کے سب بجز اتباع آثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام مخلوق پر بند کردیئے گئے ہیں (یعنی بغیر اقتداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی شخص ہرگز تقرب الی اللہ حاصل نہیں کرسکتا) اور جو دعویٰ کرے وہ کاذب ہے۔
اور فرمایا کہ ہمارا یہ مذہب کتاب و سنت کے ساتھ مقید ہے

نیز ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید کو حفظ* نہ کرے اور حدیث رسولؐ کو نہ لکھے اس معاملہ (تصوّف) میں اس کی اقتداء نہ کرنی چاہئے ۔ کیونکہ ہمارا علم کتاب و سنت کے ساتھ منضبط ہے اور فرمایا کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت ابو عثمان جیری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معیت و صحبت تین چیزوں سے حاصل ہوتی ہے ہے ایک حسن ادب ، دوسرے دوام ہیبت ، تیسرے مراقبہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحبت و معیت، اتباع سنت اور ظاہر شریعت کے التزام سے حاصل ہوتی ہے ۔ اور اولیاء کی صحبت و معیت ادب و احترام اور خدمت سے حاصل ہوتی ہے ۔ آپ کی وفات کے وقت جب آپ کا حال متغیر ہوا تو صاحبزادہ نے بوجہ شدت غم والم کے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے ۔ ابو عثمان نے آنکھ کھولی۔ اور فرمایا، بیٹا ، ظاہر اعمال میں خلاف سنت کرنا یہ باطن میں ریا ہونے کی علامت ہے ۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اپنے نفس پر قول و فعل میں سنت کو حاکم بناویگا وہ حکمت کے ساتھ گویا ہوگا۔ اور جو

---

* حفظ قرآن سے غالبا مراد یہ ہے کہ احکام قرآن پر اس کی نظر ہو اور تلاوت اس کا ورد ہو۔ اسی طرح کتابت حدیث سے ضروری احادیث کے مضامین محفوظ ہونا مراد ہے جیسا کہ مشائخ سلف و خلف کے تعامل سے واضح ہے۔

محمد شفیع عفا عنہ

قول و فعل میں خواہشات و ہوا کو حاکم بنائے گا وہ بدعت کے ساتھ گویا ہوگا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وان تطیعوا تھتدوا یعنی اگر تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے

حضرت ابوالحسین نووی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں جس کو تم یہ دیکھو کہ تقرب الی اللہ میں وہ کسی ایسی حالت کا مدعی ہے جو اس کو علم شرعی کی حد سے باہر نکال دے تو تم اس کے پاس نہ جاؤ۔

حضرت محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ اسلام کا زوال چار چیزوں سے ہے۔ ایک یہ کہ لوگ علم پر عمل نہ کریں، دوسرے یہ کہ علم کے خلاف عمل کریں۔ تیسرے یہ کہ جس چیز کا علم ہو، اس کو حاصل نہ کریں۔ چوتھے یہ کہ لوگوں کو علم حاصل کرنے سے روکیں۔ علامہ شاطبی فرماتے ہیں کہ یہ تو ان کا ارشاد ہے، اور ہمارے زمانہ کے صوفیوں کا عام طور سے یہی حال ہو گیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ معرفت رکھنے والا وہ شخص ہے جو اس کے اوامر کے اتباع میں سب سے زیادہ مجاہدہ کرتا ہو اور اس کے رسولؐ کا سب سے زیادہ متبع ہو۔

حضرت شاہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی نظر کو غیر محارم سے محفوظ رکھے اور اپنے نفس کو شبہات سے بچائے اور اپنے باطن کو دوام مراقبہ کے ساتھ معمور کرے اور ظاہر کو اتباع

سنت سے آراستہ کرے اور اپنے نفس کو اکلِ حلال کی عادت ڈالے تو اس کی فراست میں کبھی خطا نہیں ہو سکتی۔

حضرت ابو سعید خرّاز رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ ظاہر شریعت جس باطنی حالت کا مخالف ہو، وہ باطل ہے۔

حضرت ابو العبّاس ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ

جو سیّد الطائفہ حضرت جنیدؒ کے اقران میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے نفس پر آداب الہیہ کو لازم کرلے، اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو نور معرفت سے منوّر فرما دیتا ہے اور کوئی مقام اس سے اعلیٰ و اشرف نہیں ہے کہ بندہ حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوامر اور اخلاق میں ان کا متبع ہو۔ نیز فرمایا کہ سب سے بڑی غفلت یہ ہے کہ بندہ اپنے رب سے غافل ہو اور یہ کہ اس کے آداب معاملہ سے غافل ہو۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ علم کثرت روایت کا نام نہیں، بلکہ عالم صرف وہ شخص ہے جو اپنے علماء کا متبع ہو اور اس پر عمل کرے اور سنّت نبویؐ کا اقتداء کرے، اگرچہ اس کا علم تھوڑا ہو۔ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ عافیت کیا چیز ہے تو فرمایا۔

دین بلا بدعۃ و عمل بلا آفۃ و قلب بلا شغل و نفس بلا شھوۃ	دین بغیر بدعت کے اور عمل بغیر آفت کے (یعنی بدعات و مخترعات کی آفتیں اس میں شامل نہ ہوں) اور قلب فارغ جس کو (غیر اللہ کا) شغل نہ ہو اور نفس جس میں شہوت (کا غلبہ) نہ ہو۔"

اور فرمایا کہ (حقیقی) صبر یہ ہے کہ احکام کتاب و سنت پر مضبوطی سے قائم رہے

حضرت بنان حمّال رحمۃ اللہ علیہ

آپ سے دریافت کیا گیا کہ احوالِ صوفیہ کی اصل کیا ہے ؟ فرمایا (چار چیزیں) اول جس چیز کا حق تعالیٰ نے خود ذمہ لے لیا ہے اس میں اس پر اعتقاد و توکل کرنا (یعنی رزق) دوسرے احکام الہٰی پر مضبوطی سے قائم رہنا۔ تیسرے قلب کی حفاظت (لایعنی تفکرات سے) چوتھے کونین سے فارغ ہو کر توجہ محض ذات حق کی طرف رکھنا)

حضرتِ ابو حمزہ بغدادی قدّس سرّہ

فرماتے ہیں کہ جس شخص کو حق کا راستہ معلوم ہوجاتا ہے اس کو اس پر چلنا بھی سہل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے راستے کے لئے کوئی رہبر و رہنما بجز سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال و افعال و اقوال میں متابعت کے نہیں ہے۔

حضرت ابو اسحاق رقاشی قدّس سرّہ

فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ میں حق تعالیٰ کی نظر میں محبوب ہوں یا نہیں۔ تو علامت اللہ تعالیٰ کی محبت کی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو سب کاموں پر ترجیح دے اور دلیل اس کی حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔

حضرت ممشاد دینوری قدس سرہ

فرماتے ہیں کہ آداب مرید کا خلاصہ یہ ہے کہ مشائخ کے احترام و عظمت کا احترام کرے اور اخوانِ طریقت کی حرمت کا خیال رکھے اور اسباب کی فکر میں (زیادہ) نہ پڑے اور آدابِ شریعت کی اپنے نفس پر پوری حفاظت کرے ۔

حضرت ابو علی روز باری قدس سرہ

آپ سے کسی نے ذکر کیا ، بعض صوفیاء غناء و مزامیر سنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ میرے لئے حلال ہے کیونکہ میں ایسے درجہ پر پہنچ چکا ہوں کہ مجھ پر اختلاف احوال کا اثر نہیں ہوتا تو آپ نے فرمایا کہ اس نے یہ تو سچ کہا ہے کہ وہ پہنچ گیا ہے مگر اللہ تک نہیں بلکہ جہنم تک ۔

حضرت ابو محمد عبد اللہ بن منازل رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص فرائض شرعیہ میں سے کسی فریضے کو ضائع کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ سنن کی اضاعت میں مبتلا فرما دیتے ہیں اور جو شخص سنن کی اضاعت میں مبتلا ہوتا ہے وہ بہت جلد بدعات میں مبتلا ہو جاتا ہے ۔

زبان اور لباس کا اثر اخلاق و معاشرت پر

جس طرح جمادات و نباتات اور جڑی بوٹیوں میں حق تعالیٰ نے خاص خاص آثار ودیعت رکھے ہیں جن میں سے طبع انسانی کے لئے مفید بعض مضر سمجھے جاتے ہیں اور دوا و علاج اور پرہیز میں ان کا لحاظ رکھا جاتا ہے اسی طرح انسانی افعال و اعمال میں بھی ہر عمل کے کچھ خواص ہیں جو قرآن و حدیث میں بیان کئے گئے اور بعض مشاہدات و تجارب سے ثابت ہیں۔

زبان اور لباس اسی سلسلے کی دو کڑیاں ہیں کہ ان میں حق تعالیٰ نے خاص خاص آثار رکھے ہیں اور اکثر احکام اسلامیہ میں ان کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

صدیوں کے تجربہ اور ہزاروں مشاہدات سے یہ امر درجہ یقین کو پہنچ جاتا ہے کہ انسان جس قوم کی زبان اور لباس اختیار کرتا ہے اس کے خیالات اور اخلاق نہایت سرعت سے اس کے قلب و دماغ پر چھا جاتے ہیں اس دقیق ربط کی حقیقت کو آپ سمجھ سکیں یا نہ سمجھیں، مگر نتائج اس کے اس قدر کھلے ہوئے ہیں کہ ان کا انکار نہیں ہوسکتا۔

ہمارے اسلاف اس گر سے واقف تھے۔ انہوں نے جب جزیرۃ العرب سے علم ہدایت لے کر عجم کی طرف قدم نکالا تو ہر جگہ اس کا خیال رکھا اور جس طرح اسلام کی اشاعت و تبلیغ کو تمام عالم انسان پر عام کرنے کی کوشش کی اسی طرح عربی زبان اور عرب کی وضع و لباس کو بھی عام کرنے کی سعی فرمائی اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ حیرت انگیز کامیابی حاصل کی کہ عالم میں اس کی نظیر نہیں۔ ایک طرف اگر دنیا کا جغرافیہ بدل ڈالا تو دوسری طرف طبقات و ممالک کی زبانیں بدل ڈالیں۔ اس سے پہلے مصر میں قبطی زبان، شام میں رومی زبان، عراق و خراسان میں فارسی، بلاد یورپ میں بربری زبانیں رائج تھیں۔ اسلام ان بلاد میں پہنچا تو تھوڑے عرصہ میں ان ممالک کی زبانیں اس طرح بدل گئیں کہ

لوگ مادری زبانوں کو بالکل بھول گئے اور ملکی زبانوں کا نام و نشان نہ رہا۔

عربی زبان کے اس عموم و شیوع میں خود اس زبان کی شیرینی اور وسعت و سہولت کو بھی بڑا دخل ضرور ہے لیکن ساتھ ہی اس میں بھی شبہ نہیں کہ حضرات صحابہ و تابعین کی حکمت عملی اور اہتمام خاص کے بغیر یہ کایا پلٹ ہوجانا ممکن نہ تھا۔

اسی حکمت عملی کا ایک جزو یہ تھا کہ یہ اساطین امت جس خطہّ ملک مین اترے جب خطبہ دیا تو عربی زبان میں دیا' حالانکہ مخاطب اس زبان سے بالکل ناواقف تھے، اور یہ حضرات اس پر قادر تھے کہ خود یا کسی ترجمان کے ذریعہ خطبہ کو ملکی زبان میں مخاطبین تک پہنچادیں لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا اور ضروری احکام کو مخاطبین کی ملکی زبان میں پہنچا دینے کے لئے دوسرے انتظامات کرکے خطبوں کو صرف عربی زبان میں منحصر رکھا تاکہ مخاطب کو خود اس طرف رغبت ہو کہ امام و امیر کی تقریر کا مفہوم سمجھنے کے لئے عربی زبان سے آشنا ہو، اور ایسا ہی ہوا۔

اسلامی اعتدال کی ایک مثال: لیکن اس حکمت عملی میں بھی مسلمانوں نے اپنے امتیازی نشان یعنی اعتدال اور حفاظت حدود کا ایسا خیال رکھا ہے کہ دوسری قوموں میں اس کی نظیر نہیں مل سکی۔ وہ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد عربی زبان عام ہوجاوے لیکن اس مقصد کو ترغیب کی حد سے بڑھنے نہیں دیا کہ جبرو اکراہ کی نوبت آجاوے اقوام عالم کی کسی ایسی ضرورت کو عربی زبان پر موقوف نہیں رکھا۔ جس کے بغیر گذارہ مشکل ہو۔

خطبہ کا سمجھنا کوئی فرض و واجب نہیں کہ اس کے نہ سمجھنے سے انسان گنہ گار ہو۔ البتہ ترغیب کا ایک بہترین اور معتدل ذریعہ تھا کہ طبعی طور پر مخاطب کو اس کی رغبت ہوتی ہے کہ امیر کی تقریر کو سمجھے۔

بخلاف اقوام نصاریٰ کے کہ جب ان کو اس گر کی خبر ہوئی اور انہوں نے اپنی زبان کو عام کرنے کی ناکام سعی شروع کی تو اس مقصد کے لئے خلق اللہ کی زندگی تنگ کردی' ان کا سفر و حضر اور معاملات بیع و شراء رزق و روزی کو اپنی زبان جاننے پر موقوف کردیا۔

ان کی ازلی محرومی اور زبان کی تنگی و سختی اگر درمیان میں نہ ہوتی تو بلاشبہ آج دنیا میں انگریزی کے سوا اور کسی دوسری زبان کا نام و نشان نہ رہا ہوتا۔

یہ حق تعالیٰ نے اسلام اور اسلامی زبان ہی کو خصوصی فضیلت عطا فرمائی ہے کہ وہ جس ملک میں داخل ہوئی ساری زبانیں منسوخ کرکے سب کی جگہ لے لی۔

یورپ کا مشہور ڈاکٹر گستاولی بان ، زبان عربی کی اس ہمہ گیری پر حیران ہو کر لکھتا ہے کہ

> "زبان عربی کی نسبت ہم کو وہی کہنا ہے جو ہم نے مذہب عرب کی نسبت کہا ہے یعنی جہاں پہلے ملک گیر اپنی زبان کو مفتوحہ ممالک میں جاری نہ کرسکے تھے عربوں نے اس میں کامیابی حاصل کی اور مفتوحہ اقوام نے ان کی زبان کو بھی اختیار کیا۔ یہ زبان ممالک اسلامی میں اس درجہ پھیل گئی کہ اس نے یہاں کی قدیم زبانوں یعنی سریانی ، قبطی ، یونانی، بربری وغیرہ کی جگہ لے لی۔ ایران میں بھی ایک مدت تک عربی زبان قائم رہی اور اگرچہ اس کے بعد زبان فارسی کی تجدید ہوئی لیکن اس وقت تک علماء کی تحریریں اسی زبان میں ہوتی تھیں ۔ ایران کے کل علوم و مذاہب کی کتابیں عربی ہی میں لکھی گئی ہیں۔ ایشیا کے اس خطہ میں زبان عربی کو وہی حالت ہے جو ازمنہ متوسطہ میں زبان لاطینی کی حالت یورپ میں تھی۔ ترکوں نے بھی جنہوں نے عربوں کے ملک فتح کیے انہی کی طرز تحریر اختیار کرلی اور اس وقت تک ترکوں کے ملک میں کم استعداد لوگ بھی قرآن کو بخوبی سمجھ لیتے ہیں۔

یورپ کی لاطینی اقوام کی ایک مثال البتہ ہے ، جہاں زبان عربی نے ان کی قدیم السنہ کی جگہ نہیں نے لی ، لیکن یہاں بھی انہوں نے اپنے تسلط کے بیّن آثار چھوڑے ہیں۔ موسیوڈوزی اور موسیو انگلمین نے مل کر زبان اندلس اور پرتگال کے ان الفاظ کی جو

عربی سے مشتق ہیں ایک لغت تیار کرلی ہے ، فرانس میں بھی عربی زبان نے بڑا اثر چھوڑا ہے ۔ موسیو سدی یو نہایت درست لکھتے ہیں کہ اووِرن اور شوژین کے بھی زبان عربی الفاظ سے زیادہ معمور ہوگئے ہیں اور ان کے ناموں کی صورت بھی بالکل عربی ہے فرانسیسی زبان کے ایک لغت نویس جنہوں نے الفاظ کا اشتقاق دیا ہے لکھتے ہیں کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فرانس میں عربوں کے قیام کا اثر نہ محاورات پر رہا ہے نہ زبان پر ۔

جو فہرست اوپر لکھی جاچکی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس رائے کی کس قدر وقعت ہے ۔ نہایت تعجب کی بات ہے کہ اب بھی ایسے تعلیم یافتہ لوگ موجود ہیں جو اس قسم کے مہمل اقوال کا اعادہ کرتے ہیں ۔ انتھی اس فرانسیسی لغوی کی لغو بیانی کو تو خود یورپ کے فاضل گستاولی بان نے واضح کرکے محتاج تردید نہیں چھوڑا ہے لیکن ہم اتنا اور بتادینا چاہتے ہیں کہ یہ مسکین یا تو یورپ کی گذشتہ تاریخ سے بالکل ناواقف ہے اور یا محض قومی تعصب کی وجہ سے لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنا چاہتا ہے ۔

تاریخ شاہد ہے کہ بلاد یورپ میں دخول اسلام کو نصف صدی گذرنے نہ پائی تھی کہ وہاں کے عام سُکّان و باشندگان نے بَربَری اور لاطینی زبان کو دفن کردیا کہ ان ممالک میں نصاریٰ کے پادری اس پر مجبور ہوگئے کہ اپنے مذہب کی نماز و عبادت کا ترجمہ عربی زبان میں کرکے مسیحی قوم کے سامنے پیش کریں تاکہ وہ اس کو سمجھ سکیں۔

(از رسالہ غابر الاندلس و حاضرہا ص ۴۸)

الغرض امراء اسلام نے اشاعتِ زبان کے اہم مقصد کے ساتھ رعایا کی سہولت و آسانی کا بھی خاص اہتمام رکھا ہے اقوامِ یورپ کی طرح دنیا کو اس پر مجبور نہیں کیا۔ بایں ہمہ جس طرح اسلام ناسخ الادیان مسلم تھا اسی طرح لسانِ عرب ناسخِ السنہ ہوگئی۔

آپ غور کیجئے کہ اسلافِ اسلام نے عربی زبان کی اشاعت میں یہ کوشش کیوں کی۔ اس کا ایک سیاسی مقصد تو ظاہر اور عام ہے کہ حاکم و محکوم اور سلطان و رعیت میں ارتباط و انبساط بڑھے ۔ دوسرا مقصد یہ بھی ان حضرات کا مطمعِ نظر تھا کہ جب قرآنی زبان لوگوں

میں رائج ہوگی تو قرآنی اخلاق و معاشرت بھی ان میں باآسانی پیدا ہوسکیں گے چنانچہ عربی زبان کے عموم کے ساتھ ہی یہ دونوں مقصد حاصل تھے۔

آج کل یورپ کو اپنی ہمہ دانی پر ناز ہے وہ اپنے آپ کو تہذیب و تمدّن اور سیاست کا مالک سمجھتا ہے اسی کی ایک مثال پر نظر ڈالیئے۔

ممالک یورپ میں اسلامی زبان اور اسلامی تمدّن و معاشرت:- اسلام جب بلاد مغرب میں فاتحانہ داخل ہوا اور اندلس و پرتگال اس کا مستقر ہوگئے تو نصف صدی نہ گذری تھی کہ یہاں کی بربری زبان بھی رخصت ہوئی یہ ملک ایک خطۂ عرب بن گیا اور نہ صرف زبان بلکہ یورپ کی ساری اقوام وضع قطع اور تمدن و معاشرت میں مسلمانوں کی نقل اتارنے کو فخر سمجھنے لگیں اور یہی نہیں بلکہ آس پاس کے دوسرے ممالک فرانس وغیرہ کے اس محبوبانہ اثر سے خالی نہ رہے۔

شیخ محمد کرد علی مصری جو مصر میں مجمع علمی کے صدر ہیں اپنے سفرنامہ، اندلس میں اندلس و پرتگال کے چشم دید واقعات اور اس کے ماضی و حال کا موازنہ بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"نہ فقط وہ ممالک یورپ جو اسلام کے زیر نگین آچکے تھے، اسلامی زبان و اسلامی معاشرت کے دلدادہ ہوگئے، بلکہ گرد و پیش کے ممالک یورپ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ جلالقہ، لیوتیون، نارفاریون کے سمجھدار لوگ عربی زبان سیکھتے تھے، وہ مسلمانوں کے تمدّن و معاشرت پر ایسے فریفتہ تھے کہ اپنے مذہبی اصول کو چھوڑ کر مسلمانوں کی وضع قطع، مسلمانوں کی عادات و خصال مسلمانوں کی طرح اپنی عورتوں کو پردہ میں رکھنے کے عادی ہوگئے تھے"

(غابر الاندلس و حاضرہا ص ۲۹)

افسوس: کہ ہم کیا سے کیا ہوگئے، کہاں سے کہاں جا پہنچے، سلف کی اس ناخلف اولاد نے کس طرح ان کی عزت کے نشانات کو مٹایا اور غیروں کی غلامی کا طوق اپنے ہاتھوں

سے اپنی گردن میں ڈال لیا، ان کی قائم کی ہوئی بنیادوں کی ایک ایک اینٹ اور لگائے ہوئے چمن کا ایک ایک درخت جڑ سے نکال دیا۔ صد افسوس کہ جو قومیں ہماری نقالی کو (بجا طور پر) فخر سمجھتی تھیں آج ہم (بے جا طور پر) ان کے نقال بن گئے، وضع قطع ان کی اختیار کرلی، زبان ان کی لے لی، بے ضرورت بھی انگریزی لفظ بولنے کو فخر سمجھنے لگے۔ صحیح لفظ بھی نہ آتا ہو تو غلط ہی سہی، صاحب بہادر کی مشابہت کا تو ثواب مل ہی جاتا ہے۔

عورتوں کو پردہ سے نکالا اور مردوں کے دوش بدوش لا کھڑا کیا، انا للہ والیہ المشتکی، ان حالات کے استحضار نے یہ چند اشعار بیساختہ زبان پر جاری کردیئے۔

نام لیتے ہیں ہم بزرگوں کا! اور ہر بات میں ہیں ان کے خلاف
ان کے اخلاق کا مٹایا نام ہاتھ سے کھودیئے وہ سب اوصاف
شکل و صورت میں ان کی ضد ہیں ہم جانشینی کی اس پر لاف و گزاف
سب کی نظروں میں تم ہو ذلیل تو خطا کیا ہے پھر قصور معاف
تم ہی انصاف سے ذرا کہہ دو انہی اسلاف کے ہو تم اخلاف
نام سے جن کے تھا جہاں روشن جن کے عالم پہ عام تھے الطاف
نقل کو جن کی جانتے تھے شرف اہلِ عالم کے خود پسند اشراف

آج بھی ذلتوں سے جائے پناہ
ہے اگر کچھ تو اسوہِ اسلاف

ہم نے اول صرف ان کی زبان اور وضع اختیار کی اور سمجھا کہ ایمان و اسلام کا تعلق قلب سے ہے، ظاہری وضع و تراش کو اس میں کیا دخل، لیکن تجربہ نے بتلادیا کہ یہی ایک بجلی کی رو تھی جو قلب و دماغ پر چھاگئی اور انگریزیت و نصرانیت ہمارے دلوں کی تہہ میں بیٹھ گئی۔

ایک شخص ابتداء میں صرف انگریزی جوتا استعمال کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس سے ہم انگریز نہیں بن گئے، لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں وہ دیکھ لے گا کہ یہ انگریزی جوتا

اس کے بدن سے اسلامی پاجامہ اتروا کر ٹخنوں سے نیچا پاجامہ پہننے پر مجبور کردے گا۔ پھر یہ پاجامہ اس کا اسلامی کرتہ اور عباء اتروائے گا، اور جب اعضاء و جوارح اور بدن انسانی کی پارلیمینٹ کے سب ارکان مغربی رنگ کے ہوگئے تو اس کے سلطان سرتاج کو مجبور ہو کر ان کا تابع بننا پڑے گا اور انگریزی ٹوپی اسلامی عمامہ کی جگہ لے لے گی اور جب خود گھرے گھرائے صاحب بہادر بن گئے تو سمجھ لیجیئے کہ اب گھر کے قدیم اصول ورواج کی خیر نہیں، کیونکہ یہ کسے کسائے صاحب بہادر کسی مسند پر نہیں بیٹھ سکتے، دستر خوان پر کھانا تناول نہیں فرماسکتے۔ نماز کے لئے بار بار وضو نہیں کرسکتے، رکوع و سجدہ نہیں کرسکتے۔

غرض گھر کا پرانا فرنیچر رخصت، پرانی وضع قطع رخصت، رسم و رواج رخصت، طہارت و عبادات، رخصت۔

دیکھ لیا کہ ایک انگریزی جوتے کی آفت کہاں تک پہنچی اور کس طرح اس نے تمہارے دین و دنیا کو تباہ کر ڈالا۔

حقیقت میں گناہوں کا ایک سلسلہ ہے جب انسان ایک گناہ اختیار کرتا ہے تو دوسرا خود بخود اس کے ساتھ لگ لیتا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ نیکی کی فوری جزاء یہ ہے کہ اس کے بعد دوسری نیکی کی توفیق مل جاتی ہے اور گناہ کی فوری سزا یہ ہے کہ اس کے بعد دوسرے گناہوں میں مبتلا ہوجاتا ہے۔از رسالہ الدواء الشافی لابن القیم)

ہم آج انگریزوں کے مظالم اور تکبر آمیز معاملات سے نالاں ہیں اور ان کو برا بھی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں، مخالفت کا اظہار بھی کرتے ہیں لیکن افسوس کہ انگریز جن عادات و خصال اور اخلاق و معاشرت کی وجہ سے قابل نفرت ہیں وہ ہمارے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہیں انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لئے تو بہت لوگ سرگرم کار نظر آتے ہیں لیکن انگریزیت کو قلب و دماغ اور اس کی غلامی کے طوق و زنجیر کو اپنے دست و گلو سے نکالنے کے لئے کوئی تیار نظر نہیں آتا، حالانکہ وہ غیر اختیاری ہے اور یہ اختیاری اس کے راستہ میں بہت سی مشکلات یہاں کچھ نہیں۔

اگر حقیقت میں ہمیں نصاریٰ اور انگریزوں سے نفرت ہے تو ہمارا پہلا قدم یہ ہونا چاہئے کہ آج ہی ان کی وضع قطع اور طرز معاشرت کو یکلخت چھوڑ دیں اور زبان کا استعمال بھی بقدر ضرورت و مجبوری کریں۔ اور بغیر شدید ضرورت کے انگریزی الفاظ و زبان کا استعمال نہ کریں اور جن مواقع میں انگریزوں کی پالیسی نے ہمیں انگریزی کے لیے مجبور کر رکھا ہے ان میں بھی اس کی کوشش کریں کہ کوئی ہندوستانی اس پر مجبور نہ رہے ڈاک اور ریل کے ٹکٹ اور تمام کاروبار ہماری ملکی زبان میں ہوں، ہندوستانی عدالتوں کے فیصلے ملکی زبان میں ہوں تاکہ ہمارے قلوب و دماغ نصاریٰ کے تسلط سے پاک ہوں۔

حافظ حدیث علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ اقتضاء الصراط المستقیم میں فرماتے ہیں۔

ان اعتیاد اللغۃ موثر فی العقل والخلق والدین تاثیر ابینًا

"کسی قوم کی زبان کا عادی ہونا اس کی عقل اور اخلاق اور دین میں کھلی ہوئی تاثیر رکھتا ہے۔"

افسوس ہے کہ آج مسلمانوں کی نظر اس قدر سطحی ہوگئی ہے کہ اپنے بزرگوں کے برتے ہوئے مجرّب اصول اور اُن کے بتلائے ہوئے گر ان کی سمجھ میں نہیں آتے، انہیں قرآن و حدیث کے ارشادات سنائے جاتے ہیں تو ان کے دل اس کے قبول کے لئے نہیں کھلتے۔

سلف صالح کے حکمت آموز کلمات و اصول بتلائے جاتے ہیں تو وہ ان کی نظر میں نہیں آتے۔ وہ علماء کو یہ رائے دیتے ہیں کہ عربی زبان کے رہے سہے آثار بھی مٹا دیں۔ خطبے اردو زبان میں پڑھیں، عربی کا نام نہ آنے دیں۔ اس لئے آخر میں ہم خود اس قوم کے چند واقعات پیش کرتے ہیں جس کی کورانہ تقلید نے ہمارے بھائیوں کو مصائب و ذلّت کا شکار بنا رکھا ہے۔

ذرا غور کیجئے کہ ہندوستان میں باوجود اس اشاعت و عموم کے فیصدی کتنے آدمی ہیں جو انگریزی جانتے ہیں لیکن انگریزوں نے اپنی سیاسی حکمت عملی کی بناء پر سارے دفتروں کے کاغذات، ریل اور ڈاک کے ٹکٹ اور تمام کاروبار انگریزی میں رکھے ہیں۔ اپنی ملکی زبان میں

تمام علوم و فنون کا ماہر ہندوستانی انگریزوں کے دفتروں میں ایسا پھرتا ہے جیسے کوئی اندھا پھرا کرتا ہے۔

آپ غور نہیں کرتے کہ آخر انگریزوں نے یہ طرز کیوں اختیار کیا اور ہندوستانیوں کو انگریزی سیکھنے پر مجبور کرنے سے ان کا کیا مقصد ہے۔ اگر ذرا غور سے کام لو تو مقصد کھلا ہوا ہے کہ ہندوستانی عموماً اور مسلمان خصوصاً ایک مذہبی فطرت رکھتے ہیں اور مذہب کسی وقت اجازت نہیں دیتا کہ مسلمان کسی کافر کا غلام بن جائے، بلکہ مسلمان براہ راست اس کے لئے بھی اجازت نہیں دیتا کہ کسی کافر کی وضع قطع اور اس کی معاشرت اختیار کرے اس لئے موجودہ حکومت نے یہ جال پھیلایا کہ اپنی زبان سیکھنے پر انہیں مجبور کر دیا۔ زبان سیکھتے ہی ان کی معاشرت خود بخود بدلی۔ معاشرت بدلنے کے ساتھ ہی انہیں قومی اور مذہبی عزت حقیر نظر آنے لگی اور انگریزی معاشرت کے طوق کو وہ اپنی زینت سمجھنے لگے۔

اندلس میں عربی زبان اور عربی معاشرت کو مٹانے کی کوشش، اسلامی کتب خانے نذر آتش

اور یورپین نصاریٰ کی یہ پالیسی آج کی نہیں بلکہ زوال اندلس کے وقت جبکہ ممالک یورپ مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر نصاریٰ کے زیر نگیں ہوگئے اور نصاریٰ نے ہر طرح کے جبر و اکراہ سے یہ چاہا کہ رعیّت کو اپنا ہم رنگ اور ہمنوا بنالیں مگر صدیوں کی پیہم کوششوں کے باوجود اس میں کامیابی نہ ہوئی تو وہاں کے تجربہ کار اس کی تفتیش میں لگے کہ اس کا سبب کیا ہے ایک کمیشن اس کے لئے بنایا گیا۔

اس کمیشن کی رپورٹ یہ ہوئی کہ ہم نے اگرچہ مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکال دیا ہے لیکن اسلامی زبان (عربی) کے مدارس اور اس کی تعلیم و تعلم ابھی تک ہمارے ملک میں عام ہے۔ اسلامی معاشرت و تمدن رائج ہے۔

اسی نے سب کے قلوب کو مسخر کیا ہوا ہے اور ہم سے ان کا رشتہ نہیں جوڑتا جب تک کہ اسلامی زبان، اسلامی کتب اور اسلامی معاشرت کو ممالک یورپ سے ختم نہ کر دیا جائے گا ہم اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔

۱۵۰۱ء میں ان لوگوں کی یہ رپورٹ سامنے آئی اسی وقت سے حکومتوں نے اپنا تمام تر زور اس پر خرچ کردیا کہ یہ اسلامی نشانات یکسر ممالک یورپ سے فنا کردیئے جائیں۔
چنانچہ اس سال قشتالہ و غرناطہ سے ایسے پکّے مسلمانوں کو بے سروسامان نکل جانے پر مجبور کردیا گیا جن کے متعلق حکومت کو یقین تھا کہ یہ اپنی زبان و معاشرت کو نہ چھوڑیں گے۔

۱۵۱۱ء میں کردنیا کسینس نے اسلامی قلمی کتابوں کو اطراف و جوانب سے جمع کرکے غرناطہ کے میدان میں ایک عظیم الشان انبار جمع کردیا جو عالم انسان کے منتخب افراد کی صدیوں کی عرق ریزی و محنت کے نتائج اور علوم شریعت و حکمت اور فلسفہ و ریاضی کے علمی خزائن تھے اس ناعاقبت اندیش ظالم نے یہ عظیم الشان انبار نذر آتش کردیا۔ اور اسی پر بس نہیں کی بلکہ کسی اسلامی کتاب کا رکھنا قانونی جرم بنا دیا اور جس جگہ کوئی کتاب ہاتھ آئی اس کو ضبط کرلینے اور جلا دینے کا حکم عام کردیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ پچاس سال تک حکومت کی یہ کوشش جاری رہی جب ممالک یورپ سے اسلامی کتابوں کو مٹایا جاسکا۔
آپ اس سے ایک طرف تو اس علوم اسلامی کی ہمہ گیری اور جاذبیت کا اندازہ کرسکتے ہیں اور دوسری طرف یورپین نصاریٰ کی اندھی ذہنیت، کمینہ طبعیت اور اسلام دشمنی کا کچھ تخمینہ کرسکتے ہیں کہ یہ علوم و معارف کے خزائن جو ہر قوم کے لئے کام آنے والی چیز تھی اور ہزاروں فاضل علماء کی عمر بھر کی کمائی اور یکتا موتیوں سے زیادہ قیمتی خزائن تھے ان درندوں نے اس کے ساتھ کیا وحشیانہ سلوک کیا۔ خود یورپ کے غیر متعصّب عیسائی ان کے ظلم و ستم پر ماتم کررہے ہیں اس لئے نہیں کہ وہ مسلمانوں پر رحم کھاتے ہیں، بلکہ اس لئے کہ وہ خود ان کتابوں اور علوم کے محتاج تھے (دیکھو غابر الاندلس)
۱۵۲۶ء میں فیلیب امیر ہسپانیہ نے اپنی قلمرو میں یہ حکم جاری کردیا کہ کوئی شخص کوئی عربی جملہ نہ بول سکے۔ جن لوگوں کے نام عربی ترکیب پر مشتمل ہیں ان کے نام بدل دیئے جائیں اور جو لوگ اس کو منظور نہ کریں وہ اس کی قلمرو سے نکل جائیں۔ چنانچہ

لاکھوں مسلمانوں کو اسی قانون کے ماتحت بے سروسامان جلا وطن کردیا گیا۔ (غابر الاندلس و حاضرہا ص ۱۵۶)

الغرض نصاریٰ اور مغربی اقوام اس گُر کو سمجھتے ہیں جس کی بدولت ہمارے اسلاف نے اسلام اور عرب کا سکّہ لوگوں کے قلوب پر بیٹھایا تھا اور اپنی کامیابی کا راز اس میں وہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی آثار و شعائر اور زبان و معاشرت کو فنا کردیں۔

لیکن افسوس۔ اسلام کا نام لینے والے اب بھی اس کو نہیں سمجھتے، بلکہ جو کام فیلیپ نے بزور قانون اپنی رعیّت سے کرایا تھا ہمارے سادہ لوح مسلمان وہ خود اپنے ہاتھوں سے خوشی خوشی اس کو انجام دے رہے ہیں اور یہی نہیں کہ وہ اتفاقی اس بلا میں پھنس گئے ہوں، بلکہ اس سم قاتل کو آب حیواں اور اس مرض کی دوا سمجھ رہے ہیں۔

الٰہ العالمین! تو ہی مسلمانوں کو عقل دے کہ اب بھی اس حکمت کو سمجھ لیں اور غیروں کی زبان اور غیروں کی معاشرت اور غیروں کی وضع قطع سے اجتناب کرلیں، وہ اگر غیروں کے حاکمانہ اور ظالمانہ تسلط کو اپنے اوپر سے ہٹانے میں کسی قدر مجبور و معذور ہیں اور انگریزی وغیرہ کو ملازمت وغیرہ کی مجبوری سے نہیں چھوڑ سکتے تو اس میں کیا عذر ہے کہ اپنے قلب و دماغ اور اعضاء و جوارح سے ان کی غلامی کے طوق و زنجیر اتار پھینکیں اور اپنے نجی معاملات میں انگریزی زبان بولنا چھوڑ دیں۔

ہماری یہ غرض نہیں کہ سرِ دست انگریزی زبان بولنا چھوڑ بیٹھیں اور جو عہدے اور منصب اس پر موقوف کردیئے گئے ہیں ان سے یکسو ہوجاویں، غرض یہ ہے کہ ایک تو بے ضرورت اور بلا مجبوری اس زبان کا استعمال اپنے کاروبار میں نہ کریں۔ دوسرے اپنے سیاسی مطالبات میں بھی ان کو شامل کریں کہ ملک کے سب کاروبار ملکی زبان میں ہوں۔

اور اگر وہ یہ کرلیں تو شاید دوسری قسط بھی ان کے لئے بہت قریب نظر آنے لگے، مگر یہ دقیانوسی خیالات کس سے کہیں اور کون سنے۔

می نفہمد کسے زبان مرا　　　بعزیزاں چہ التماس کنم

اللّٰھم انا نعوذبک من شرور انفسنا و سیئات اعمالنا فلا ملجاء ولا منجاء منک الا الیک۔

مصائب دنیا رحمت ہیں یا عذاب

بعض روایاتِ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی مصائب و آفات حق تعالیٰ کی رحمت اور بڑی فضیلت کی چیزیں ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ سب سے زیادہ بلائیں انبیاء علیہم السلام پر آتی ہیں، اس کے بعد درجہ بدرجہ مقبولین و اولیاء پر۔

لیکن اس کے بالمقابل بہت سی آیات قرآنیہ اور روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی مصیبتیں ہمارے گناہوں کے ثمرات و نتائج ہیں، اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کے قہر کی علامت ہیں، اسلئے حیرانی ہوتی ہے کہ حقیقت کیا ہے اور انسان جب کسی مصیبت میں مبتلا ہو، تو وہ اس کو قہر الہٰی سمجھے یا راحت۔

قطبِ عالم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ نے اس مسئلے کا نہایت بہترین حل فرمایا ہے جو علامہ ابن جوزیؒ نے اپنی کتاب "صفوۃ الصفوہ" میں تحریر فرمایا ہے۔ (وہوہذا)

حضرت شیخ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ امراض و مصائب کی تین حالتیں ہیں، بعض حالات میں وہ عذاب اور قہر خداوندی ہوتے ہیں اور بعض میں گناہوں کا کفارہ اور بعض میں رفع درجات، اور یہی پہچان ہر ایک کی ہے کہ

اگر امراض و مصائب کے ساتھ مصیبت زدہ کو تقدیر الہٰی پر غصہ اور اس سے شکایت پیدا ہو تو وہ علامت قہر خداوندی اور عذاب کی ہے اور اگر یہ صورت نہ، بلکہ اس پر صبر کرے تو یہ علامت کفارۂ ذنوب ہونے کی ہے اور اگر صبر کے ساتھ رضا اور قلب میں انشراح محسوس کرے تو وہ علامت رفع درجات کی ہے۔ انتہیٰ

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء و اولیاء علیہم السلام کی مصائب تیسری قسم میں داخل، عام مومنین کی مصائب قسم دوم میں اور اول قسم اکثر کفار کا حال ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

حضرت ابوہریرہؓ کی رات

شاید کوئی مسلمان ایسا ہوگا جو حضرت ابوہریرہ سے واقف نہ ہو کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں، ان کے گھرانے کی رات ایک ممتاز رات تھی۔ گھر میں ایک خود حضرت موصوف تھے، ایک ان کی زوجہ محترمہ اور ایک کنیز، تینوں نے رات کو تین حصّوں میں تقسیم کر رکھا تھا کہ پہلے ایک تہائی حصّہ میں ایک بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہتا، پھر ایک تہائی رات گذرنے پر وہ دوسرے کو اٹھا دیتا تھا، جب ان کا وقت ختم ہوگیا تو وہ تیسرے کو بیدار کردیتا تھا کہ اپنی عبادت میں مشغول ہو جاوے۔ (صفوہ الصفوہ لابن الجوزی ص ۱۱۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا دن

جس زمانہ میں مروان کی طرف سے آپ ایک صوبہ کے عامل و حاکم تھے، عدالت کے وقت تو آپ خلق اللہ کی خدمت اور عدل و انصاف کے فیصلوں میں مشغول رہتے تھے، یہاں سے اٹھ کر لکڑیوں کا ایک گٹھڑا اپنے سر پر رکھ کر لاتے تھے اور ظرافت کے ساتھ کہتے جاتے تھے اوسعوا الطریق لا میرکم (تمہارے امیر المومنین آرہے ہیں۔ راستہ چھوڑ دو) (صفوۃ الصفوۃ ص ۱۱۵۔) بندہ محمد شفیع عفا عنہ ۱۱ ذی القعدہ ۱۳۵۶ھ

امام المسلمین احمد بن حنبلؒ کے ملفوظات طیبات

امام الدنیا والدین حضرت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ امت کے ان چار اماموں میں سے ہیں جن کی تقلید پر حق تعالیٰ نے ساری امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کو

★ حافظ حدیث امام ابن حجر، بیہقی، شیخ الاسلام زکریا انصاری، ابن جوزی، ابن ناصر وغیرھم جیسے ائمہ امت نے ان کی مستقل سوانح عمری اور مناقب و فضائل پر مفصل کتابیں لکھی ہیں۔ (صفوۃ الصفوہ ص ۳۲۳)

جمع کردیا ہے ان کے فضائل و مناقب پر اکابر* علماء کی مستقل بڑی بڑی تصانیف موجود ہیں اس جگہ آپ کے بعض خاص ملفوظات درج کئے جاتے ہیں جو علوم و معارف کے خزائن اور روح ایمان کو بڑھانے والے ہیں۔

(۱) آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا اے پروردگار جو اعمال بندہ کو آپ سے قریب کرنے والے ہیں ان میں سب سے بہتر اور زیادہ مفید عمل کون سا ہے ارشاد فرمایا قرآن مجید کی تلاوت ۔ میں نے عرض کیا کہ یہ تقرب کا عظیم الشان فائدہ صرف اس صورت میں ہے جب کہ قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھا جاتا ہے یا عام ہے کہ سمجھ کر پڑھیں یا بلا سمجھے۔

(۲)ارشاد فرمایا کہ سمجھ کر پڑھیں یا بلا سمجھے، ہر حال میں وہ میرے تقربِ خاص کا ذریعہ ہے۔ (از کتاب صفوۃ الصفوہ لابن جوزی ص ۲۲۴)

(۳) کوئی نو عمر لڑکا اگر آپ کی خدمت میں طلب حدیث کے لئے تنہا حاضر ہوتا تو آپ اس کو تنہائی میں حدیث پڑھانے سے انکار فرما دیتے تھے جب تک کہ اس کے ساتھ کوئی اور آدمی نہ ہو، اور فرماتے تھے کہ خدا تعالیٰ کے عظیم القدر پیغمبر حضرت زکریا علیہ السلام نے اس لئے نکاح کرلیا تھا کہ نظر بد کے خطرہ سے محفوظ ہوجاویں (تو ہمارا کہاں ٹھکانا ہے ہمیں تو ایسے مواقع سے بہت بچنا چاہئے جن میں نظر بد کا ذرا سا بھی احتمال ہو) (صفوۃ الصفوہ)

سبحان اللہ اس امام ہمام کی احتیاط و تقویٰ دیکھئے کہ باوجود ہر طرح قادر علی النفس اور مجسّم تقویٰ ہونے کے کسی نو عمر لڑکے کو تنہائی میں درس حدیث دینے سے بچتے تھے، افسوس ہے کہ آج کل یہ بلا اس قدر عام ہوگئی ہے کہ عوام کا تو پوچھنا کیا، علماء و فضلاء اور معلمین و مدرسین اس میں احتیاط نہیں کرتے۔

(۴) ایک مرتبہ آپ نے ایک بھائی کو خط لکھا۔

" اما بعد ! اے برادر، کیا ابھی تک تمہارے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ تم لوگوں سے وحشت کرنے لگو، حالانکہ ہمارے سلف صحابہؓ و تابعینؒ وغیرہم کا یہ حال تھا کہ جب ان کی عمر چالیس سال کو پہنچ جاتی تھی تو سب سے جان پہچان اور میل جول چھوڑ دیتے تھے اور ایسے ہوجاتے تھے کہ گویا وہ مخبوط العقل ہیں تاکہ سب سے یکسو ہوکر موت کی تیاری کریں۔ (صفوۃ الصفوہ ص ۲۳۶)

(۵) آپ فرمایا کرتے تھے کہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ ان کا علاج بہت دشوار ہے، ایک لوگوں سے طمع کا قطع کرنا، دوسرے اللہ تعالیٰ کے لئے عمل میں اخلاص پیدا کرنا۔

(٦) آپ فرماتے تھے کہ جس کی عقل بڑھائی جاتی ہے اس کا رزق کم کردیا جاتا ہے

(۷) آپ فرماتے تھے کہ بقدر ضرورت دنیا کا طلب کرنا حُبِّ دنیا میں داخل نہیں۔

(۸) فرماتے تھے کہ آب زمزم مثل خوشبو کے ہے، جس طرح خوشبو کا رد کرنا (بلا عذر شرعی) خلاف سنت ہے، اسی طرح آب زمزم کا رد کرنا بھی خلاف ادب ہے۔

(۹) آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب قرض کے متعلق حدیث میں یہ وارد ہے کہ جب تک میّت کے ذمہ قرض رہتا ہے اس کی روح معلق رہتی ہے تو غیبت کا کیا حال ہوگا کیونکہ قرض کو تو ادا کرنے کی بھی صورتیں ہیں۔ وارث بھی میّت کی طرف سے ادا کرسکتے ہیں اور غیبت کا دین ادا نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اگر کسی شخص کا دین ہمارے ذمہ نہ ہو اور وہ مرجائے تو ہم اس کے وارثوں کو ادا کرکے یا معاف کراکے اس سے بری ہوسکتے ہیں ۔ لیکن اگر ہم نے کسی کی غیبت کی اور اس کا انتقال ہوگیا تو ہم اگر اس کے سارے وارثوں کو بلکہ ساری دنیا کو راضی کرلیں اور سب سے معافی مانگتے پھریں، اس کا مطالبہ ہم سے ساقط نہیں ہوسکتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی آبرو اس کے مال سے زیادہ واجب الاحترام ہے۔

(۱۰) فرماتے تھے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وصیت فرمائی تھی کہ کسی گنہگار کو اس کے گناہ پر کبھی عار مت لگاؤ اور حقیر مت سمجھو!

(۱۱) فرماتے تھے کہ علم اگر تمہیں نفع نہ پہنچائے تو وہ تمہیں ضرر پہنچائے گا (یعنی یہ نہ سمجھو کہ علم سے نفع نہ ہوا تو نہ سہی، کوئی نقصان بھی نہیں) کیونکہ علم غیر نافع مضر ہے۔

(۱۲) آپ فرمایا کرتے تھے کہ طالب علم اس وقت تک عقلمند نہیں کہلا سکتا جب تک اپنے نفس کو تمام مسلمانوں سے کمتر نہ سمجھے۔

(۱۳) فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص تمہارا حق غصب کرلے اور بغیر خصومت (مقدمہ بازی) کے اس کی وصولی کی توقع نہ ہو تو اس حق کو چھوڑ دو، کیونکہ تمہارے دین کی اس میں حفاظت ہے۔

(۱۴) فرمایا کرتے تھے کہ قرن اول میں جو لوگ شرار (بد عمل) سمجھے جاتے تھے، اس زمانہ کے صلحاء و اتقیاء سے بہتر تھے۔

۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی، وفات کے بعد امام محمد بن خزیمہ نے آپ کو خواب میں دیکھا کہ نہایت خوش و خرم پھر رہے ہیں۔ حال پوچھا تو فرمایا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے بخش دیا اور ایک تاج اور سونے کے جوتے پہنائے اور فرمایا کہ یہ انعام آپ کے اس استقلال پر ہے جو خلق قرآن کے فتنے میں آپ نے استعمال کیا۔ پھر حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے احمد آج تم پھر انہی الفاظ کے ساتھ مجھ سے دعا مانگو جو تم کو سفیان ثوری سے پہنچے تھے اور جن کے ساتھ تم دنیا میں مجھ سے دعا مانگا کرتے تھے۔ میں نے انہیں الفاظ سے دعا کی۔ الفاظ یہ تھے۔

یارب کل شیءٍ اسالک بقدرتک علی کل شیءٍ الا تسائلنی عن شیءٍ واغفرلی کل شیءٍ۔

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے احمد، یہ سامنے جنت ہے جاؤ اس میں داخل ہوجاؤ۔ الٰہ العالمین! اس امام ہمام کی برکات سے ہم سب مسلمانوں کی مغفرت فرمائے۔

آمین۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ ۔ ۹ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ لوگوں کے تمام اختلافات کی اصل تین چیزیں ہیں اور ان تینوں کی تین ضدیں ہیں ، جو شخص ایک اصل سے علیحدہ ہوتا ہے وہ اس کی ضد میں مبتلا ہو جاتا ہے، وہ تین اصل یہ ہیں، ایک توحید ، اور اس کی ضد شرک ہے ، دوسرے سنت اور اس کی ضد بدعت ہے۔ تیسری طاعت اور اس کی ضد معصیت ہے۔

حضرت ابو القاسم نصر آبادی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ تصوف کی اصل صرف کتاب و سنت کا التزام اور بدعات و اہواء سے اجتناب اور مشائخ طریق کی عظمت و احترام اور خلق اللہ کے اعذار پر نظر اور اوراد پر مداومت اور رخصتوں کا ترک ہے۔

تتمہ : احقر مترجم عرض کرتا ہے کہ یہ چالیس سے زائد مشائخ صوفیہ کے اقوال اس بارہ میں نقل کئے گئے ہیں جو سمجھدار کے لئے کافی ہیں۔ اس لئے ان ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ اس مقدس جماعت کے اکثر افراد سے اسی قسم کے اقوال منقول ہیں جن کے جمع کرنے کے لئے ایک دفتر چاہئے ۔ حق تعالیٰ ان حضرات کی برکت سے اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائے اور بدعات و مخترعات سے بچائے اور اس ناکارہ کو بھی ان حضرات کے زمرہ میں محشور فرمائے۔ آمین۔ (بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ)

حضرت امام محمدؒ بن حسن شیبانی کی کتاب "مبسوط"

(از قلم فیض رقم حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی سابق صدر و مہتمم دارالعلوم دیوبند)

حضرت امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ امت کے ان ائمہ میں سے ہیں جن کے علمی احسانات تمام عالم اسلام پر حاوی ہیں ۔ آپ کے نام نامی اور جلالت قدر سے کوئی پڑھا لکھا مسلمان ناواقف نہ ہونا چاہیئے۔ آپ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے خاص شاگرد اور خود امام مجتہد ہیں۔ آپ کی عظیم الشان اور کثیر التعداد تصانیف ہمیشہ مسلمانوں کے لئے مایۂ ناز سمجھی گئی ہیں اور فقہ حنفی کا تو مدار ہی تقریباً آپ کی تصانیف پر ہے ۔ ان میں سے ایک مشہور و معروف تصنیف مبسوط ہے ۔ جو ہزار ہزار صفحے کی چھ جلدوں میں تمام ہوئی ہے۔

افسوس ہے کہ علوم اسلامیہ کا یہ عظیم الشان ذخیرہ اب تک طبع نہیں ہوا۔ اور نوادرِ عالم میں سے سمجھا جاتا ہے۔ *

حال میں مخدومی و استاذی شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا شبیر احمد صاحب صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اس کتاب کے متعلق ایک عجیب واقعہ ڈھائی سطر سے تحریر فرما کر المفتی میں شائع کرنے کے لئے عطا فرمایا ہے جو ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے ۔ وہوھٰذا۔

حال ہی میں ایک وسیع النظر، بدیع الفکر عالم شیخ محمد زاہد بن الحسن الکوثری (طال اللہ بقاءہ) کا رسالہ بلوغ الامانی فی سیرت الامام محمد بن حسن الشیبانی مطبوعہ مصر ایک دوست نے ہدیۃً بھیجا تھا، کل اس کا مطالعہ کرتے وقت ایک واقعہ نظر سے گذرا ۔ بے ساختہ دل میں آیا کہ " المفتی " میں شائع کردیا جائے، لمبی چوڑی چیز نہیں ہے ، مگر بے

حد مؤثر، اور کیف آور ہے، امید ہے کہ آپ بھی محظوظ ہوں گے، مبسوط امام محمد کے تذکرہ میں صرف ڈیڑھ سطر کی عبارت ہے۔

واسلم حکیم من اهل الکتاب بسبب مطالعة المبسوط هذا قائلاً هذا الکتاب لمحمد کم الاصغر فکیف کتاب محمد کم الاکبر (بلوغ الامانی ص ٦١)

یعنی: علماء اہل کتاب میں سے ایک بڑے عالم اور حکیم نے امام محمد کی کتاب "مبسوط" کا مطالعہ کیا تو اس کتاب کے مطالعہ نے اس کے قلب میں حقانیت اسلام کا یقین پیدا کر دیا اور یہ کہہ کر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا کہ جب تمہارے محمد اصغر (یعنی محمد بن حسن) کی کتاب کا یہ حال ہے جو میرے مشاہدہ میں آیا تو محمد اکبر (رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی کتاب کا کیا حال ہوگا۔ انتہی

اختلافات فقہاء میں حق ایک ہے یا متعدّد

یہ ایک مشہور علمی مسئلہ ہے کہ جن مسائل میں ائمہ مجتہدین مختلف ہیں، ایک چیز کو ایک امام حلال قرار دیتا ہے اور دوسرا حرام، اور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ دونوں امام اہل حق ہیں اور ہر ایک کے مقلد کو اپنے اپنے امام کے قول پر عمل کرنا جائز بلکہ واجب ہے، تو بحث یہ آجاتی ہے کہ کیا عند اللہ اس چیز کا حلال ہونا بھی حق ہے اور حرام ہونا بھی، یا حق ایک ہی ہے۔ اسی مسئلے پر علماء اصول کی مفصل بحثیں ہیں، اور ایک مدت مدید تقریباً بیس سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ سیدی و استاذی شیخ التفسیر حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اس موضوع پر ایک رسالہ ھدیۂ سنیہ کے نام سے تحریر فرمایا تھا جو اس وقت شائع بھی ہوگیا تھا۔

حال ہی میں اس مسئلہ پر ایک فیصلہ کن تحریر امام محمد بن حسنؒ کی رسالہ بلوغ الامانی سے حضرت ممدوح نے لکھ کر ازراہ شفقت عنایت فرمائی۔ یہ عبارت چونکہ اس

اہم مسئلہ کا نہایت مکمل اور بہترین حل ہے اس لئے احقر نے مناسب سمجھا کہ ہدیہ سنیہ کی دوسری طباعت اور اس میں اضافے کا انتظار نہ کروں بلکہ المفتی میں اس ترجمہ کو شائع کروں تاکہ ایک چیز وجود میں آجائے اور دوبارہ جب ہدیہ سنیہ طبع ہو تو اس وقت اس کا بطور ضمیمہ ملحق کردینا آسان ہوجاوے۔ نیز تنہا یہ عبارت بھی اس مسئلے کے لئے بہت کافی ہے، اس لئے ناظرین اس سے استفادہ کرسکتے ہیں۔ وہ عبارت یہ ہے۔

وروی بن ابی العوام عن الطحاوی ایضا عن سلیمان بن شعیب الکسانی عن ابیہ قال املی علینا محمد بن الحسن وقال اذااختلف الناس فی مسئلة فحرم فقیہ واحلّ اٰخر وکلاھما یسعہ ان یجتھد رأیہٗ فالصواب عنداللہ واحد حلال او حرام ولا یکون عندہ حلال و حرام وھو شیئ واحد ولکن الصواب عندہ عزوجل واحد وقد کلفہ من وسعہ الاجتھاد والیٰ ان یجتھد رایہ حتیٰ یصیب الحق الذی عندہ فی الحق الذی ھو عند اللہ عزوجل فی رایہ واجتھادہ

نیز ابن ابی العوام نے طحاوی سے اور انہوں نے سلیمان بن شعیب لکسانی سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ انہوں نے نقل فرمایا کہ امام محمد بن حسن نے ہمیں املا لکھایا جس میں فرمایا کہ جب لوگ کسی مسئلے میں مختلف ہوں، ایک فقیہ ایک شے کو حرام قرار دے اور دوسرا حلال اور دونوں کو اجتہاد کا حق حاصل ہو تو صواب (حق) اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان دونوں میں سے ایک ہی ہے۔ اور ائمہ کے نزدیک ایک ہی شے حرام اور حلال دونوں نہیں ہوسکتی۔ بلکہ حق اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک ہی ہے اور مجتہد اس کا مکلف ہے کہ وہ اپنی رائے اور اجتہاد کو اس میں خرچ کرے تاکہ وہ اس حقیقت پر پہنچ جائے جو اللہ کے نزدیک حق ہے۔ پس اگر اپنی رائے اور اجتہاد میں اس کو حق پہنچ جائے جو اللہ

وسعه ذالک وکان اصاب
ماکلف به واداه وان کان اصاب
ماکلف من اجتهاد فی رایه ولم
یصب الحق عند اللّٰه عزوجل
بعینه فقد ادی ماکلف به وکان
ماجوراً فاما ان یقول قائل قد
اهل فقیه و حرم فقیه فی فرج
واحد وکلاهما صواب عند اللّٰه
عزوجل فهذا لا ینبغی ان
یتکلم به لکن الصواب عند اللّٰه
عزوجل واحد قد ادی القوم
ماکلفوا به حین اجتهدوا وقالوا
باجتهادهم ووسعهم الذی
فعلوا وان کان احدهما قد
اخطاء الذی کان ینبغی ان
یقول به الا انه قد اجتهد فقد
ادی ماکلف به وان کان اخطاء
لان الصواب عند اللّٰه عزوجل
فی الاشیاء کلها واحد وهذا کله
قول ابی حنیفة و ابی یوسف
وقولنا۔ (بلوغ الامانی)

کے نزدیک حق ہے تو اس پر اس کو
عمل کرنے کی بھی اجازت ہے اور وہ
جس کام کا مکلف تھا اس نے وہ بھی ادا
کردیا۔ لیکن جو اللہ کے نزدیک متعین
حق ہے، اس پر نہیں پہنچا تو جس چیز کا
مکلف تھا وہ تو ادا کردیا اور مستحق ثواب
ہوگیا۔ لیکن یہ درست نہیں کہ کوئی
شخص یہ کہے کہ ایک امام نے ایک
عورت کو حلال قرار دیا اور دوسرے نے
حرام، اور اللہ کے نزدیک دونوں درست
اور حق ہیں، بلکہ حق اللہ تعالیٰ کے
نزدیک ایک ہی ہے۔ البتہ قوم فقہاء
اپنے فریضہ سے سبکدوش ہوگئی کیونکہ وہ
اپنے مقدور بھر اجتہاد کرچکی اس لئے ان
کو اس پر عمل کرنا جائز ہوگا اگرچہ ان
دونوں میں سے ایک نے ضرور حق
مطلوب میں خطاء کی ہے مگر چونکہ وہ اپنی
کوشش کو خرچ کرچکا ہے تو اپنے فریضہ
سے سبکدوش ہوگیا، اگرچہ حقیقت کے
اعتبار سے اس نے خطاء کی کیونکہ حق
تعالیٰ کے نزدیک تمام اشیاء میں حق ایک
ہی ہے اور یہ سب امام اعظم ابو حنیفہؒ
اور ابو یوسفؒ کا قول ہے اور یہی ہمارا
مذہب ہے۔

فیشن پرست عورتوں کے لئے موجدین فیشن کا فتوی

یورپ عورتوں کی آزادی اور فیشن نوازی سے تنگ آرہا ہے

(انگریزی سے ترجمہ)

اسلامی تعلیم نے عورت کو جس طرح گھر کی زینت قرار دیا اس سے زیادہ اس کا اہتمام کیا ہے کہ وہ گھر کی ملکہ، اولاد کی مربی، امور خانگی کی منتظم و سلیقہ شعار بنے۔ قرآن و حدیث کے نصوص و ارشادات، امہات الامۃ کے مرقعات عمل سبھی کچھ اس کے لئے پیش فرمائے لیکن یورپ زدہ قلب و دماغ، افسوس کہ اس سے متاثر نہیں ہوتے، لیجئے، آج خود یورپ کا فتوی ہی ملاحظہ فرمائیے، ایک یورپین مضمون نگار کا مقالہ پڑھیئے۔

میں یہ دیکھ کر حیران ہوں کہ یورپ کی عورت کیا سے کیا بن گئی۔ اس نے تمام نسوانی خصوصیات کو ترک کردیا جو گذشتہ دور میں عورتوں کے لئے طرہ امتیاز تھیں۔ نہ عورت میں پہلی سی سادگی ہے، نہ محبت، نہ اطاعت، عورت زمانے کے ساتھ بدل چکی ہے، بیوی کی خصوصیات کو ترک کرنے کے بعد عورتوں نے محبوبہ کی خصوصیات اختیار کرلی ہے، محبوبہ کی خصوصیات بلاشبہ دلکش ہیں، یہ خصوصیات ہماری دلچسپی کا باعث تو بن سکتی ہیں لیکن ان خصوصیات کے ذریعہ ہم معاشرتی سکون کبھی حاصل نہیں کرسکتے، اگر ہم معاشرتی سکون چاہتے ہیں تو ہم کو ایک باوقار بیوی کی ضرورت ہے، محبوبہ کا وجود ہمارے لئے بے کار ہے۔

موجودہ دور کی بیوی کی زندگی کے جس شعبے پر بھی نظر ڈالئے، صرف بناوٹ اور ظاہر

داری ہی ظاہر داری ہے، موجودہ دور کی بیوی آپ سے غیر معمولی محبت کرے گی لیکن یہ محبت درحقیقت محبت نہیں ہے، بلکہ ایک آرٹ ہے جس کے ذریعہ شوہروں کو احمق بنایا جاتا ہے، اگر بیویاں درحقیقت اتنی ہی محبت کیا کریں جتنی کہ وہ ظاہر کرتی ہیں تو پھر یورپ میں سو شادیوں کا نتیجہ طلاق نہیں ہوا کرتا۔ واقعہ ہے کہ ان کو محبت کرنے کا فن آگیا ہے یہ ایک ایکٹرس کی طرح اپنا پارٹ ادا کرتی ہیں، اور بس، اس سے زیادہ ان کی محبت کی کچھ وقعت نہیں ہے۔

میں نے ایک دو نہیں ہزاروں عورتوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے شوہروں پر والہ و شیدا نظر آتی ہیں، لیکن میں نے جب ان کی پرائیوٹ زندگی کا مطالعہ کیا تو مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان کی محبت کا سب سے بڑا حقدار ایک غیر شخص ہے جو بظاہر تو دوست بنا ہوا ہے لیکن درحقیقت وہ ان اظہارِ محبت کرنے والی عورتوں کی دلچسپی کا سب سے بڑا مسئلہ ہے کیا یہ حالات صاف طور پر یہ ظاہر نہیں کررہے ہیں کہ یورپ کی بیوی ایک پیشہ ور محبوبہ بن گئی ہے۔

موجودہ دور کی بیویوں کے لباس پر نظر ڈالیئے تو آپ کو یہ اندازہ ہوگا کہ اس لباس کا مقصد جسم کی پوشش نہیں ہے بلکہ جسم کو خوشنما بناکر اور جسم کے بعض حصوں کو عریاں کرکے مَردوں کے سنسان جذبات کو ابھارنا ہے، ایک نیک بیوی جو صرف اپنے شوہر سے غرض رکھتی ہے اسے بھلا نفسانی جذبات کو ابھارنے والے لباس کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے یہ سب کچھ جس مقصد کے ماتحت ہورہا ہے وہ ظاہر ہے، اور یہ مقصد اس قدر تاریک ہے کہ عورت کی ہستی کو اس مقصد نے مٹا دیا ہے۔

تمدّن، معاشرت اور تفریحات کے لحاظ سے بھی آپ کو مشکل ہی سے کوئی بیوی نظر آئے گی، ہر بیوی محبوبہ بنی ہوئی ہے اور ہر بیوی کی یہ خواہش ہے کہ شوہر اسے بچّے پیدا کرنے کے لئے مجبور نہ کرے، ذرا غور کیجیئے ۔ اگر عورت بچّے پیدا کرنے سے گھبراتی ہے تو اس کے وجود کی ضرورت ہی کیا ہے، اور اگر پھر بھی اس کی ضرورت مان لی جائے

تو آخر وہ کون سا سبب ہے جو انہے بچے پیدا کرنے سے متنفر کئے ہوئے ہے بچے پیدا کرنے سے نفرت کا باعث اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ موجودہ دور کی بیوی ایک محبوبہ کی طرح خوش جمال رہنا چاہتی ہے، حالانکہ ایک بیوی کا حقیقی حسن اس کی اولاد ہے۔

یورپ کی اس بڑھتی ہوئی رَو کو روکنا ہر معقولیت پسند انسان کا فرض ہے۔ ممکن ہے کہ عورتوں کا محبوبہ پن جوانی میں اچھا معلوم ہوسکے۔ لیکن جوانی کے چند محدود سال گذرنے کے بعد ہم کو محبوبہ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ ہم کو ایک سچے دوست کی ضرورت ہوگی، ہم کو ایک اچھے ساتھی کی ضرورت ہوگی، ہم کو ایک بہترین شریکِ زندگی کی ضرورت ہوگی۔ مگر وہ اس زمانہ میں مفقود ہے، اس زمانہ میں حشرات الارض کی طرح محبوبہ پن رکھنے والی عورتیں مل سکتی ہیں، مگر شریف اور نیک بیوی کا ملنا ناممکن ہوگیا ہے۔

ہرچہ گیرد علتی علت شود

اہل یورپ کے مضحکہ خیز اوقاف

ایک خاتون کا وقف نامہ کتّوں کے نام

تمام امور خیر کی طرف وقف کی تجویز و تشکیل کا موجد بھی اسلام ہے جس نے سب سے پہلے گھر کو پہلا وقف قرار دیا اور اعلان فرمایا اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ اوقاف کی تشریع اس عظیم الشان فائدہ کے لئے ہوئی کہ جس وقت انسان دنیا سے رخصت ہو اور اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہوجائے اس وقت بھی اس کا ثواب اس کو پہنچتا رہے۔ دنیا کی دوسری اقوام نے بھی اس کی نقلیں اتاریں اور اپنے معابد و مشاہد کے لئے اوقاف کئے، ان کے اجر و ثواب کے حاصل ہونے یا نہ ہونے کا سلسلہ تو ایک غور طلب مذہبی مسئلہ ہے لیکن اس کے مصارف تو معقول ہیں، لیکن یورپ کے مزاجوں کی بے اعتدالی نے کچھ ایسی صورت

پیدا کرلی ہے کہ اسے کوئی چیز موافق ہی نہیں آتی، وہاں وقف بھی کیئے جاتے ہیں تو وہ بھی کتوں کے نام۔ ذیل کا واقعہ پڑھیئے اور عبرت حاصل کیجیئے کہ جو لوگ وحی اور نور نبوت کا اتباع نہیں کرتے وہ کیسی ٹھوکریں کھاتے ہیں اور کس طرح ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہوجاتے ہیں۔

" پچھلے دنوں جب انگلستان کی مشہور دولت مند خاتون " مسز ایم سی وہیل" بیمار ہوئی تو اس نے وصیّت کی کہ اس کی تمام املاک اور جائداد کتّوں کو دے دی جاوے ۔ خاتون کے مرنے کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اب اس کی تمام جائداد کے وارث کتّے ہیں ، اس جائداد سے کتّوں کی پرورش اور نسل کشی ایک ٹرسٹ کے ماتحت جاری ہے۔ (اخبار دین و دنیا ، دہلی ، ۴ جولائی ۶۷ء)

امام شافعی ہارون الرشید کے دربار میں

امام شافعی نے طلب علم کے لئے ایک طویل سفر کیا ہے جس کا مستقل سفرنامہ ان کے بعض تلامذہ نے بھی ضبط کیا ہے اس سفر کے سلسلہ میں بغداد بھی تشریف لے گئے تھے، آپ فرماتے ہیں کہ میں جس وقت بغداد میں داخل ہوا تو قدم رکھتے ہی ایک غلام میرے ساتھ ہولیا اور نہایت تہذیب و متانت کے ساتھ مجھ سے پوچھا۔

" آپ کا نام کیا ہے؟

میں نے کہا " محمد "

"غلام نے والد کا نام دریافت کیا تو میں نے کہا " ادریس"

پھر اس نے نسب دریافت کیا تو میں نے کہا ، " شافعی"

غلام نے یہ سن کر کہا، آپ مطلّبی ہیں، میں نے کہا کہ "ہاں"

غلام نے یہ سب سوال و جواب ایک تختی پر لکھ لئے جو اس کی آستین میں تھی

اور اس کے بعد مجھے چھوڑ دیا میں بغداد کی ایک مسجد میں جاکر ٹھہر گیا اور اس فکر میں تھا کہ غلام نے یہ تحقیق کیوں کی اور اس کا اثر کیا مرتب ہوتا ہے یہاں تک کہ جب آدھی رات گذر گئی تو مسجد کے دروازہ پر زور سے دستک دی گئی جس سے سب اہل مسجد مرعوب ہوگئے دروازہ کھولا گیا تو کچھ لوگ مسجد میں داخل ہوئے اور ایک ایک آدمی کے چہرے،کو غور سے دیکھتے پھرنے لگے، یہاں تک کہ وہ میرے پاس آئے، میں نے کہا، فکر نہ کرو جس کو تم ڈھونڈتے ہو، وہ میں ہوں انہوں نے کہا کہ امیر المومنین (ہارون الرشید) نے آپ کو یاد فرمایا ہے میں فوراً بلا کسی پس و پیش کے اٹھ کر ساتھ ہولیا۔

میں نے امیر المومنین کو دیکھا تو سنت کے موافق سلام کیا۔ امیر المومنین نے میرے طرز سلام کو پسند کیا اور محسوس کیا کہ درباری لوگ جو تکلفات میں سلام کرتے ہیں، وہ خطا ہیں، سلام مسنون یہی ہے مجھے سلام کا جواب دیا اور کہا، تزعم انک من بنی ھاشم (تم یہ زعم رکھتے ہو کہ میں بنی ہاشم میں سے ہوں) میں نے کہا، امیر المومنین، آپ لفظ زعم استعمال نہ کریں کیونکہ یہ لفظ قرآن میں جس جگہ آیا ہے سب جگہ زعم باطل کے لئے آیا ہے امیر المومنین نے اس قول سے رجوع کرکے تزعم کے بجائے تقول کا لفظ استعمال کیا۔

تب میں نے جواب دیا کہ ہاں،

امیرالمومنین نے میرا نسب نامہ پوچھا، میں نے اپنا پورا نسب نامہ سنا دیا، جو حضرت آدم علیہ السلام تک مجھے محفوظ تھا۔

امیرالمومنین نے کہا کہ اتنی فصاحت و بلاغت صرف بنی عبدالمطلب ہی میں ہوسکتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کو عہدہ قضا سپرد کردوں اور اس کے عوض اپنی تمام سلطنت اور ذاتی جائیدادوں کا نصف حصہ آپ کو دیدوں، سب پر آپ کا اور میرا حکم قرار دہ شرطوں کے مطابق چلے گا اور حکم کا ماخذ قرآن و حدیث اور اجماع امت ہوگا۔

میں نے کہا، امیرالمومنین، اگر آپ یہ چاہیں کہ اس تمام مال و منال اور سلطنت حکومت کے عوض میں محکمہ قضاء کا صرف اتنا کام کردیا کروں کہ صبح کو اس کا دروازہ کھول دوں اور شام کو بند کردوں تو میں قیامت تک اس کے لئے بھی تیار نہ ہوں گا۔

ہارون الرشید یہ جواب سن کر رونے لگے کہ اچھا، آپ ہمارا کچھ ہدیہ قبول فرمائیں گے، میں نے عرض کیا کہ مضائقہ نہیں، لیکن نقد ہونا چاہئے۔ وعدے نہ ہوں۔

امیرالمومنین نے میرے لئے ایک ہزار درہم کا حکم جاری فرمایا اور میں نے اسی مجلس میں اس پر قبضہ کرلیا۔ جب دربار سے واپس آیا تو وہاں کے حشم و خدم نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ اپنے انعام میں سے کچھ ہمیں بھی انعام دیجئے۔ چونکہ مجھ سے سوال کیا گیا تھا تو میری مروت نے اس سے کم پر قناعت نہ کی کہ جتنے آدمی بھی تھے، سب پر کل مال برابر تقسیم کرلیا اور اس میں ایک حصہ اپنا بھی اسی قدر رکھا جتنا کہ ہر شخص کے حصہ میں آیا تھا"

امت کے امام اور علماء سلف کے حالات کو پڑھئے اور ان للٰہیت، زہد اور قناعت، امراء کے معاملہ میں خود داری، جس مال میں دین کا خطرہ ہو، اس سے اجتناب اور جو حلال طریق سے بغیر ذلت نفس کے ملے اس کی قدر وغیرہ کا سبق لیجئے۔

علمائے سلف کے چند ملفوظات حکمت

لوگوں سے اختلاط و اجتناب میں حکم معتدل حضرت اکیم بن صیفیؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں سے انقباض و ترش روئی ان کی عداوت کا سبب بن جاتی ہے اور ان سے انبساط و خلط ملط برے ہم نشینوں کو جمع کردیتی ہے اس لئے انسان کو چاہئے کہ انقباض و انبساط کے درمیان راستہ اختیار کرے۔ (تنبیہ المغترین للشعرانی ص ۸۱)

اتباع سنت سب سے بڑا تقویٰ ہے ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ ایک اطلاع ملی کہ فلاں خطہ (دارالحرب) سے جو کپڑے آتے ہیں ان میں نجاست کا

استعمال کیا جاتا ہے آپ نے ارادہ کیا کہ اس کی منادی کرادی جاوے کہ لوگ یہ کپڑے استعمال نہ کریں ۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ اے امیرالمومنین ، یہ کپڑے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی آتے تھے اور سب صحابہ پہنتے تھے اور خود سید الاتقیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کو زیب بدن فرماتے تھے ، حضرت فاروق اعظم فوراً اس ارادہ سے رک گئے اور استغفار کیا اور فرمایا کہ اگر ان کا ترک تقوی ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو ہرگز استعمال نہ فرماتے۔ (تنبیہ المغترین ص ۱۷)

ف : وجہ یہ ہے کہ اسلام نے جس طرح طہارت و نظافت کی بے نظیر تعلیم فرمائی ہے اس طرح شبہات واوہام سے بھی بچایا ہے محض اس خیال پر کہ ملک کے عام رواج کے مطابق اس کپڑے میں بھی نجاست ہوگی جو ہمارے ہاتھ میں آیا ہے اس پر نجاست کا حکم نہیں دیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت امام زین العابدینؒ نے اپنے صاحبزادہ سے فرمایا کہ میرے لئے ایک کپڑا تیار کردو جس کو (بوقت قضاء حاجت (استنجا) استعمال کیا کروں کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ مکھیاں نجاست پر بیٹھتی ہیں پھر میرے کپڑوں پر آجاتی ہیں ۔ صاحبزادہ نے کیا خوب فرمایا کہ والد محترم ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نہیں کیا ، بلکہ آپ کا ایک کپڑا رہتا تھا جس میں قضائے حاجت بھی فرماتے تھے اور اسی میں نماز بھی پڑھتے تھے ، امام موصوف نے صاحبزادہ کی بات کی قدر کی اور اس خیال کو چھوڑ دیا۔

تواضع میں تکبّر حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص مجمع میں اپنی مذمت بیان کرے ، اس نے درحقیقت اپنی مدح کی ہے (کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ اس وقت لوگ اس کی مدح کریں گے) اور یہ کید نفس ہے کہ لوگوں سے اپنی مدح کرا کے خوش ہونا چاہتا ہے جس کی سبیل یہ نکالی ہے کہ خود اپنی مذمت کرنے لگے ، اور یہ علامات ریا میں سے ہے۔

جو چیز اپنے اختیار میں نہ ہو اس کا حقیقی علاج تفویض ہے، تربیت اولاد کیلئے زرین اصول: شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ میرے بیٹے عبدالرحمن کو ابتداء میں علم کا شوق نہ تھا میں اس کی وجہ سے بہت تنگ دل اور پریشان رہتا تھا۔ حق تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ میں اس معاملہ کو حق تعالیٰ کے سپرد کردوں میں نے ایسا ہی کیا۔ اسی رات سے بفضل ایزدی اس کو علم کا شوق پیدا ہوگیا اور بغیر میرے کہنے کے خود تحصیل علم میں محنت کرنے لگا اور اپنے ہمسبقوں سے آگے بڑھ گیا۔ حق تعالیٰ نے مجھے ایک بڑی تکلیف سے راحت عطا فرمادی۔

امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ علی خواص رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ

ماثم انفع لاولاد العلماء والصالحين من الدعاء لهم بظهر الغيب مع تفويض امرهم الي الله تعالي۔ (تنبيه المغترين ص ۸)

معاملہ تربیت میں علماء وصالحین کی اولاد کے لئے کوئی چیز ایسی نافع نہیں، جیسی پس پشت ان کے لئے دعا کرنا اور ان کے معاملہ کو حق تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے۔"

تصحیح نیت کا اہتمام تصحیح اعمال سے مقدم ہے: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اہل جنت کا دخول جنت میں اور اہل جہنم کا جہنم میں ان کے اعمال کی وجہ سے ہوگا۔ ہر فریق کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت یا دوزخ میں رہنا محض نیت پر مبنی ہوگا (کیونکہ اہل جنت کی نیت یہ تھی کہ اگر وہ ہمیشہ دنیا میں رہتے تو اطاعت کرتے اور اہل دوزخ کی نیت یہ تھی کہ اگر زندہ رہتے تو کفر وشرک کرتے (تنبیہ ص ۹)

کون سا عمل زیادہ ہے: تورات میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں جس عمل کو قبول کرلوں وہی عمل زیادہ ہے اور جس کو میں رد کردوں وہ کم ہے اگرچہ دیکھنے میں بہت ہو۔ (تنبیہ ص ۹)

تعلیم ووعظ کیسے آدمی کا حق ہے: حضرت شدادؓ بن حکیم فرماتے ہیں کہ جس

شخص میں تین خصلتیں موجود ہوں وہ اس کا مستحق ہے کہ لوگوں کو وعظ و تعلیم کرے اور
جس میں یہ نہ ہو اس کو تعلیم و وعظ چھوڑ دینا چاہئے۔

وہ تین خصلتیں یہ ہیں ایک یہ کہ لوگوں کو حق تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائے تاکہ وہ
اس کا شکر ادا کریں، دوسرے یہ کہ ان کو ان کے گناہ یاد دلائے تاکہ وہ توبہ کریں،
تیسرے یہ کہ ان کو شیطان کی عداوت پر متنبہ کرے تاکہ وہ اس کے کید سے محفوظ رہیں۔
(تنبیہ ص ۱۰)

عشق کیا چیز ہے!

حکماء، اطبّاء، صوفیاء اور شعراء کے مقالات

(از قلم حکمت رقم جناب حکیم محمد عمر صاحب طبیب دارالعلوم دیوبند)

عشق ایک ایسا عام لفظ ہے کہ ہر خاص و عام، عالم و جاہل، صغیر و کبیر، سب
کی زبانوں پر جاری ہے لیکن اس کی حقیقت ایک لاینحل معمّے سے کم نہیں، حکیم صاحب
موصوف نے اس کے متعلق حکماء، اطباء، صوفیاء اور شعراء کے بیانات سے دلچسپ
مقالہ لکھا ہے جو درج ذیل ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ قرآن کریم میں اس لفظ کا استعمال نہیں کیا گیا، ذخیرہ حدیث
میں بھی بجز ایک ضعیف روایت کے جس کو خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لیا ہے
اور کہیں نظر سے نہیں گذرا اس بناء پر بعض علماء نے مطلقاً عشق کو مذموم قرار دیا
ہے۔لیکن تحقیق یہ ہے کہ عشق افراطِ محبت کا نام ہے اور محبت جبکہ اس کا تعلق
خداتعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ ہو تو ایک فرد واجب ہے اور کسی محل مباح کے
ساتھ ہو تو مباح ہے ایسی صورت میں اگر محبت کی حد سے تجاوز کرجائے اور عشق کی
حد تک پہنچ جاوے تو گو یہ مطلوب فی الدین نہیں، مگر محمود ضرور ہے، مذموم نہیں
کہہ سکتے۔ واللہ اعلم

ارشادات نبوت وغیرہ

ارشاد نبوی: الارواح جنود مجندة ماتعارف منها ائتلف وما تناكر منها اختلف (مشکوٰۃ) حدیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ عشق و محبت کی اصل وہ روحانی تعلق ہے جو ازل سے ارواح کے اندر رکھ دیا گیا ہے۔

فاروق اعظم: عشق عذاب کی ایک قسم ہے اور کوئی عقلمند اس بلا کو اپنے اوپر مسلط کرنے کے واسطے تیار نہیں ہوتا، عشق غیر اختیاری چیزوں میں سے نہیں۔
(حضرت عمرؓ)

حکماء

بقراط حکیم: العشق طمع يتولد في القلب ويجتمع فيه سواد من الحرص (عشق ایک طمع کا نام ہے جو قلب میں پیدا ہوتی ہے اور اس میں ایک حصہّ حرص کا جمع ہوجاتا ہے۔

العشق هوالابتهاج بتصور حضرة ذات ما والشوق حركته، (عشق کسی ذات کے خیال وصال پر خوش ہونے کا نام ہے اور شوق اس کی حرکت ہے۔)

ارسطو: العشق عمي الحس عن ادراك عيوب المحبوب (محبوب کے عیوب سے اندھا ہوجانے کا نام عشق ہے)

غیر معلوم حکیم: عشق اس خواہش کا نام ہے جو دل میں پیدا ہو کر اور پرورش پا کر قلب میں حرص کا بہت سا مواد جمع کر دیتی ہے اور جب کبھی یہ خواہش زیادہ ہوجاتی ہے تو عاشق اضطراب، حرص اور لالچ کے ہاتھوں بہت پریشان ہوجاتا ہے یہاں تک کہ یہ

پریشانی رنج و قلق میں مبتلا کردیتی ہے اور اس وقت سودا کی زیادتی یا صفرا کی شعلہ انگیزی سے خون کھولنے لگتا ہے، چونکہ سودا کی طبیعت میں یہ بات داخل ہے کہ قوت متفکرہ کو خراب کردے۔ اور قوت متفکرہ کی خرابی عقل کو ضائع کردیتی ہے، اس لئے آخرکار فضول تمنائیں عاشق کو مجنون بناکر چھوڑتی ہیں۔ جب عاشق اس حالت کو پہنچ جاتا ہے تو کبھی خودکشی کرلیتا ہے، کبھی رنج میں جان کھودیتا ہے، کبھی حسن جاناں کی نظارہ بازی کرتے ہوئے خوشی کے مارے مرجاتا ہے، کبھی اس طرح درد سے کراہتا ہے کہ روح سینہ میں گھٹ جاتی ہے۔

افلاطون: عشق حرارت غریزیہ کی اس قوت کا نام ہے جو شہوانی تخیل آفرینیوں اور خیالی تصویروں سے پیدا ہوتی ہے، اس کا نشوونما فطری قویٰ کے سانچہ پر ہوتا ہے اور ہر ایک کو اس کی فطرت کے خلاف دوسرے رنگ کا لباس پہنا دیتا ہے یہاں تک کہ یہ نفسانی مرض اور جنون شوق ہوکر اتنا سخت بیمار کردیتا ہے کہ اس کی دوا صرف موت رہ جاتی ہے اور کچھ نہیں۔

جالینوس: محبت روح کا ایک فعل ہے اور یہ روح اعضاء رئیسہ میں چھپی ہوئی ہے جب یہ فعل قوت اور کافی اثر پیدا کرلیتا ہے تو دل و دماغ اور جگر خراب ہوجاتے ہیں۔

فارابی: عشق نصف بیماریاں کا مجموعہ ہے اور نصف جنونوں کا اور وہ سب رنجوں سے بڑا رنج ہے۔ عشق بہ نسبت تمام امراض کے نصف کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ بالکل کھلی بات ہے اس لئے کہ روح لطیف ہے اور جسم کثیف، تمام بیماریاں جسم میں پیدا ہوتی ہیں، اور محبت روح سے، اور اس میں شک نہیں کہ لطیف کا لطیف میں پیوست ہوجانا جلد جلد اور طاقت کے ساتھ اثر جمالیتا ہے اور اسی کے قریب قریب لطیف کا کثیف میں سرایت کرنا ہے جیسے کہ نجار کا ہڈیوں میں بیٹھ جانا، اس کے بعد کثیف کا کثیف میں اثر کرنے کا نمبر ہے مثلاً فالج کا کسی عضو پر گرنا۔ (فارابی)

ابن خلکان: عشق موت کا ایک گھونٹ ہے اور بربادی کے باغوں میں ایک

چھوٹا سا باغیچہ، محبت نظر آنے اور نہ آنے، دونوں سے کہیں دور ہے۔محبت چقماق جیسی چنگاری ہے جو سینوں میں پوشیدہ ہے، اگر چوٹ لگے تو چمک اٹھتی ہے اور نہ لگے تو چھپ جاتی ہے۔

عرب کی ایک خاتون: مسکین العاشق کل شیء عدوه هبوب الرياح تعلقه ولمعان البرق يورقه ورسوم الديار تحرقه والعذل يولمه والتذكر يسقمه (مسکین عاشق، ہر چیز اس کی دشمن ہے، ٹھنڈی ہوائیں اس کو بے چین کرتی ہیں، بجلی کی چمک اس کی نیند اڑا دیتی ہے، آثار دیار اس کے قلب میں آگ بھڑکاتے ہیں، لوگوں کی ملامت اس کو ایذا پہنچاتی ہے، یاد محبوب اس کو بیمار کردیتی ہے۔

ایک بدوی عورت: محبت میں عقل جاتی رہتی ہے، جسم گھٹنے لگتا ہے، آنسو خاموشی کے ساتھ بہنے لگتے ہیں، ہر نیا دن محبت میں ایک نئی روح پھونک دیتا ہے، اور محبت معشوق کی بے رخی سے بالکل ختم ہے نہ کم۔

تمیمی: عشق نہ عاشقوں کے اختیار سے ہوتا ہے اور نہ ان کی خواہش سے، بلکہ عاشق ہونا ایسا ہی ہے جیسا مہلک بیماریوں میں گرفتار ہوجانا، اس میں اور اس میں رتی برابر فرق نہیں۔

ابو وائل: محبت اگر انتہائے دیوانگی یا اس کی قسم میں سے نہیں تو جادو کا نچوڑ تو یقینی ہے محبت نام ہے معشوق کے ساتھ دل کے بلاواسطہ متعلق ہوجانے کا۔

صوفیائے کرام

عراقی: عشق اشارات بذاتِ احدیتِ مطلقہ است و اختیار جملہ متاخرین ہمیں است عاشق آنرا گویند کہ عقل درونہ باشد و خبر از سروپا ندارد و خواب ولہ برخود حرام گرداند، زبان بذکرو دل بفکر و جاں بمشاہدہ او مشغول دارد (شیخ فخر الدین عراقی)

شہاب الدین نویری: سب سے پہلے جذبہ پسندیدگی پیدا ہوتا ہے، اس کے

بعد قرب و نزدیکی کی خواہش پیدا ہوتی ہے جو مودت میں تبدیل ہوجاتی ہے اس کے بعد محبت ہوتی ہے پھر درجہ ہُوا ہے اور اس کے بعد عشق کا ، لیکن عشق آخری منزل نہیں ہے کیونکہ عشق بڑھ جانے کے بعد تیتم ہوجاتا ہے اور تیتم میں زیادتی ہونے سے ولہ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور جنون کا درجہ غالباً والہ کے بعد ہے ۔

جنید بغدادی : عشق محبت سرمدی ہے جیسے خدا کی مہربانیاں ہر جاندار کو عطا کیا کرتی ہے ۔ (جنید)

خواجہ ابراہیم مستملی شارح تعرّف : محبتی کہ میان مخلوقان باشد، اول درجہ موافقت طبع ہست کہ بیند شنود کہ طبع آں چیز آرام گردید، چوں مدتی بموافقت طبع برآید، درجہ ثاني، میل کند ومیل برنفس راہیست کہ نفس بہ صحبت آں چیز وآں کس میل کند و از دیگراں اعراض سازد ، چوں مدتی بایں مقام گاہی برائی کہ بمقام ثالث رسد و گردد چوں مدتی کہ بایں مقام یوم گاہی برآید، چہارم درجہ محبت گردد و در محبت سخن بسیار راست چوں گاہی چندیں بایں مقام بباشد بدرجہ پنجم رسد ولہ گردد و حیرت باشد و متحیّر گردد ، چوں از مقام پنجم بلرزد بدرجہ ششم آید، وآں مقام ششم را ہوا خواند چوں دیگر بایں مقام ششم برآید بدرجہ ہفتم رسد وآں عشق است۔

حضرت بندار بن الحسین رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ اہل بدعت کی صحبت حق سے اعراض پیدا کردیتی ہے

دارالاسلام بغداد کا ایک عجوبہ

بغداد جو صدیوں تک خلفاء و ملوک کا دارالسلطنت رہا ہے، طبعی طور پر ضروری تھا کہ یہی ان بادشاہوں کی موت کی گھاٹی ہوتی، مگر اس کے عجائب میں سے ہے کہ اس عظیم الشان دارالسلطنت میں کسی بادشاہ کو موت نہیں آئی، جتنے خلفاء و ملوک اس میں آباد رہے۔ سب کی وفات یہاں سے نکلنے کے بعد دوسرے شہروں میں ہوئی۔

خلیفہ ابو جعفر منصور جو بانی بغداد ہیں ان کا انتقال سفرِ حج میں ہوا اور مکہ معظمہ میں حجون (پہاڑ) کے نزدیک دفن کئے گئے۔

خلیفہ مہدی نے ماسبذان میں انتقال کیا۔ خلیفہ ہادی عیسیٰ آباد میں مرے۔ ہارون الرشید کا طوس میں انتقال ہوا۔ مامون الرشید کی وفات بلاد روم بذندون کے اندر واقع ہوئی۔ اسی طرح سے ان کی اولاد میں جس قدر بادشاہ ہوئے سب کی وفات دوسرے شہروں میں ہوئی البتہ محمد امین کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بغداد میں قتل کیئے گئے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ وہ بھی خاص شہر بغداد کے اندر مقتول نہیں ہوئے، شہر بغداد سے باہر تھے وہاں قتل کئے گئے۔ اسی مضمون کو ایک بغدادی شاعر منصور نمری نے اپنے اشعار میں لکھا ہے۔

اَعَاینتَ فِي طُولٍ مِنَ الأَرْضِ وَالعَرْضِ   کَبَغْدَادَ دَاراً اِنَّهَا جَنَّةُ الارْضِ

قَضٰي رَبُّهَا اَنْ لاَ يَمُوْتَ خَلِيْفَةٌ   بِهَا اَنَّہ مَاشَاءَ فِيْ خَانه يَقْضِي

(تاریخ بغداد للخطیب ص ۶۸ ۔ ج ۱)

(ترجمہ) کیا آپ نے زمین کے طول و عرض میں بغداد جیسا کوئی شہر دیکھا۔ بلاشبہ وہ زمین کی جنت ہے۔ اس شہر کے مالک نے حکم کردیا ہے کہ کوئی بادشاہ اس میں نہ مرے گا بے شک وہ اپنی مخلوق میں جو چاہے حکم کرتا ہے"

فائدہ: ہندوؤں اور دوسری اوہام پرست قوموں میں اگر کہیں ایسا اتفاق ہوتا کہ اتنے عظیم الشان دارالسلطنت میں کوئی بادشاہ نہ مرے تو وہ اس شہر کی پوجا پاٹ شروع کردیتے، اور خدا جانے کیا کیا عقیدے اور خیال قائم کرتے۔ حق تعالیٰ نے مسلمانوں ہی کو یہ عقل و فہم دیا کہ ہر چیز کو اس کی حد تک رکھتے ہیں علماء و حکماء سے گزر کر شاعرانہ خیال رکھنے والے بھی اسی کا اعلان کرتے ہیں کہ اس میں بغداد کی زمین یا آب و ہوا کی کوئی تاثیر نہیں، بلکہ یہ سب کچھ اسی مالک الملک کے حکم اور قضاء و قدر سے ہے جس کے قبضہ میں سب کی جانیں ہیں۔ اسی نے اس شہر کو یہ عجیب فضیلت عطا فرمادی اور اگر وہ چاہے تو آج اس کو بدل دے اور اس پر فضاء جنت زمین کو موت کا گھاٹ بنادے۔

فانہ الفعال لما یرید ولا یمنعہ شيء عن شيء۔

مُکالمہ ابو جعفر منصور اور رومی سفیر

خلیفۃ المسلمین ابو جعفر منصور عباسی نے جب شہر بغداد کی تعمیر کو مکمل کرکے اس کو اپنا پایہ تخت بنایا تو شاہِ رُوم کا ایک سفیر مہمان پہنچا۔ بغداد کی سیر و تفریح کے بعد دربارِ شاہی میں حاضر ہوا اور امیر المومنین منصور سے عرض کیا کہ جہاں پناہ آپ نے ایسا شہر بنایا ہے کہ آپ سے پہلے کسی بادشاہ کو میسر نہیں ہوا۔ مگر اس میں تین عیب ہیں۔

ایک یہ کہ پانی سے دور ہے اور انسان کو پانی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ دوسرے یہ کہ انسان کی نظرِ فطرت سبزی کو پسند کرتی ہے اس شہر کی بناء میں اس کی رعایت نہیں کہ کچھ درخت اور چمن ہوتے۔ تیسرے یہ کہ آپ کی رعیت آپ کے ساتھ ہی اس شہر میں آباد ہے اور جس بادشاہ کی رعیت اس کے ساتھ اس طرح خلط ملط ہوکر رہتی ہو، اس کا راز پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔

امیر المومنین منصور نے کہا کہ یہ عیب جو تم نے شمار کئے کوئی قابلِ التفات چیز

نہیں ، کیونکہ پہلا عیب یعنی پانی کی نہروں سے دور ہونا سو اس کا یہ جواب ہے کہ بقدر ضرورت پانی یہاں شہر میں موجود ہے اور ضرورت سے زائد کی فکر فضول ہے دوسری چیز سبزی اور چمن وغیرہ سو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم سیر و تفریح اور لہو و لعب کے لئے پیدا نہیں ہوئے ۔ اور تیسرا عیب کہ میرا راز پوشیدہ نہیں رہ سکتا تو آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میرا کوئی راز ہی ایسا نہیں جس کو میں اپنی رعیت سے پوشیدہ رکھوں۔ میری رعیت سب کی سب میری اولاد کی طرح ہمراز ہے ۔

منصور کا نظریہ اپنی جگہ پر صحیح تھا لیکن پھر زمانہ کی رفتار نے ان میں بھی سفیر رُومی کے بعض مشوروں پر عمل کے لئے مجبور کردیا۔ اور اسی وجہ سے بغداد کی عام آبادی کو محلہ کَرخ کی طرف منتقل کردیا گیا اور دجلہ سے دو نہریں بغداد میں لائی گئیں (تاریخ بغداد للخطیب ص ۴۸ ، ج ۱)

دکانوں پر ٹیکس

امیرالمومنین منصور عباسی کے زمانہ تک بغداد میں دکانوں پر کوئی خراج (ٹیکس) عائد نہیں کیا گیا تھا ان کے بعد خلیفہ مہدی نے بمشورہ ابو عبید اللہ دکانوں پر ٹیکس لگایا۔ (تاریخ بغداد ص ۸۱ ، ج ۲)

ایک بغدادی سقاء عالی ظرفی کی عجیب نظیر

حضرت ذوالنون مصریؒ کو ایک مرتبہ کسی دشمن نے تہمت لگائی اور اس سلسلہ میں وہ قید کرکے بغداد لائے گئے ۔ قصرِ حکومت کے نیچے ہتھکڑی اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے پڑے تھے ، پیاس کا غلبہ تھا، اس فکر میں تھے کہ کس سے کہیں اور کون سنے ۔ اتفاقاً ایک شخص نہایت خوش لباس سامنے آیا جس کے ہاتھ میں بلوری جام اور بغل میں مشکیزہ

تھا۔ ذوالنون نے خیال کیا کہ یہ بادشاہی ساقی ہے ، ہماری بات کیا سنے گا، لیکن لوگوں سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی درباری آدمی نہیں ، بلکہ عوام کو پانی پلانا اس کا کام ہے، آپ نے اس سے پانی طلب کیا اس نے نہایت ادب و احترام سے پانی پلایا۔ حضرت ذوالنونؒ نے خوش ہوکر ایک دینار اس کے سامنے پیش کیا۔ اس نے انکار کیا۔ حضرت ذوالنونؒ نے اصرار فرمایا تو کہا کہ آپ قید میں ہیں اور یہ انسانیت اور مروّت سے بعید ہے کہ کسی قیدی سے کچھ لیا جاوے ۔ حضرت ذوالنونؒ اس سقاء کی عالی ظرفی سے بہت ہی متعجب تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مروّت و عالی ظرفی سیکھنا ہو تو بغداد کے سقاء سے سیکھو۔
(تاریخ بغداد للخطیبؒ)

مغربی تمدن و مُعاشرت

کی مضرت خود اہل یورپ کی نظر میں

اسلام روز اول سے انسان کو سادہ معاشرت کی تعلیم دیتا ہے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا اسوہ حسنہ اور اسلافِ اسلام کا ہر طرز عمل یہی ہدایت کرتا ہے، اور جب تک مسلمانوں کی قسمت میں خیر مقدر تھی اس وقت تک وہ اسی اسوہ کے پابند تھے ، مگر بدنصیبی سے آج کل مسلمانوں نے اپنی روایات کو بھلا کر اقوامِ یورپ کی تقلید شروع کردی جن کا مبلغ علم اور دین و مذہب ، ہوا پرستی اور بہائم کی طرح ہوس رانی اور اسباب عیش و عشرت کی فراوانی ہے ، انہیں قرآن و حدیث سنایا جاتا ہے تو التفات نہیں کرتے ۔ اسلامی تاریخ کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے تو تنگ نظری کا سبق سمجھتے ہیں۔ اس لئے ہم اس وقت خود موجدین فیشن و تمدنِ جدید کا وہ مصدّقہ فیصلہ نقل کرتے ہیں جو انہوں نے تمدنِ جدید کی مضرّتیں بھگتنے کے بعد صادر کیا ہے ۔

مُقلِّدینِ یورپ کے لئے یورپ کا فتویٰ

انگلستان کی انجمن تجدید صحت وحیات کا پروگرام

انگلستان کی انجمن تجدید صحت و حیات نے اپنی زندگی اور صحت کے لئے کچھ اصول طے کرکے شائع کئے ہیں جو ہر ممبر کے پاس چھپے ہوئے موجود رہتے ہیں یہ اصول رسالہ "چشمہ حیات" دہلی مجریہ مارچ ۳۸ء میں شائع ہوئے ان میں سے ہم چند چیزیں نقل کرتے ہیں جو صریح اسلامی تعلیمات ہیں۔ اہل یورپ نے بہت سی ٹھوکریں کھا کر اور نقصان اٹھاکر بالآخر ان کو اختیار کیا ہے یہ مسلمانوں کے لئے درس عبرت ہے کہ غیر اقوام اسلامی تعلیمات کی خوبیاں محسوس کرکے اس کی طرف آرہی ہیں اور مسلمان دوسروں کی تقلید کو معراج کمال سمجھ رہے ہیں۔

یک سبد پر نان ترا برق سر
توہمی جوئی لبِ نان دربدر

مغربی معاشرت

غذا سادہ کھاؤ جب خوب بھوک لگے اس وقت کھاؤ تحریک پیدا کرنے والی غذا نہ کھاؤ، بلکہ صرف طاقت برقرار رکھنے والی چیزیں کھاؤ۔ عام طور پر ایک وضع کے کھانے کھاؤ۔ اپنے کھانے کو ڈھک کر رکھو تاکہ ہوا کے جراثیم

اسلامی معاشرت

ارشاد نبویؐ

غذا اور پانی: (۱) آئندہ میری امت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو (الوان طعام) مختلف قسم کے کھانے اور مختلف قسموں کے پانی اور شربت اور مختلف رنگ کے کپڑے جمع کریں گے وہ میری امت کے بدترین لوگ ہیں (ترغیب و ترہیب ص ۱۱۱، ج ۳) (۲) ارشاد نبوی ہے کہ سونے کے وقت اپنے دروازے بند کرو اور کھانے کے برتنوں کو ڈھک دو. اور پینے کے برتنوں مشکیزہ وغیرہ کا منہ بند کردو۔ (کنز برمز مسند امام احمد ص ۳۳، ج ۸)

خاک دھول، مکھیاں، ہوائی کیڑے ان پر یورش نہ کرسکیں۔ کھانے کی چیزیں جو کھلی رکھی ہوں مت کھاؤ خاص کر وہ جن کا رنگ مزہ اور بو بدل گئی ہو۔

پانی: پانی کے برتن ڈھکے ہوئے ہونے چاہئیں اور کسی ایک برتن میں زیادہ عرصہ تک پانی نہ رکھنا چاہئے۔ تجربہ اور مقامی موسمی حالات بتائیں گے کہ کس برتن میں کتنے عرصہ تک پانی رکھنا صحت کے واسطے مفید یا مضر ہے مگر برتن کے منہ کو ڈھکنا بہرحال ضروری ہے۔

روشنی: غیر قدرتی روشنی کا استعمال جس قدر بھی کم کیا جائے بہتر ہے، خصوصاً رات کو سوتے وقت۔

روشنی حدیث میں ارشاد ہے واطفوء سرجکم (یعنی سوتے وقت اپنے چراغ گل کرو) اور عام عادت شریفہ یہی تھی کہ شب کو بلا ضرورت روشنی کا استعمال نہ فرماتے تھے یہاں تک کہ نماز تہجد پڑھنے کے وقت بھی اس کا التزام نہ تھا حضرت عائشہ صدیقہؓ اس حالت کے متعلق فرماتی ہیں والبیوت یومئذ لم تکن لھا السرج (یعنی اس زمانہ میں گھروں میں چراغ جلانے کی ایسی عادت نہ تھی کہ اس کے بغیر کام ہی نہ کریں) آج یورپ کی تہذیب نے ہر جگہ رات کو دن بنا رکھا ہے یورپ کی اندھی تقلید کرنے والے اور بجلی کی روشنی کو جزو تہذیب سمجھنے والے خود اہل یورپ کے اقوال دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔

غسل غسل میں صابن کا استعمال تو خود انہیں عقلاء کی ایجاد ہے جو آج اس کو منع کررہے ہیں اسلام نے تو اس میں اپنے اصول کے موافق سادگی کی تعلیم دی ہے۔

لباس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کا عام لباس کرتا اور تہبند تھا اور کبھی صرف دو چادریں ایک اوڑھنے کے لئے اور ایک تہبند کے لئے ہوتی تھیں، کبھی کبھی جُبّہ بھی استعمال فرماتے تھے، بعض حضرات پاجامہ بھی استعمال فرماتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پاجامہ کو پسند فرمایا ہے مگر یہ سب لباس ڈھیلا ڈھالا ہوتا تھا'

غسل: سوائے ہاتھوں کے اور کسی جگہ کے لئے صابن استعمال کرنے کی عادت اگر چھوڑ دی جائے تو صحت کی ترقی دیکھنے کے قابل ہوگی۔

کپڑے: آپ کو جوتے، گیٹیس، ہاتھوں کے تسمے، فیتے اور اسی قسم کی دیگر بندشیں ڈھیلی ہونی چاہئیں۔ تیل کے چکٹے ہوئے کپڑے، ربڑ کی چیزیں جہاں تک ممکن ہو پہنیئے۔ اصول یہ ہونا چاہئے کہ جسم کو گرم رکھنے کے لئے سردیوں میں ایسا کپڑا پہنا جائے کہ جن میں گرمی زیادہ ہو اور کپڑوں کا وزن ہلکا ہو، گرمیوں میں ایسے کپڑے ہوں کہ وہ پسینہ نہ روکیں اور پسینہ جذب جاڑوں میں جسم پر ہونے چاہئیں

چُست لباس پسند نہ تھا، یہ چست لباس کی جکڑ بند انہی دانایان فرنگ کی ایجاد ہے جو آج اس کو صحت و تندرستی کے لئے مضر فرما رہے ہیں اسی طرح ربڑ اور ربڑ کی اشیاء کا استعمال بھی انہیں لوگوں کی مایہ فخر ایجاد ہے جس کے ذریعہ مدتوں دنیا کی صحت کو خراب کرنے کے بعد یہ مضرت کا اقرار کیا جارہا ہے یورپ کے وہ روشن خیال دیکھیں کہ انہوں نے سنت رسولؐ کے مقابلے میں یورپ سے کیا لیا اور ایک مضر اور کتنا مہنگا سودا خریدا جس کو یورپ اب پسند نہیں کرتا فاعتبروا یا اولی الابصار۔ گہرے رنگ کے کپڑے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند نہ تھے بلکہ آپ کا ارشاد ہے علیکم بالبیاض من الثیاب فلیلبسھا احیاکم وکفنوا فیھا موتاکم فانھا من خیر ثیابکم (کنز ص ۱۷، ج۸، برمز حاکم و مسند احمد وغیرہ) یعنی "تم سفید کپڑوں کے پابند رہو، زندہ بھی اس کو استعمال کریں اور مردوں کا کفن بھی یہی ہو کیونکہ سفید کپڑے بہترین لباس ہیں"

ننگے پیر رہنا اسلامی معاشرت اور نشست جو تمام بلاد میں معروف و مشہور ہے یہی کہ جوتے نکال کر فرش پر بیٹھتے ہیں جوتا صرف چلنے پھرنے کے وقت استعمال کرتے ہیں، بلکہ اس میں بھی کسی وقت ننگے پیر چلنے کو عار نہیں سمجھتے۔ حضرات صحابہ کرام کی معاشرت یہی تھی۔ جوتوں کو جزو بدن بنا لینا

ننگے پیر: آپ جس قدر ننگے پیر رہ سکیں، بہتر ہے، جہاں کہیں آرام اور حفاظت کے ساتھ ننگے پیر پھرنا ممکن ہو یا صرف سلیپر، کھڑاوں، وغیرہ سے کام چل جائے وہاں بوٹ اور شوز کا استعمال نہیں کرنے چاہئیں۔

سونا: نرم پروں کے گدگدے بستروں پر سونا صحت کے لئے بہت مضر ہے۔

(از رسالہ چشمہ حیات دہلی)

مارچ ۱۹۳۸ء

یہ خاص یورپ ہی کی لغو معاشرت نے دنیا میں جاری کیا کہ کرسیوں کی نشست رکھی گئی کہ بیٹھنے اور کام کاج کی حالت میں بھی جوتے نہ اتریں، بلکہ بعض مصنوعی صاحب بہادر تو سوتے ہوئے بھی آرام کرسی، پر جوتوں سمیت دراز ہوجاتے ہیں خدا کا شکر ہے آج یورپ بہت سی مضرتیں برداشت کرنے کے بعد اسی نظریہ پر آیا جس کو اسلام نے اول قائم فرمایا تھا لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے بھائی اس وقت بھی آنکھیں نہیں کھولتے وہ اسی معاشرت کو فخر و عزت بنائے بیٹھے ہیں جس سے یورپ عاجز آکر توبہ کررہا ہے۔

سونا نرم گدوں پر سونا جس کو یورپ نے آج مضر صحت بتلایا ہے، اسلامی معاشرت پہلے ہی اس سے دور تھی۔ سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر چمڑے کا تھا جس کے اندر کھجور کے درخت کا گودا بھرا ہوا تھا۔ (ترغیب و ترہیب ص ۱۱۵، بحوالہ بخاری) بعض مرتبہ ازواج مطہرات میں سے کسی نے کوئی کپڑا بچھا دیا تو آپؐ نے اٹھوا دیا۔

تنبیہ اسلامی معاشرت اور سادہ زندگی جس طرح مسلمان کو دنیوی لذّات میں انہماک سے روکنے والی ہے اسی طرح صحت و تندرستی اور دنیوی راحت کی بھی کفیل ہے۔ جو لوگ جدّت پرستی میں مبتلا ہیں خدا کے لئے اب تو غور کریں اگر اپنے مذہبی فتوے سے متاثر نہیں ہوتے تو انہی کا فتویٰ سن لیں جن کے مقلد ہیں فقط (بندہ محمد شفیع)

پھر وہی قید قفس پھر وہی صیاد کا گھر

جرمنی میں آزادیِ نسواں کا حشر

مغربی تہذیب نے عورتوں کو جو آزادی دے رکھی تھی اس کے نتائج نظروں کے سامنے ہیں لیکن اب زیادہ دنوں تک یہ آزادی باقی نہ رہ سکے گی۔جرمنی میں اس کا ردعمل شروع ہوچکا ہے۔اور مد جس زور کا تھا جذر اس سے زیادہ زوردار ہے ۔ ہٹلر نے عورتوں کو پھر گھر کی چار دیواری میں بند کردیا ہے اور اعلیٰ تعلیم حسب سابق عورت کے لئے پھر "شجر ممنوعہ" قرار دی گئی۔ جرمنی چاہتا ہے کہ عورتیں کچھ نہ کریں صرف بچے پیدا کریں، جن کی آئندہ جنگ میں ملک کو ضرورت ہے ۔ ایک نازی لیڈر الفرڈ روز برگ کہتا ہے ، "جو عورت بچے پیدا نہیں کرتی، بیاہی ہو یا بن بیاہی ، سماج کے لئے لعنت ہے " لڑکیوں کے لئے اعلیٰ تعلیم علانیہ ممنوع نہیں قرار دی گئی، لیکن اس راہ میں اتنی دشواریاں پیدا کردی گئی ہیں کہ اس کا حاصل کرنا ان کے لئے تقریباً ناممکن ہے برلن یونیورسٹی کی یونین کا صدر کہتا ہے کہ " یونیورسٹیاں صرف مردوں کے لئے بنائی ہیں۔ عورتوں کی تعلیم کا اصلی مقصد صرف یہ ہے کہ ان کو ماں بننے کے لئے تیار کیا جائے ۔ ہم عورتوں کی تعلیم محض کلچر کے خیال سے بالکل بے سود سمجھتے ہیں۔ لڑکیوں کو ماں بننے کے لئے ایک سادہ کلچر سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔ اور یہ چیز وہ ثانوی مدارس میں حاصل کرلیتی ہیں یہ مدرسے ان کی عام صحت اور ورزش کا بھی زیادہ اہتمام کرتے ہیں جو تندرست ماں بننے کے لئے سب سے مقدس شے ہے ۔ ان اسکولوں میں ضروری اور مفید معلومات کھانا پکانے اور صفائی کے آداب حفظانِ صحت اور ورزش کے ضروری طریقے سکھائے جاتے ہیں۔ اور تعلیم کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ لڑکیوں کے دلوں میں نازی اصول جاگزیں ہوں ۔ ان کو جنگ کی برتری حکومت کی سربلندی اور ہٹلر کی مشق کرائی جاتی ہے۔اور ان میں نسلوں اور

خاندانوں کے ذہنی اور خلقی تفاوت کے نظریہ کو مقبول بنایا جائے۔

ثانوی نصاب کے ختم کر لینے کے بعد لڑکی کچھ عرصہ تک کسی گھر کی خادمہ یا کسی فارم کی مزدور یا بچّوں کی انّا بن کر گھریلو اور عملی زندگی کے تجربات حاصل کرتی ہے۔ حکومت نوجوان اور بن بیاہی لڑکیوں کو اپنے خزانہ سے قرض دے دے کر ازدواجی زندگی کے لئے ابھارتی رہتی ہے تاکہ ان کو گھریلو زندگی میں کوئی زحمت محسوس نہ ہو۔ بعد ازاں چند برسوں کے اندر ان قرضوں کو وہ بالاقساط ادا کر دیتی ہیں، اگر ایک مقررہ میعاد کے اندر کوئی بچّہ پیدا ہوجاتا ہے تو چوتھائی قرض ساقط ہوجاتا ہے اس طرح پر عورت کے ہاتھوں سے عمل و نفع کا پچھلا میدان جاتا رہا۔ اس تحریک کے ائمہ چاہتے ہیں کہ عورت کی تمام عملی سرگرمیوں سے ہٹا کر صرف معمولی گھریلو کاموں میں قید کردیں، لیکن ہنوز عورت کے لئے وہی کام ممنوع ہوئے ہیں، جن کے لئے مرد تیزی سے لپک رہے ہیں اور جن کو وہ آسانی سے انجام دے کر نفع اٹھا سکتے ہیں، کارخانوں، فارموں اور سرکاری محکموں میں چھوٹی چھوٹی ملازمتوں کے دروازے اب بھی لڑکیوں اور عورتوں کے لئے کھلے ہوئے ہیں لیکن یہ بھی اس وقت تک کھلے رہیں گے جب تک مرد ان کی طرف متوجہ نہیں ہیں، مردوں نے جہاں توجہ کی عورتوں کو یہ تنگ میدان بھی ان کے لئے فوراً خالی کردینا ہوگا۔ اب جرمنی میں عورت سیاسی محکموں اور بڑے بڑے انتظامی عہدوں پر بالکل نظر نہیں آتی، بلکہ معلّمہ اور لیڈی ڈاکٹر کی حیثیت میں بھی بہت کم دکھائی دیتی ہے۔ ان کے لئے یونیورسٹیوں کے دروازے بالکل بند ہیں۔ ۱۹۳۵ء میں قانونی کالجوں نے صرف سات لڑکیوں کو داخل کیا۔ کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ عورت کسی سول ملازمت کی خواہش نہ کرسکے۔

آج وہاں نہ کوئی عورت کسی اسکول کی ہیڈ ماسٹر ہے اور نہ کسی یونیورسٹی کی پروفیسر بڑے بڑے تمام علمی عہدے صرف مردوں کے لئے مخصوص ہیں۔ ۳۵ برس کی عمر سے پہلے کسی عورت کے لئے سرکاری ملازمت کا تعلق جائز نہیں ہے۔ مرد اور عورت اگر ہر حیثیت سے برابر ہوں تو حکومت مرد کو ترجیح دیتی ہے۔

حکومت اس کی وجہ یہ بیان کرتی ہے کہ اس کے پیش نظر یہ ہے کہ لڑکیاں ازدواجی زندگی کی طرف مائل ہوں، لیکن اگر یہ بھی ہوجائے کہ جرمنی کے تمام مرد شادی کرکے اپنی بیویوں کے نان ونفقہ کے ذمہ دار ہوجائیں جب بھی جرمنی میں لڑکیاں اور عورتیں بے مرد کی بچ رہیں گی۔

جرمنی میں عورت اس وقت نہ صرف مادی حیثیت سے ستم رسیدہ ہے بلکہ اخلاقی اعتبار سے بھی مظلوم ہے اس نے زندگی کی تمام چہل پہل سے محروم ہوکر اپنی دنیا اپنی چہار دیواری کے اندر بسالینی چاہی لیکن موجودہ گورنمنٹ اس کے اس چھوٹے سے دائرے کے اندر بھی اس کو آزاد چھوڑنا نہیں چاہتی۔ چنانچہ اس کو اس کی اجازت نہیں دی گئی ہے کہ وہ اپنے بچّوں کی تربیت آزادنہ طریق پر اپنے حسبِ منشاء کرسکے، بلکہ نازی گورنمنٹ بچّوں کی تربیت کی ذمہ دار خود بن گئی ہے تاکہ ان کو شروع ہی سے اپنے نازی اصولوں پر لے کر چل سکے۔ ظاہر ہے کہ یہ طریقہ نہایت ظالمانہ ہے یہ ماں اور اس کے بچّے کے درمیان تفریق کرنا ہے جو عورت آسانی سے برداشت نہیں کرسکتی، یا تو عورت کو باہر کی چہل پہل دو، اور اگر اس کو اس سے الگ کرکے اندر قید کرنا چاہتے ہو تو اس دائرہ کے اندر اس کو وہ سب کچھ دو جو اس کا ہے۔ اور یقیناً اس میں سب سے اہم اس کا بچّہ ہے جس کی مادی اور اخلاقی تربیت کی وہ تنہا ذمہ دار ہے۔

کبھی کبھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جرمنی خواتین اس قید و بند میں کیسے خوش رہ سکتی ہے؟ اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ بن بیاہی لڑکیاں شوہر کی تمنّا کرنا سیکھیں اور اس کے لئے موثر پروپیگنڈہ جاری کریں۔ اور شادی شدہ عورتیں اپنی عائلی زندگی پر قناعت کریں اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں بچّے جنیں۔ کچھ دنوں کے بعد طبیعتیں آپ سے آپ بدل جائیں گی۔

موجودہ حکومت کا رعب دلوں پر اس طرح چھایا ہوا ہے کہ عورتوں میں اس کے

خلاف آواز اٹھانے کی ہمت نہیں ہے - وہ یاس و ناامیدی کی حالت میں اس تماشہ کو دیکھ رہی ہیں اور اب سمجھنے لگی ہیں کہ عورت صرف بیوی اور ماں بننے کے لئے پیدا ہوئی ہے - کیسی بیوی اور کیسی ماں؟ ایسی بیوی جو بچے پیدا کرنے کے فرض انجام دے اور ایسی ماں جو دودھ پلانے کی خدمت بجا لائے اور اس کا تو خیال بھی نہ کرے کہ وہ گھر کی مالکہ اور بچے کی ماں ہے -

عورت نے اپنے حق سے زیادہ لیا تھا۔ زمانہ نے اس کو مع سود کے واپس لے لیا۔
از "اصلاح" سرائے میر اعظم گڑھ

ہندوستان میں حدیث اور مذہب حنفیہ کی عظیم الشان خدمت

اور علمائے مصر کا اعتراف

حجاز و عراق اور مصر و شام علوم اسلامیہ کے مرکز سمجھے جاتے ہیں اور یہ سمجھنا صحیح بھی ہے اور جس طرح ہندوستان جغرافیائی حیثیت سے ان سے بعید اور الگ تھلگ ہے اس کا مقتضی بظاہر یہ تھا کہ علوم اسلامیہ میں اس کا کوئی خاص حصہّ نہ ہوتا لیکن خدا کی دین (عطاء الٰہی) کسی ضابطہ کی پابند نہیں۔ وہ جس جگہ اور جس قوم اور جس شخص کو چاہیں اپنے انعامات سے مالا مال فرماتا ہے۔اللہ یعلم حیث یجعل رسالتہ۔

ہندوستان کو حق تعالیٰ نے جس طرح یہ شرف عظیم عطا فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سب سے پہلے پیغمبر (آدم علیہ السلام) اور وحی الٰہی سب سے پہلے اسی خطہّ پر نازل ہوئی، اسی طرح یہ نعمت کاملہ بھی اس کے حصہّ میں لکھ دی کہ اسلام اور علوم اسلامیہ کی حقیقی اور صحیح خدمت جو اس وقت ہندوستان میں ہو رہی ہے آج اس کی نظیر بلاد اسلامیہ میں بھی نظر نہیں آتی۔

یہ ضروری ہے کہ مغربی تعلیم اور نئی روشنی (جس کو نئی اندھیری کہنا زیادہ موزوں ہے) کے اثر سے مذہب اور علوم مذہبیہ سے عام مسلمانوں میں بیگانگی اور اس کی سے علوم و علماء کی کساد بازاری روز بروز بڑھتی جاتی ہے لیکن اس حالت میں بھی یہاں اللہ تعالیٰ کے ایسے مخلص بندے موجود ہیں جو اس کسمپرسی اور بے قدری کی حالت میں بھی اپنے اوقات کو علمی خدمت کے لئے وقت کئے ہوئے ہیں اور وہ بڑی بڑی خدمتیں کر رہے ہیں

جس کا انتظام سلطنتوں سے بھی مشکل تھا۔ ان غریبوں کے پاس اتنا سرمایہ بھی نہیں ہوتا کہ اپنی تصنیف کو مطبع تک پہنچا سکیں، اور کہیں مر بھر کر کوئی تصنیف طبع بھی ہوگئی تو اس کی صورت نہیں بنتی کہ اس کو عام طور پر شائع کر سکیں اور اس خزینہ علوم کو اس کے مستحقین تک پہنچا سکیں، اور کہیں اتفاق سے کوئی تصنیف بیرون ہند چلی جاتی ہے تو خدا شناس علماء اس کو کس طرح قبول کرتے ہیں اس کا ایک نمونہ آپ تحریر ذیل میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

بقیۃ السلف حجۃ الخلف حکیم الامت مجدد الملت سیدی و سندی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم کی تصانیف مفیدہ جو بفضلہ تعالیٰ سات سو سے زائد ہیں (زادہا اللہ تعالیٰ امثالہا) ان میں سے چند تصانیف حجاز و مصر وغیرہ بلاد اسلامیہ میں پہنچیں۔ وہاں کے ماہر علماء نے ان کو ایک نعمت عظیمہ اور مایہ ناز علمی خدمت سمجھا۔

حضرت ممدوح نے مدت ہوئی ایک تصنیف کی بنا ڈالی تھی جس میں حنفی المذہب سے مسلمانوں کے لئے مذہب امام اعظم ابو حنیفہ کے ہر مسئلہ پر قرآن و حدیث سے شواہد و دلائل جمع کئے گئے۔ عرصہ دراز سے موصوف نے بخدمت اپنے عزیز خاص اور مجاز خاص حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کے سپرد فرمائی اور ان کی تحریر کو باستیعاب خود ملاحظہ فرمانے اور ضروری اصلاحات عطاء فرمانے کا التزام کیا۔ مولانا ظفر احمد صاحب نے اس جد وجہد اور دقت نظر سے اس کام کو انجام دیا کہ آج کل بہت ہی دشوار ہے حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ عظیم الشان خدمت اب تقریباً پندرہ جلدوں کی صورت میں مکمل ہوچکی ہے جن میں سے دس طبع ہوچکی ہیں باقی زیر طبع ہیں۔ یہ عظیم الشان تصنیف ساری حنفیہ کی بے نظیر تنقیح متن حدیث کی شرح اور مباحث اسناد اور اصول حدیث کے متعلق علوم سلف و خلف کا نچوڑ ہونے کی حیثیت سے علم حدیث و فقہ کی ایسی جامع کتاب ہوگئی کہ اس کی نظیر موجود نہیں۔

کتاب کی چند جلدیں مصر پہنچیں۔ مصر کے مشہور و معروف مصنف علامہ زاہد

کوثری نے اس کے متعلق اپنے ایک علمی مضمون میں اظہار رائے فرمایا ہے ۔

اسی طرح شیخ التفسیر والحدیث سیدی و استاذی حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی نے حال میں علم حدیث کی ایک ایسی عظیم الشان خدمت فرمائی ہے کہ اس قرن میں اس کا تصور مشکل تھا۔ یعنی حدیث کی مشہور کتاب صحیح مسلم جس پر کوئی مبسوط ومفصل شرح ایسی موجود نہ تھی جس پر اکتفاء کیا جاسکے ۔ امام نوویؒ کی شرح بہترین اور جامع شرح ہے لیکن اول تو موصوف شافعی المذہب ہیں اسی مذہب کے اصول پر یہ شرح کی گئی ، حنفیہ کے لئے اس پر قناعت نہیں ہوسکتی۔ دوسرے بہت سے مواقع پھر بھی تشنہ تفصیل بھی باقی ہے ۔ حضرت ممدوح نے بفضلہ تعالیٰ اس شرح کی تصنیف کو نصف سے زائد مکمل کرلیا ہے اور ہنوز سلسلہ تصنیف جاری ہے تین جلدیں طبع ہوچکی ہیں علامہ کوثری نے اس شرح مسلم کے متعلق بھی اپنے اس مضمون میں اظہار خیال فرمایا ہے وہ بھی آپ اس عربی مضمون میں ملاحظہ فرمائیں گے ۔

اسی طرح فقیہ العصر محدث الوقت شیخ المشائخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ کی عظیم الشان تصنیف بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد جو عرصہ ہوا چھپ کر شائع ہوچکی ہے اور بیان و توصیف سے بے نیاز ہے ، اس پر نیز علامہ شوق قدس سرہٗ کی کتاب "آثار السنن" اور دوسرے علماء ہند کی خدمات حدیث پر بھی علامہ موصوف نے اس مضمون میں فاضلانہ تبصرہ فرمایا ہے یہ مضمون امام ہند کے لئے ایک ماہر عالم کی سند اور مایہ ناز ہونے کے علاوہ علم حدیث و فقہ کی مستقل تاریخ اور ہر زمانہ اور ہر دور اور ہر ملک میں اس کی جو جو خدمتیں ہوئی ہیں اس کا ایک اجمالی مگر جامع نقشہ ہے اور علماء و طلباء حدیث کے لئے معلومات نافعہ کا خزانہ ہے اس لئے ہم اس کی اصل عبارت کو مع ترجمہ کے ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

احادیث احکام کی خدمت

اور بلادِ اسلامیہ میں اس کے مختلف دور

(از علامہ کوثری مصری)

لابدلمن ينتمي الى الفقه من ان يكون ذاعناية بالاحاديث والآثار الوردة عن الصحابة والتابعين ومن بعدهم في الاحكام الاصلية والفرعية ليكون على بينة من امره فيصون نفسه من محاولة اجراء القياس على ضد المنصوص، ويحترز من مخالفة الاجماع في المسائل المجمع عليها لانه لايمكن تفريق ما يصح فيه القياس ممالا يصح هو فيه وتمييز يستساغ فيه الخلاف مما لا يسوغ فيه غير الاتباع المجرد۔ الا لمن احاطه خبراً بموارد النصوص ووجوه التفقه فيها۔ واستقراء الآثار الواردة من فقهاء السلف في الاحكام فهو الذي يقدران يتصون من القياس في مورد النص وهو الذي يستطيع ان يحترز من

(از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب)

"جو شخص علم فقہ سے تعلق رکھے اس کے لئے ضروری ہے کہ ان احادیث اور آثار صحابہؓ اور اقوال تابعین و تبع تابعینؒ وغیرہ کو معلوم کرنے کا خاص اہتمام کرے جو احکام اصول و فروع کے متعلق وارد ہوئے ہیں تاکہ وہ ایک حجت پر قائم ہو اور اپنے نفس کو بمقابلہ منصوص قیاس کرنے سے بچا سکے اور مجمع علیہا مسائل میں مخالف اجماع سے بچ سکے۔ کیونکہ جن مواقع میں قیاس جائز ہے اور جن میں جائز نہیں اسی طرح جن مسائل میں اختلاف رائے جائز ہے اور جن میں ان کے درمیان امتیاز کرنا صرف اس پر موقوف ہے کہ مواد و نصوص اور ان میں وجوہ استنباط سے باخبر ہو۔ اور فقہائے سلف سے جو اقوال متعلقہ احکام منقول ہیں ان پر حاوی ہو۔ وہی شخص اپنے آپ کو موا د نص میں قیاس کرنے سے محفوظ رکھ سکتا ہے اور مواقع اجماع میں اجماع کا خلاف کرنے سے بچ سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس امت کے علماء اور

الخلاف فی موطن الاجماع
ولذلک تجد علماء هذه الامة و اولادها قد سعوا سعياً بليغاً في جميع الادوار في جمع ادلة الاحكام والكلام عليها متناً وسنداً ودلالة على اختلاف اذواقهم ومشاربهم في شروط قبول الاخبار وعلى تفاوت مداركهم في النصوص والآثار۔ وكانت امصار المسلمين تتنازب على الاضطلاع باعباء العلوم المنة مدى القرون ان قصر في ذلک قطر تام قطر اخر بواجبه في هذا الباب وهكذا وكانت من اكبر الاقطار حظاً من العلوم مابين شرعية وعقلية وادبية ولا سيما علوم السنة والفقه البلاد العراقية ايام مجد الدولة العباسية الى تاريخ انقراضها۔ وما خلف علماءها من المآثر الخالدة شاهد صدق على ذلک ثم خلقها في حيازة القدح المعلى في العلوم۔ الدولة المصرية على اتساع ممالكها في عهد الدولتين البحرية والبرجية والآثار الباقية من الدولتين والجامعات

رہنمایان مذہب نے ہر زمانہ اور ہر دور میں ادلہ الاحکام (وہ آیات و احادیث جن سے احکام فقہیہ نکالے گئے ہیں) جمع کرنے میں سعی بلیغ فرمائی ہے اور سنداً و متناً ان پر کلام کیا ہے اور عمل بالحدیث کے بارہ میں اپنے اپنے ذوق و مذاق اور مذہب و مشرب کے اعتبار سے مختلف شرائط مقرر فرمائی ہیں۔ بلاد اسلامیہ ہر زمانہ اور ہر دور میں علوم سنت کی نشر و اشاعت اور شرح تسہیل میں نوبت بنو بت مشغول رہے ہیں ایک ملک کے لوگوں نے کبھی وقت اس میں سستی شروع کی تو دوسرے کسی ملک کے علماء اس خدمت کے لئے کھڑے ہوگئے۔ اور سب سے زیادہ حصہ علوم شرعیہ و عقلیہ میں اور خصوصاً علوم سنت وفقہ کی خدمت میں بلاد عراق کے اس دور کا ہے جب دولت عباسیہ ان میں عروج پر تھی۔یہاں تک کہ دولت عباسیہ کا خاتمہ ہوا تو اس کے ساتھ ہی ساتھ اس علمی خدمت کا بھی یہاں سے خاتمہ ہوگیا ۔ علماء عراق کے وہ علمی آثار جو آج تک صفحات کتب میں مدون چلے آتے ہیں، ہمارے اس بیان پر شاہد عدل ہیں ۔ دولت عباسیہ اور بلاد عراق کے بعد یہ نعمت خداوندی اور علوم اسلامیہ کی خدمت میں حظ عظیم

العلمية التى كانت الملوك والامراء
شيدوها لم تزل ماثلة امامنا تنطق عن
ماض مجيد ولم نزل نشاهد فى
التاريخ مبلغ ماكانوا يدرون عليها من
الخيرات فى سبيل العلم مع مشاطرة
كثير من ملوكهم وامرائهم العلماء
فى علومهم وما هو الظاهر يرفوق
يتفقه على الامام اكمل الدين
البابرقى ويشارك المحدثون فى
رواية الصحيحين و يجلب امثال ابن
ابى المجد من كبار المسندين من
الاقطار النائية رغبة منه فى اعلاء سند
المتعلمين بمصر بسماعهم
الحديث من اصحاب الاسانيد
العاليه ويفعل مثل ذلك المويد
حيث كان هو نفسه يروى الصحيح
عن السراج البلقينى بل ابن حجر
سمع الحديث من المؤيد هذا و
ترجم له فى عداد شيوخه فى المعجم
المفهرس وقد جلب المؤيد الى
مصر العلامة شمس الدين الديرى "
صاحب المسائل الشريفة فى ادلة
مذهب الامام ابى حنيفة" وكذلك
ترى الظاهر جقمق يسمع الصحيح

دولت مصریہ کے ہاتھ آیا جو اس کے دونوں
دور یعنی دولت برجیہ میں برابر قائم رہا۔

ان دونوں دولتوں کے آثار باقیہ اور وہ
مدارس عالیہ جو ان ملوک و امراء کے بنائے
ہوئے ہیں آج بھی ہمارے سامنے کھڑے
ہوئے اپنے قابل فخر عہد ماضی کی خبر دے
رہے ہیں، اور ہم ہمیشہ کتب تاریخ میں ان
بیش بہا اقوام و عظیم الشان خزائن کا مطالعہ
کرتے رہتے ہیں جو ملوک مصر اشاعت علوم
اور امامت مدارس کے لئے پانی کی طرح بہاتے
تھے۔ حالانکہ یہ ملوک و امراء صرف سلطنت و
حکومت ہی کے مالک نہ تھے بلکہ ان میں سے
بہت سے حضرات خود بھی ماہر علماء تھے۔
دیکھئے طاہر برقوق (سلطان مصر) امام اکمل
الدین بابرتی سے علم فقہ حاصل کرتے ہیں اور
صحیحین کی روایت میں اجلہ محدثین کے ساتھ
شرکت کرتے ہیں۔ اور امام حدیث ابن ابی
المجد جیسے سند الوقت عالم کو بلاد بعیدہ سے
محض اس لئے مصر میں بلاتے ہیں کہ مصری
طلباء حدیث ان سے استفادہ کریں اور ان کی
سند عالی ہوجاوے۔

اسی طرح سلطان مصر مؤید علم
حدیث میں خود وہ درجہ عالیہ رکھتے ہیں کہ صحیح

من ابن الجزری ـ ویجلب کبار المسندین الٰی مصر لیتلقّٰی منهم المتعلمون بمصر مودیاتهم فی السنة من الصحاح و المسانید ویجعل القلعة المصریة مجمع هٰؤلاء العلماء وموضع تلقی المتعلمین لتلک الکتب من هٰؤلاء المسندین تنویهاً بامرهم واعلاء شان العلم ـ وبهذه العنایة والرعایة من الملوک والامراء کانت مصر دار حدیث و فقه وادب فی القرون الثلاثة السابع والثامن والتاسع و هاهی قد کظنت کتب التاریخ بتراجم رجال کبار انجبتهم مصر بکثرة بالغة فی تلک القرون الذهبیه ممن لهم مؤلفات کثیرة جدافی شتّی العلوم بحیث یعدّون مفاخر الاسلام

عن مصر بل ماتزاهم المحفوظة فی خرفات العالم ومایقضی لمصر بالفخر الخالد ـ ولمؤلفاتهم فی الحدیث والفقه والتاریخ خارجة عن حد الاحصاء وقد استمرت النهضة العلمیة

بخاری کو حافظ سراج الدین بلقینی سے روایت کرتے ہیں بلکہ حافظ الدنیا ابن حجر نے ملک موید سے بہت سی احادیث حاصل کی ہیں اور ان کو اپنے اساتذہ کے زمرہ میں شمار کیا ہے جیسا کہ ان کے معجم مفہرس میں موجود ہے ملک موید نے ہی علامہ شمس الدین دیری مصنف المسائل الشریفہ فی ادلۃ مذہب الامام ابی حنیفہ کو افادۂ علوم کے لئے مصر میں بلایا۔

اسی طرح سلطان ظاہر صحیح بخاری کو امام ابن الجزری سے پڑھتے ہیں اور بڑے بڑے ائمہ حدیث و فقہ کو بلاد بعیدہ سے مصر میں بلاتے ہیں تاکہ مصر کے علماء و طلباء ان سے صحاح ستہ کو بسند عالی حاصل کریں اور مصر کے شاہی قلعہ کو علماء کی مجلس بحث و نظر اور درس و تدریس کے لئے مقرر کردیتے ہیں تاکہ لوگوں کے قلوب میں علماء کی عزت وشان بڑھے۔

امراء و سلاطین کی اس خاص توجہ و اہتمام کی وجہ سے مصر ساتویں، آٹھویں، نویں تین صدیوں میں دارالحدیث، دارالفقہ، دارالادب بنا ہوا تھا۔

مصر کے ائمہ علوم و فنون اور علماء محققین کے زرین کارنامے آج بھی صفحات

بمصر على ما وصفناه الى اوائل القرن العاشر۔ فبانقراض الدولة المصرية البرجية وفى اوائل ذالك القرن تضائل النشاط العلمى بمصر بل تر عرت اركان العلم بها وغادر هذا لنشاط القطر المصرى الى اقطار اخرى كماهو " سنة الله فى خلقه " فاذ وازنت رجال اواخرالقرن العاشر برجال القرون الثلاثة التى سبقته علمت مبلغ ماصيبت به مصر من الانحطاط العظيم فى العلم حين ذلك ثم توزعت الاقطار النشاط العلمى ۔ وكان حظ اقليم الهند من هذاالميراث منذمتنصف القرن العاشر هوالنشاط فى علوم الحديث فاقبل علماء الهند عليها اقبالاً كليا بعد ان كانوا منصرفين الى الفقه المجرد والعلوم النظرية " ولواستعرضنا مالعلماء الهند من الهمة العظيمة فى علوم الحديث من ذلك الحين۔ مدة ركود سائر الاقاليم لوقع ذلك موقع الاعجاب الكل والشكر العميق وكم

تاریخ میں ممتاز حیثیت میں چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو علوم مختلفہ میں بہت سی تصانیف مفیدہ کے مالک ہیں جس کی وجہ سے وہ نہ فقط دیار مصر کے لئے فخر ہیں، بلکہ مفاخر اسلام سمجھے جاتے ہیں، بلکہ عام عالم کے علمی خزائن میں جو ان کی عظیم الشان یادگاریں محفوظ و مخزون ہیں۔ وہ مصر کے لئے دائمی فخر کی خبر دیتی ہیں ان کی تصانیف فنون حدیث و فقہ و تاریخ میں حد شمار سے خارج ہیں۔

اور دیار مصر میں یہ علمی خدمات کا خاص اہتمام دسویں صدی ہجری کے اوائل تک جاری رہا۔ اسی صدی کے اوائل میں جبکہ دولت برجیہ کا خاتمہ ہوا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ مصر میں یہ نشاط علمی اور علوم اسلامیہ کی مخصوص خدمت ضعیف ہوگئی، بلکہ اس میں ارکان علم متزلزل ہوگئے ۔ اور اب مصر نے یہ مبارک خدمت دوسرے ممالک کے سپرد کردی ہے جیسا کہ سنت اللہ بھی ہے کہ ایک کے بعد دوسرا نعماء الہیٰ کا وارث ہوتا ہے۔ آپ اگر دسویں ہجری کے علماء مصر کا موازنہ ساتویں آٹھویں صدی کے علماء کے ساتھ کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس صدی

لعلمائهم من شروح ممتعة وتعليقات نافعة على الاصول الستة و غيرها وكم لهم من مؤلفات واسعة فى اجاديث الاحكام وكم لهم من اياد بيضاء فى نقد الرجال وعلل الحديث و شرح الأثار و تاليف مؤلفات فى شتى المواضات والله سبحانه هو المسئول ان يديم نشاطهم فى خدمة مذاهب اهل الحق ويوفقهم لامثال امثال ماوفقوا له الى الأن - وان يبعث هذا النشاط فى سائر الاقاليم من جديد۔
ومن احسن الكتب للاقدمين فى احاديث الاحكام سوى الصحاح والسنن والمسانيد مصنف ابن ابى شيبة وكتب الطحاوى ولاسيما معانى الأثار وكتب ابن منذرو لاسيما الاشراف و شروح الجصاص والمختصر للطحاوى و مختصر الكرخى والجامع الكبير و كتب ابن عبد البر كلتمهيد و الاستذكار و كتب

میں مصر کس مصیبت عظیمہ کا شکار ہوگیا جب یہ خدمت علمی دوسرے اطراف و ممالک میں تقسیم ہوئی تو ہندوستان کو اس میراث میں سب سے بڑا حصّہ حاصل ہوا۔ علماء ہند اب کلّی طور پر خدمت حدیث میں مصروف ہوگئے حالانکہ اس سے پہلے ان کی تمام تر توجہ محض فقہ اور علوم معقولات کی طرف تھی اگر ہم اس ہمّت عالیہ اور خدمت عظیمہ کا اچھی طرح مطالعہ کریں جو اس وقت علماء ہند کو حاصل ہے تو ایک عجیب عالم حیرت نظر آنے لگے۔

اصول حدیث صحاح ستّہ وغیرہ پر ان کے کس قدر حواشی و شروح نافعہ ہیں اور احادیث احکام میں ان کی کس قدر تالیفات مفیدہ ہیں اور نقد رجال اور علل حدیث کے فنون میں ان کی کس قدر روشن خدمات ہیں اسی طرح مختلف علوم و فنون میں ان کی تصانیف مفیدہ کا احاطہ نہیں ہوسکتا ہم حق تعالٰی سے دعا کرتے ہیں کہ ان کی یہ نشاط علمی اور مذہب اہل حق کی صحیح خدمت ہمیشہ قائم رہے۔ اور ان کو ایسی ہی تصانیف کثیرہ کی مزید توفیق عطا ہو۔ اور یہ کہ حق تعالٰی پھر از سرنو تمام ممالک اسلامیہ میں یہی روح پھونک دے۔ اور احادیث احکام کے باب

الاحکام لعبد الحق والوهم
والایهام لابی الحسن بن القمطان
وکتب البیهقی والنووی و کتب
ابن دقیق العید من الالمام
والالهام وشرح العمدة والباب
فی الجمع بین السنة والکتاب لا
بی محمد المنجی والاهتمام
بتلخیص الا لهام لقطب الدین
الجلبی و قد اصلح ماغلط فیه
ابن دقیق العید من عزو الحدیث
فی الالهام الٰی غیر من مخرجه و
تحقیق ابن الجوزی و منتفی
المجد بن تیمیه و تنقیح ابن
الهاوی عبدالهادی وکتب التاریخ
کلها ومن انفعها او اوسعها
(نصب الرایه) للجمال الزیلعی
والمعتصر للجمال الملطی و
کتب ابن حجرو خصوصاً فتح
الباری والتلخیص الجبیر و کتب
البدر العینی ولا سیما عمدة
القاری و شرح معانی الآثار و
شرح الهدایة و العلامه قاسم
وخاصة تخریج احادیث

میں متقدمین کی سب سے بہتر کتاب مصنف
ابن ابی شیبہ اور امام طحاوی کی تصانیف
بالخصوص معانی الآثار اور ابن منذر کی تصانیف
بالخصوص اشراف. اور امام جصاص کی شروح
مختصر طحاوی اور مختصر کرخی اور جامع کبیر پر اور
ابن عبدالبر کی تصانیف مثل تمہید و استذکار
اور کتب احکام علامہ عبدالحق کی اور کتاب
الوہم والایہام امام ابو الحسن ابن القطان کی
اور امام بیہقی ونووی کی تصانیف اور علامہ ابن
دقیق العید کی تصانیف مثل الامام والالمام و
شرح عمدہ وغیرہ الکتاب فی الجمع بین السنۃ
والکتاب مصنفہ علامہ ابو محمد منجی کی، اور
الاہتمام بتلخیص الالمام قطب الدین حلبی کی
جس میں ان اغلاط کی اصلاح بھی کردی گئی
ہے جو علامہ ابن دقیق العید سے الامام میں
بربارہ نسبت واقع ہوئی ہیں یعنی حدیث کی
تخریج جس نے کی ہے اس کے علاوہ کسی اور
شخص کی طرف منسوب کردیا ہے اسی طرح
التحقیق لابن الجوزی اور المنتقی لابن تیمیہ اور
التنقیح لابن الہادی اور تمام کتب تاریخ، اور
ان سب میں زیادہ نافع اور مادہ حدیث کو
حاوی نصب الرایہ حافظ جمال الدین زیلعی کی
اور کتاب المعتصر جمال الدین ملطی کی اور حافظ

الاختیار الیٰ غیر ذلک ممالا یحصی من الکتب المؤلفة الیٰ اوائل القرن العاشر.

ثم یاتی دوراخواننا الهنود من اهل السنة فمأثرهم فی السنة فی القرون الاخیرة فوق کل تقدیر وشروحهم فی الاصول الستة تزخر بالتوسع فی احادیث الاحکام فدونک فتح المنهم فی شروح صحیح مسلم وبذل المجهود فی شرح سنن ابی داؤد ـ والعرف الشذی فی سنن الترمذی الیٰ غیر ذلک ممالا یحصی ففیها البیان الشافی فی مسائل الخلاف ولبعض علمائهم ایضاً مؤلفات خاصة فی احادیث الاحکام علی طراز بدیع ممتکروهو استقصاء احادیث الاحکام من مصادرها و وحشدها فی صعید واحد فی الابواب والکلام علی کل حدیث منها جرحاً وتعدیلاً وتقویة و توهینا وهاهو العلامة المحدث مولاناظهیرحسن النیموی رحمة الله علیه قد الف کتابه" آثارالسنن "

ابن حجر کی تصانیف خصوصاً فتح الباری اور تلخیص الحبیر اور علامہ بدر الدین العینی کی تصانیف بالخصوص عمدۃ القاری اور شرح معانی الآثار اور شرح ہدایہ اور علامہ قاسم کی کتابیں خاص کر تخریج احادیث اختیاراور ان کے علاوہ وہ بے شمار کتابیں جو دسویں صدی ہجری کے اوائل میں تصنیف ہوئیں۔

اس کے بعد ہمارے بھائی اہل ہند کا دور شروع ہوتا ہے ۔ خدمت سنت و علوم سنت کے باب میں آخری تین صدیوں میں ان کے آثار باقیہ اور تصانیف مقبولہ حد شمار و انداز سے باہر ہیں اور اصول ستہ (کتب صحاح حدیث) پر ان کی شروح و حواشی ان کے وسعت علم فی احادیث الاحکام کی خبر دے رہی ہیں۔ "فتح الملہم فی شرح مسلم" اور "بذل المجہود فی شرح سنن ابی داؤد" اور "العرف الشذی فی سنن الترمذی" کو دیکھئے جن میں مسائل خلاف کا بیان شافی موجود ہے ۔

اور بعض علماء ہند کی مستقل تصانیف احادیث احکام کے متعلق نہایت عجیب و بدیع طرز پر ہیں جن میں احادیث احکام کا استیعاب کیا گیا ہے اور تمام کتب حدیث کے مصادر سے انتخاب کرکے ایک جگہ منسوب کرکے جمع

فی جزئین لطیفین وجمع فیہما الاحادیث المتعلقۃ بالطہارۃ والصلٰوۃ علٰی اختلاف مذہب الفقہاء وتکلم علی کل حدیث منہا جرحاً وتعدیلاً علی طریقۃ المحدثین واجاد فیہا عمل کل الاجادۃ وکان یرید ان یجری علی طریقۃ ہٰذہ اُخر ابواب الفقہ لکن المنیۃ حالت امنیتہ رحمہ اللّٰہ وہذا الکتاب مطبوع بالہند طبعاً حجریا الا ان اہل العلم تخاطفوہ بعد طبعہ فمن الصعب الظفر بنسخۃ منہ الااذا اعید طبعہ۔

وکذالک عنی بہذا الامر العلامۃ الاوحد والبحر المفرد شیخ المشائخ فی البلاد الہندیۃ المحدث الکبیر والجہبذ الناقد البصیر مولانا حکیم الامت محمد اشرف علی التہانوی صاحب المؤلفات الکثیرۃ البالغ عددہا نحو خمسماۃ مولف مابین کبیر وصغیر فالف طال بقاؤہ کتاب (احیاء السنن) وکتاب جامع الاثار فی ہذا الباب و یغنی عن

کردیا گیا ہے اور ہر حدیث پر جرحاً و تعدیلاً اور تقویۃً و تضعیفاً کلام کیا ہے۔

علامہ محدث مولانا ظہیر احسن (شوق) نیموی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف اور بالخصوص آثار السنن پر نظر ڈالئے جو دو لطیف جلدوں میں لکھی گئی ہے جس میں کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ کی احادیث جمع کی گئی ہیں اور مذاہب فقہا کا اختلاف اور ان کے دلائل اور ہر حدیث پر جرحاً و تعدیلاً محدثانہ بہترین کلام کیا گیا ہے اور موصوف کا مقصد تھا کہ اسی طرز پر تمام ابواب فقہیہ کی احادیث جمع فرمائیں۔ مگر موت اس تمنا کے درمیان حائل ہوگئی۔ یہ کتاب ہندوستان میں پریس پر چھپ چکی ہے مگر قدردان اہل علم میں اس کے نسخے ہاتھوں ہاتھ نکل گئے اور اب اس کے نسخہ کا ملنا بھی طبع ثانی سے پہلے دشوار ہے۔

اسی طرح علامہ یکتا اور عالم بے نظیر شیخ المشائخ الہند محدث اعظم قدوۃ العلماء صاحب نقد و بصیرت حکیم الامت محمد اشرف علی تھانوی صاحب تصانیف کثیرہ جس کا (چھوٹی بڑی) تصانیف کا عدد پانچ سو تک پہنچا ہے حق تعالی آپ کی عمر دراز فرمائے۔ آپ نے بھی خدمت حدیث کا خاص اہتمام فرمایا

وصفهما ذكر اسم مؤلفها العظيم وكلاهما مطبوع بالهند الآن الظفر بهما اصبح بمكان من الصعوبة حيث نفدت نسخهما المطبوعة لكثرة الراغبين فى اقتناء مؤلفات هذا العالم الرباني وهو الأن قد ناهز التسعين اطال الله بقائه وهو بركة البلاد الهندية وله منزلة سامية عند علماء الهند حتى لقبوه حكيم الامت وهذا العالم الجليل قداشار الى تلميذه وابن اخته المتخرج فى علوم الحديث لديه الحديث الناقد والفقيه البارع مولانا ظفر احمد التهانوى زادت مأثره ان يستو فى ادلة ابواب الفقه بجمع احاديث الاحكام فى الاداب من مصادر صعبه المنازل مع الكلام على كل حديث فى ذيل كل صفحة بما تقتضى به صناعة الحديث من تقوية وتوهين واخذو ردعلى اختلاف المذاهب فاشتغل هذا العالم الغيور بهذه المهمة الشاقة نحو عشرين سنة اشتغالا لامزيد عليه حتى اتم مهمة بغاية من

اور کتاب احیاء السنن اور آثار السنن اس باب میں تصنیف فرمائیں جن کے بہترین کتاب ہونے کے لئے صرف حضرت مصنّف کا نام نامی دینا کافی ہے یہ دونوں کتابیں بھی ہندوستان میں طبع ہوئیں۔ مگر اب اس کے ایک نسخہ کا ملنا بھی سخت دشوار ہے، کیونکہ اس عالم ربانی کی تصانیف عام طور پر مقبول ہیں شائقین کی کثرت کی وجہ سے سب نسخے مطبوعہ ختم ہو گئے۔ علامہ موصوف کی عمر اس وقت تقریباً نوّے سال ہے حق تعالیٰ آپ کی عمر کو عافیت دراز فرمائے آمین۔ کیونکہ آپ کا وجود تمام دیار ہندیہ کے لئے برکت عظیمہ ہے اور علماء ہند میں آپ کی ایک خاص شان ہے اور اسی وجہ سے آپ کا لقب خواص و عوام کی زبانوں پر حکیم الامت مشہور ہے اور حضرت ممدوح نے اپنے شاگرد اور بھانجے کو جنہوں نے علوم حدیث آپ ہی سے حاصل کئے۔ ایک محدّث ناقد اور فقیہ بارع ہیں یعنی مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی زادت مآثر کو ارشاد فرمایا کہ مذہب حنفیہ کے دلائل کی تکمیل (تمام ابواب فقہیہ میں) اس طرح کردیں کہ جس قدر کتب حدیث اس وقت میسّر آئیں۔ سب سے حنفیہ کے مستدلات کو ابواب فقہیہ کی

الاجادة بتوفيق الله سبحانه فى
عشرين جزءً لطيفاً بقطع (آثار السنن)
وسمى كتابه هذا (اعلاء السنن)
وجعل له فى جزء خاص مقدمة
بديعة فى اصول الحديث نافعة
للغاية فى بابه. والحق يقال انى
دهشت من هذا الجمع وهذا
الاستقصاء ومن هذا الاستيفاء
البالغ فى الكلام على كل حديث
بما تقتضى به الصناعة متناً وسنداً
من غير ان يبدو عليه أثار التكلف
فى تائيد مذهبه بل الانصاف رائده
عند الكلام على راء اهل المذاهب
فاغتبطت به غاية الاغتباط وهكذا
تكون همة الرجال وصبر الابطال.
اطال الله بقائه فى خير و عافية،
ووفقه لتاويل امثاله من المؤلفات
النافعة وقد طبع المؤلف حفظه الله
نحو عشرة اجزاء من ذالك الكتاب
طبعاً حجريا وقد نفدت نسخ
الاجزاء الاول ـ واما طبع الباقى
فيجرى بطبع بالغ فياليت بعض
اصحاب المطابع الكبيرة بمصر
سعى فى جلب الكتاب المذكور

ترتیب پر جمع فرمادیں اور ہر حدیث پر فن
حدیث کے اصول کے موافق جرح، تعدیل
سے کلام کریں۔ چنانچہ یہ عالم اس عظیم
الشان خدمت میں تقریباً بیس سال اس طرح
مشغول رہے کہ اس سے زائد اشتغال آج کل
ممکن نہیں یہاں تک کہ اس مہم کو انتہائی
خوبیوں کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچا رہا جو
آثار السنن کی تقطیع پر بیس جلدوں میں کئی
ہے اور اس کتاب کا نام اعلاء السنن رکھا۔ اور
ایک مستقل جلد میں اس کتاب کا مقدمہ لکھا
ہے جو اصول حدیث کی ایک عجیب نادر
کتاب ہے اور سچی بات یہ ہے کہ میں ان کے
اس جمع اور استیعاب سے نیز ہر حدیث پر متناً
سنداً محدثانہ کلام سے جو فن حدیث کا
مقتضی تھا، حیرت میں پڑگیا کیونکہ اس میں جو
کلام کیا گیا ہے کسی جگہ اس میں تکلف کرکے
اپنے مذہب کی تائید نہیں کی گئی بلکہ ہر جگہ
محض انصاف کو امام بنایا گیا ہے۔ مجھے اس
خاص طرز تصنیف سے انتہائی غبطہ پیدا ہوا۔
اور مردوں کی ہمت اور بہادروں کی جانفشانی
ایسی ہی ہونی چاہیے۔

حق تعالیٰ خیر و عافیت کے ساتھ ان کی
عمر دراز فرمائے اور اسی جیسی اور تالیفات نافعہ

من مؤلفه وطبع تمام الكتاب من اوله الى آخره بالحروف الجميلة المصرية ولو فعل ذلك احدهم لخدم العلم خدمة المشكورة وملأ فراغا فى هذا الباب ومن مشاهير علماء الهند ايضا ممن يعنون باحاديث الاحكام علامة المحدث الشيخ مهدى حسن الشاه جهانفورى المفتى حفظه الله فانه شرح كتاب الاثار) لامام محمد بن الحسن الشيبانى فى مجلدين ضخيمين كثر الله سبحانه من امثال هؤلاء الرجال ـ وهذه نبذة يسيرة من مأثر هؤلاء الاخوان ـ وفى ذلك فليتنا فس المتنافسون ـ محمد زاهد الكوثرى (مصرى)

کی مزید توفیق عطا فرمائے اور مؤلف علامہ نے اس کتاب کی دس جلدیں چھپوا کر شائع فرمادی ہیں جن میں سے جلد اول کے نسخے ختم ہوگئے اور باقی جلدوں کی طباعت نہایت سست رفتار کے ساتھ جاری ہے کاش کہ بڑے مطابع والے حضرات میں سے کوئی صاحب اس کی کوشش کر لیتے کہ مؤلف مسلمہ سے اس کتاب کا ایک نسخہ منگا کر عمدہ مصری ٹائپ پر چھپوا دیتے ۔ اور اگر کوئی صاحب ایسا کریں گے تو علم حدیث کی ایک مقبول خدمت کریں گے اور اس خدمت کی ایک خالی جگہ کو پر کردیں گے ۔

نیز مشاہیر علماء ہند میں سے جوکہ احادیث احکام کی خدمت میں مشغول ہیں علامہ محدث شیخ مفتی مہدی حسن شاہجہان پوری بھی ہیں ۔ خدا تعالیٰ آپ کو محفوظ رکھے کہ انہوں نے امام محمدؒ کی کتاب الآثار کی شرح فرمائی ہے حق تعالیٰ آپ جیسے آدمی ہماری قوم میں اور زیادہ پیدا فرمائے ۔

یہ ایک مختصر یادداشت ہے علماء ہند کے مخصوص آثار و خدمات علوم کی ۔ اور رغبت کرنے والوں کو ایسی ہی چیزوں میں رغبت کرنا چاہئے ۔

قلت و کثرت کی جنگ عظیم

غزوہ موتہ میں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کا خطبہ

ملک شام کے مضافات شہر بلقا میں بیت المقدس سے تقریباً دو منزل کے فاصلہ پر ایک مقام موتہ کے نام سے موسوم ہے اہل روم اور مسلمانوں کی سب سے پہلی جنگ عہد نبوت میں اس جگہ واقع ہوئی ہے۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف تین ہزار مسلمانوں کا لشکر زیر قیادت حضرت زید بن حارثہؓ روانہ فرمایا تھا۔ یہ خدائی لشکر جب ارض معادن پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ ہرقل بادشاہ روم ایک لاکھ مسلح فوج لے کر میدان میں اترا ہے اور اس پر مزید یہ ہوا کہ قبائل لخم و جذام وغیرہ کی مجموعی طاقتیں اپنی ایک لاکھ جمعیت کے ساتھ اس کی کمک کے لئے پہنچ گئیں اب گویا تین ہزار بے سامان مسلمانوں کا مقابلہ دو لاکھ مسلح فوج کے ساتھ پڑگیا۔ اس وقت مسلمان اس فکر میں پڑے کہ کیا کرنا چاہئے بعض کی رائے ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں قاصد بھیج کر اطلاع دیں کہ یا تو ہمارے لئے ایک اور کمک بھیجی جاوے یا جو ارشاد ہو، اس پر عمل کیا جاوے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی شریک لشکر تھے۔ مسلمانوں کی سراسیمگی دیکھ کر کھڑے ہوگئے۔ اور ذیل کا مختصر خطبہ دیا۔ جس میں واضح کردیا ہے کہ اسلامی جہاد اور ملکی لڑائیوں میں آسمان زمین کا فرق ہے مسلمان کبھی کثرت اور سامان کا بھروسہ نہیں کرتے۔ ہم اس خطبہ کے اصل عربی الفاظ مع ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

یا قوم واللّٰه ان الذین تکرھون	" اے میری قوم۔ واللہ تم جس چیز
للتي خرجتم لها تطلبون الشهادة	کو اس وقت ناگوار سمجھ رہے ہو، وہی تو وہ

وما نقاتل الناس بعدة ولا قوة ولاكثرة وما نقاتلهم الا بهذا الدين الذي اكرمنا الله تعالى به فانطلقوا وانما هي احدى الحسنيين اماظهوا واما شهادة (عیون الاثر لابن سید الناس ص۱۵۴ ، ج۲)

چیز ہے جس کی طلب میں تم گھر سے نکلے تھے یعنی شہادت اور ہم تو کسی وقت بھی سازو سامان یا قوت یا کثرت کے بھروسہ پر دنیا سے نہیں لڑتے ۔ بلکہ محض اس دین کے بھروسہ لڑتے ہیں جس کے ذریعہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے (پیارے بھائیو) آگے بڑھو،دو بھلائیوں میں سے ایک نہ ایک ضرور ہے یا فتح اور یا شہادت "

اس خطبہ نے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونک دی اور بھولا ہوا سبق یاد دلادیا۔ اور یہ تین ہزار کا دستہ دو لاکھ رومی فوج پر ٹوٹ پڑا۔ اور انجام وہ ہوا جو دنیا نے دیکھ لیا۔ آج ہمارے روشن خیال حضرات کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ دین و متانت اور اتباع شریعت کو جنگ و جہاد اور سیاست و سیاسیات میں کیا دخل ہے لیکن جو حضرات اسلام میں سب سے پہلے اس میدان میں اترے اور جو اسلامی سیاست کے سب سے معلم اول تھے اور جنہوں نے مہینوں اور ہفتوں میں دنیا کا جغرافیہ بدل ڈالا اس حقیقت سے اپنے تجربہ کی بناء پر واقف تھے اور اسی کی تبلیغ فرماتے تھے۔

کاش آج بھی مسلمان بیدار ہوں اور انگریزوں اور ہندوؤں کی بیہودہ سیاست کا ہار گلے سے اتار کر خالص اسلامی سیاست پر نظر ڈالیں اور ان ماہرین سیاست کے نقش قدم پر چلیں جن کی کامیاب سیاست کا لوہا آج بھی مشرق و مغرب ، یورپ و ایشیا میں مانا ہوا ہے۔ واللہ الموفق۔

حضرت فضالہؓ کا اسلام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ

ایک دن میں اخلاقی کایا پلٹ

فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طواف میں مشغول تھے۔ فضالہ ابن عمیر ملوح اس قصد سے طواف میں داخل ہوئے کہ اچانک فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کرکے آپ کو شہید کردیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے دلی خیال کا انکشاف ہوگیا۔ جب طواف کرتے ہوئے فضالہ آپ کے قریب آئے آپ نے فرمایا کہ تمہارا نام فضالہ ہے؟ عرض کیا بے شک یا رسول اللہ! میرا ہی نام فضالہ ہے۔

آپ نے فرمایا کہ تم دل میں کیا سوچ رہے ہو۔ فضالہ نے بات ٹالنے کے لئے کہا "کچھ نہیں" میں تو ذکر اللہ میں مشغول تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کریمانہ اخلاق سے ان کے دلی راز کا افشا نہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ خدا تعالی سے استغفار کرو اور اس کے ساتھ ہی اپنا دست مبارک فضالہ کے سینے پر رکھ دیا۔ فضالہ کہتے ہیں کہ واللہ آپ نے جس وقت اپنا دست مبارک میرے سینے سے اٹھایا تو دنیا کی کوئی چیز میرے قلب میں آپ سے زیادہ محبوب نہ تھی۔

فوراً مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور وہی فضالہ جو قتلِ رسولؐ کے مجرم بننے کے لئے حرم میں داخل ہوگئے تھے، اسیر حبِ رسولؐ ہو کر واپس ہوتے ہیں۔ اور صرف اسی ایک زیارت کا وہ گہرا رنگ لے کر جاتے ہیں کہ جاہلیت و کفر کے تمام اخلاق و عادات ایک دم چھوٹ جاتے ہیں اپنے گھر واپس آئے تو یہاں ایک عورت سے ان کی شناسائی و

تعلق تھا جس کے پاس جایا کرتے تھے، وہ مل گئی، اس نے کچھ باتیں کرنا چاہیں اس وقت فضالہ (صبغۃ اللہ) کے گہرے رنگ میں رنگے جاچکے تھے اور قدیم، پرانی محبت تقاضائے نفسانی سب ایک نبیؐ کے قدموں پر نثار کر آئے تھے فوراً اس کے جواب میں اشعار پڑھے۔

قَالَتْ ھَلُمَّ اِلَي الْحَدِيْثِ فَقُلْتُ لا   يَاْبٰي عَلَيْكِ اللّٰهُ وَالْاِسْلَامُ

"محبوبہ نے کہا کہ آؤ بات چیت کریں۔ میں نے کہا ہرگز نہیں اللہ اور اسلام اس سے منع کرتا ہے"

لَوْمَا رَاَيْتِ مُحَمَّدًا وَقَبِيْلَهٗ   بِالْفَتْحِ يَوْمَ تُكَسَّرُ الْاَصْنَامُ*

"اگر تم فتح مکہ کے دن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے قبیلہ کو دیکھتیں جبکہ بت توڑے جارہے تھے۔"

لَرَاَيْتِ دِيْنَ اللّٰهِ اَضْحٰي بَيِّنًا   وَالشِّرْكُ يَغْشٰي وَجْهَهُ الْاَظْلَامُ

"تو کھلی آنکھوں سے دیکھ لیتی کہ اللہ کا دین واضح ہوگیا اور شرک و کفر کے چہرے پر تاریکی چھائی"

اللہ اللہ کیا نظر فیض اثر تھی کہ جو کام عمر بھر کی ریاضت و مجاہدہ سے حاصل نہیں ہوسکتا وہ ایک نظر میں ہوگیا۔

دل میں سماگئی ہیں قیامت کی شوخیاں   دو چار دن رہے تھے کسی کی نگاہ میں

دربار نبوّت کی حاضری کا ایک عجیب واقعہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ بعد الوفات

یہ واقعہ جو نقل کیا جاتا ہے کوئی خواب یا افسانہ نہیں، صحیح اور سچا واقعہ ہے جو محمد ثانہ اسناد صحیح کے ساتھ نقل کیا گیا ہے نویں صدی ہجری کے مشہور و معروف علامہ

* عیون الاثر ابن سید الناس، ص ۱۸۰، جلد ۲۔

عبدالعزیز مکیؒ اپنے رسالہ (فیض الجود علی حدیث شیّبتنی ہود) میں عارف باللہ سیدی عبداللہ ابن سعد یافعی کی کتاب نشر المحاسن کے حوالے سے نقل کرتے ہیں اور حضرت یافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مجھے صحیح اسناد کے ساتھ پہنچا ہے اور اس زمانہ میں بہت زیادہ مشہور ہوا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ عارف باللہ شیخ ابن الرغب یمنی رحمۃ اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت تھی کہ ہمیشہ اپنے وطن سے سفر کرکے اول حج ادا کرتے اور پھر زیارت روضہ رسول اللہ صلعم کے لئے حاضر ہوتے تھے۔ حاضری دربار کے وقت والہانہ اشعار قصیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے صاحبین حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی شان میں لکھ کر روضہ اقدس کے سامنے پڑھا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حسبِ عادت وہ قصیدہ پڑھ کر فارغ ہوئے تو ایک رافضی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ آج میری دعوت قبول کیجیئے حضرت شیخ نے از روئے تواضع اور اتباع سنت دعوت قبول فرمائی۔ آپ کو اس کا حال معلوم نہ تھا کہ یہ رافضی ہے اور صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی مدح کرنے سے ناراض ہے، آپ حسب وعدہ اس کے مکان پر تشریف لے گئے مکان میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنے دو حبشی غلاموں کو اشارہ کیا جن کو پہلے سمجھا رکھا تھا، وہ دونوں اس ولی اللہ کو لپٹ گئے اور آپ کی زبانِ مبارک کاٹ ڈالی اس کے بعد اس کمبخت رافضی نے کہا کہ جاؤ یہ زبان ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کے پاس لے جاؤ جن کی تم مدح کیا کرتے ہو وہ اس کو جوڑ دیں گے۔

شیخ موصوف کٹی ہوئی زبان ہاتھ میں لئے ہوئے روضہ اقدس کی طرف دوڑے اور وجہ مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا واقعہ ذکر کیا اور روئے۔ جب رات ہوئی تو خواب میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور آپؐ کے ساتھ آپؐ کے صاحبین حضرت صدیق اکبرؓ و فاروقؓ بھی اس واقعہ کی وجہ سے غمگین صورت میں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شیخ کے ہاتھ میں سے یہ کٹی ہوئی

زبان اپنے دست مبارک میں لی اور شیخ کو قریب کر کے زبان ان کے منہ میں اپنی جگہ پر رکھ دی۔

یہ خواب دیکھ کر شیخ بیدار ہوئے تو دیکھتے ہیں کہ زبان بالکل صحیح و سالم اپنی جگہ پر لگی ہوئی ہے دربار نبوت کا یہ کھلا ہو معجزہ دیکھ کر اپنے وطن واپس آگئے۔

سال آئندہ پھر حج کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور حسب عادت قصیدہ مدحیہ روضہ اقدس کے سامنے پڑھ کر فارغ ہوئے تو پھر ایک شخص نے دعوت کے لئے درخواست کی۔ شیخ نے پھر توکلاً علی اللہ قبول فرمائی اور اس کے ساتھ مکان میں داخل ہوئے تو وہی پہلے دیکھا ہوا مکان معلوم ہوا۔ خداوند تعالیٰ کے بھروسہ پر داخل ہوئے۔ اس شخص نے نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ بٹھایا اور پُر تکلف کھانے کھلائے۔ کھانے کے بعد یہ شخص شیخ کو ایک کوٹھڑی میں لے گیا وہاں دیکھا کہ ایک بندر بیٹھا ہوا ہے۔ اس شخص نے شیخ سے کہا کہ آپ جانتے ہیں یہ بندر کون ہے فرمایا نہیں۔ اس شخص نے عرض کیا کہ یہ وہی شخص ہے جس نے آپ کی زبان قطع کی تھی۔ حق تعالیٰ نے اس کو بندر کی صورت میں مسخ کر دیا ہے یہ میرا باپ ہے اور میں اس کا بیٹا ہوں۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات باہرہ کے سامنے یہ کوئی بڑی چیز نہیں، لیکن اس سے یہ امر اور ثابت ہوا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرح روضہ اقدس میں زندہ تشریف فرما ہیں اسی طرح آپ کے معجزات کا سلسلہ بھی جاری ہے اس قسم کے واقعات ایک دو نہیں، سینکڑوں کی تعداد میں امت کے ہر طبقہ کو پیش آتے رہتے ہیں۔

ایک اور واقعہ عجیبہ: ابو عبداللہ الجلاء رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سال میں بہت مفلس فاقہ زدہ تھا۔ اتفاقاً مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب ہوئی۔ میں روضہ اقدس کے سامنے حاضر ہوا۔ سلام کے بعد میں نے عرض کیا کہ میں فاقہ رسیدہ ہوں اور آج آپ کا مہمان ہوں۔ یہاں سے فارغ ہو کر آیا تو رات کو سو گیا۔ خواب میں جمال

مبارک کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے مجھے روٹی عطا فرمائی۔ میں نے خواب ہی میں کھانا شروع کردیا۔ کچھ حصہ کھایا تھا کہ آنکھ کھل گئی دیکھتا ہوں کہ بچی ہوئی روٹی میرے ہاتھ میں ہے۔ (فیض الجود مذکور ص ۲۹)

دنیا میں اسلام کیوں کر پھیل رہا ہے؟

شائع شدہ در ماہنامہ "المفتی" دیوبند

بعد الحمد والصلوۃ ناواقف یا معاند مخالفین اسلام یورپین اور ہندو مورخین سیدھے سادھے عوام کو بہکایا کرتے تھے کہ اسلام جو دنیا میں اتنا پھیلا اس کی وجہ اسلام کی کوئی خوبی نہیں، بلکہ مسلمانوں کا جبر و اکراہ ہے، تلوار کے زور سے لوگوں کو مسلمان بنایا گیا ہے۔ یہ ایک ایسا بیہودہ بے سروپا راگ ہے جو دریدہ دہن مخالفین الاپتے چلے آتے ہیں۔ اگرچہ خود انہی میں سے بہت سے سنجیدہ اہل علم نے اس کی خود ہی کافی تردید بھی کردی ہے لیکن اس مسئلہ کو پوری طرح تاریخی روشنی میں واضح کرنے کے لئے علامہ زمان فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی مرحوم سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کا ایک طویل الذیل مضمون "القاسم" دیوبند کے قدیم دور میں شائع ہوا تھا۔ جو مقبول خلائق ہونے کی وجہ سے پھر مستقل بھی بنام اشاعت اسلام شائع ہوا ہے۔

اس مسئلہ کا دوسرا رخ یہ تھا کہ اسلام نے تو اپنے قبول کرنے کے لئے کبھی جبر و تشدد سے کام نہیں لیا۔ مگر متعصب و ہوا پرست غیر مسلموں نے ہمیشہ اسلام کے خلاف جبر و تشدد ہی کا حربہ استعمال کیا ہے غیر مسلموں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکنے اور مسلموں کو اسلام چھوڑنے کے لئے کیا کیا وحشت ناک اور شرم ناک ذرائع اختیار کئے ہیں وہ اب بھی تاریخ کے صفحات پر موجود ہیں۔

مسئلہ کے اس دوسرے رخ کو واضح کرنے کے لئے میرے استاد محترم شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب دامت برکاتہ ، مدرس دارالعلوم دیوبند کا ایک شاندار مضمون رسالہ " الفرقان " بریلی میں آج کل شائع ہورہا ہے وہ ہر مسلمان کے دیکھنے کے قابل ہے ، لیکن یہ دونوں رخ قدیم اسلامی تاریخ کے ہیں۔ احقر کا قصد عنوان مذکور کے ماتحت یہ ہے کہ اس مسئلہ کو قصہ زمین برسرزمین کرکے پیش کرے اور یہ دکھلائے کہ آج جبکہ اسلام اور مسلمان ہر قسم کی ظاہری شان و شوکت سے خالی، چار طرف اغیار کے پنجوں میں مقہور و مغلوب ہیں، اب وہ کون سی تلوار ہے جو غیر مسلموں پر چل رہی ہے اور جوق در جوق انہیں اسلام میں داخل کررہی ہے۔ اسی کے ساتھ مسئلہ کا دوسرا رخ بھی موجودہ تاریخ سے پیش کرنا ہے کہ غیر مسلم کس کس طرح اسلام کے خلاف جبر و تشدد کے ناپاک آلات استعمال کررہے ہیں۔

ایک ضروری درخواست: مجھے چونکہ اس سلسلہ میں وہ واقعات جمع کرنا ہیں جو آئے دن اخبارات و جرائد میں نو مسلموں کے قبول اسلام کے متعلق شائع ہوتے رہتے ہیں یا ان کے خلاف غیر مسلموں کے تشدد سے متعلق ہیں۔ اخبار بینی کی احقر کو نہ فرصت ہے نہ عادت، اس لئے ناظرین " المفتی " سے خصوصاً اور عام اخبار بین طبقہ سے عموماً گذارش ہے کہ اگر وہ اس کام میں احقر کی امداد فرمائیں کہ جس اخبار یا رسالہ میں کوئی ایسا مضمون شائع ہو تو یا اس کا وہ ورق احقر کو بھیج دیں یا کم از کم حوالہ دے کر مجھے مطلع فرمادیں تو عین کرم ہو۔ اور حالات حاضر اور واقعات موجود سے غیر مسلم دیکھ لیں کہ اسلام کس حقانیت کے جذبات کی بناء پر عالمگیر ہوتا جارہا ہے۔

میں اس سلسلہ کو بنام خدا تعالیٰ شروع کرتا ہوں اور اس کی پہلی کڑی ڈاکٹر خالد شیلڈرک نو مسلم کی تقریر کو بناتا ہوں۔ واللہ المستعان بکل حال و مکان۔

(بندہ محمد شفیع)

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

قاہرہ میں ڈاکٹر خالد شیلڈرک کا خطبہ

(انگریزی سے ترجمہ، ماخوذ از رسالہ "برہان" دہلی)

مشہور نو مسلم انگریز علامہ ڈاکٹر خالد شیلڈرک نے مصری نوجوانوں کی انجمن (جمعیۃ الشبان المسلمین قاہرہ) کے ایوان میں ایک اجتماع عظیم کے سامنے مقالہ ذیل پیش کیا ہے اس مقالہ سے یہ حقیقت بھی واضح ہوجاتی ہے کہ یورپ میں اشاعت اسلام قادیانی مبلغوں کی نام نہاد مساعی کی رہین منت نہیں ہے، بلکہ تعلیم یافتہ یورپین اپنے ذاتی مطالعہ کی بناء پر فوج در فوج حلقہ اسلام میں داخل ہورہے ہیں۔ فسبّح بحمد ربّک۔

میں اپنے خطبہ کا افتتاح کلمہ طیبہ " لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ " سے کرنا چاہتا ہوں کہ میرے جذبات مسرت کا تقاضا یہی ہے کہ میں نے دین اسلام کافی غور و فکر کے بعد قبول کیا ہے اور آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ میں نے اس دین کی تعلیمات اولاً اس کے موافقین کی کتابوں سے نہیں، بلکہ اس کے مخالفین کی کتابوں سے حاصل کی ہیں۔

میں برطانوی ماں باپ کے گھر پیدا ہوا۔ جو "پروٹسٹنٹ چرچ" سے وابستہ تھے اور میرے والد کی آرزو تھی کہ وہ مجھے اس چرچ کا ایک پادری دیکھے۔ اس لئے مجھے دینی کتب کے مطالعہ اور مذہبی موضوعات پر مباحثہ میں مصروف دیکھ کر اسے مسرت ہوتی تھی۔

مجھے یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان اگرچہ بظاہر عیسائیت کا پیرو ہے لیکن نوے فیصد انگریز عیسایت کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ اور میں بلند آہنگی کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ میں خود اپنی زندگی میں ایک دن بھی عیسائیت کے مزعومہ اصول کا قائل نہ ہوسکا۔ آپ جانتے ہیں کہ عیسائیت کی بنیاد اس عقیدہ پر قائم ہے کہ خدا کی ذات واحد تین شخصیتوں کا مجموعہ ہے۔ اور یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جسے قبول کرنے سے

عقل انکار کرتی ہے بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ باپ اور بیٹا ہر زمانہ میں ساتھ ساتھ موجود ہوں، جس کسی زمانہ میں باپ کا وجود فرض کیا جائے بیٹے کا وجود بھی اس کے ساتھ لازم ہو یہ ایک ناقابل فہم عقیدہ ہے جسے کوئی ذی ہوش تسلیم نہیں کرسکتا بایں ہمہ عیسائی عقیدہ تثلیث پر اڑے ہوئے ہیں، خواہ اسے سمجھتے نہ ہوں۔

آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ عیسائی ۲۵ دسمبر کو مسیح علیہ السلام کا یوم ولادت مناتے ہیں حالانکہ اس خیال کی تائید میں وہ کسی مسیح کی ہم عصر یا قریب العصر شخصیت کی سند پیش نہیں کرسکتے۔ دراصل یہ ایک پوپ کے دماغ کی اختراع ہے جس کی کوئی تاریخی اصلیت نہیں، بلکہ اصول حساب کی شہادت اس کے خلاف ہے۔ بات یہ ہے کہ ۲۵ دسمبر قدیم بت پرستوں کا ایک مقدس دن تھا۔ یہ لوگ سورج دیوتا کے پجاری تھے۔ چنانچہ جب ان کا دیوتا سورج جسے یہ مصدر وجود اور چشمہ حیات سمجھتے تھے زمانہ انقلاب سرمائی کو ختم کرلیتا تو اس سے اگلے دن یہ عید مناتے تھے اور اسے اپنے دیوتا کا یوم ولادت مانتے تھے اسی عقیدہ ولادت شمس کو عیسائیوں نے عقیدہ ولادت مسیح میں تبدیل کرلیا اور بت پرستوں کے قدیم دستور کے مطابق ۲۵ دسمبر کو عید قرار دیا۔ حالانکہ ان کے پاس کوئی علمی یا تاریخی سند نہیں جس سے وہ اس تاریخ کو یوم ولادت مسیح ثابت کرسکیں۔ اسی طرح قدیم بت پرست اعتدال ربیعی سے اگلے دن بھی عید مناتے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ آج ان کے خدا سورج دیوتا نے اس تاریکی پر فتح پائی ہے جو اس کے راستہ میں حائل ہوگئی تھی اور اب اس کی طاقت اور روشنی میں اضافہ ہوگیا ہے چنانچہ پرانے بت پرستوں کی پیروی میں جس طرح عیسائیوں نے یوم ولادت مسیح میں تبدیل کرکے عید مانا تھا اسی طرح انہوں نے یوم اعتدال ربیعی کو جو دراصل سورج دیوتا کے طاقت پانے کا دن تھا مسیح کے طاقت پانے کا دن قرار دے کر عید القیامہ (ایسٹر) بنالیا۔ باپ بیٹے کا مسیحی عقیدہ بھی قطعی پرانے بت پرستوں کے عقائد سے ماخوذ ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ بدھ مت کے ماننے والے بدھ کے بچپن کے زمانے کی تصویر اس

کی ماں مایا کے ساتھ جس انداز سے بناتے ہیں بعینہٖ اسی انداز کی تصویر مسیح کے زمانہ طفولیت کی، ان کی ماں مریم کے ساتھ ہم گرجا میں منقوش پاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مسیح کی وہ شخصیت جس کے عیسائی دعویدار ہیں کوئی تاریخی حیثیت نہیں رکھتی۔ اگر کوئی ناقد علمی طریقہ سے اس موضوع پر بحث کرے تو اسے اس بحث سے خالی ہاتھ واپس آنا پڑے گا۔ اس کا اندازہ آپ مسیح کی ان تصویروں ہی سے کیجیئے جو مختلف ممالک میں آپ پاتے ہیں، آسٹریا کے گرجوں میں آپ مسیح کی صورت کچھ پائیں گے اور اٹلی کے گرجوں میں کچھ، آپ غور و فکر کے بعد بھی مسیح کی ان فرضی تصویروں سے ان کی اصلی صورت کا اندازہ نہ کرسکیں گے۔

اسلام کے خلاف عیسائیت کا غلط پروپیگنڈہ: واقعہ یہ ہے کہ عیسائیوں کے مختلف طبقوں میں اصول عیسائیت اور ذات کے متعلق بنیادی اختلافات ہیں۔ عیسائیت کی انہی الجھنوں نے دوسرے مذاہب کے مطالعہ پر آمادہ کیا۔ چنانچہ مذاہب عالم کے متعلق انگلستان کی لائبریریوں میں مجھے جتنی کتابیں ملیں میں نے ان کا مطالعہ شروع کیا یہاں میں نے دنیا کے ہر مذہب کے متعلق علمی کتابیں پائیں جن سے ان مذاہب کے متعلق کافی معلومات حاصل ہوسکتیں ہیں۔ مگر جو کتابیں اسلام کے متعلق دیکھیں ان میں بجز طعن و تشنیع کے کچھ نہ تھا۔ ان کتابوں کا نچوڑ یہی تھا کہ اسلام کوئی مستقل مذہب نہیں ہے، بلکہ وہ محض عیسائی لٹریچر سے ماخوذ چند اقوال کا مجموعہ ہے۔

قدرۃً میرے دل میں خیال پیدا ہوا اگر واقعی اسلام ایسا بے حقیقت مذہب ہے جیسا کہ یہ ظاہر کرتے ہیں تو پھر اس پر اس قدر اعتراضات، اس قدر طعن و تشنیع اور اس کے مقابلہ و مدافعت کے لئے اتنی طاقت آزمائی کی کیا ضرورت؟ میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اگر دین اسلام سے انہیں خوف نہ ہوتا اور اس کی قوت و زندگی سے مرعوب نہ ہوتے تو اس سے مقابلہ و مجادلہ اور اس توہین و تذلیل کے لیے اتنی محنت برداشت نہ کرتے۔ چنانچہ اب میں نے طے کرلیا کہ دین اسلام کی جتنی کتابیں مجھے مل

سکتی ہیں، میں ان سب کو ایک ایک کر کے دیکھوں گا۔
معترضین کے اعتراضات سے اسلام کو کوئی خطرہ نہیں۔ یہ لوگ اگرچہ معاندانہ نقطہ نظر کو پیش کرتے ہیں، مگر اس سے بھی اسلام کی طاقت و قوت کا اندازہ ہوتا ہے اور اسلام کے لئے دعوت و تبلیغ کا راستہ پیدا ہوتا ہے۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اب جبکہ مجھے ہدایت نصیب ہوگئی اور میں نے دل کے پردوں میں سے یہ آواز آتی سنی کہ میں مسلمان ہوں، تو میں نے باقاعدہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہوجانے کا ارادہ کرلیا۔ مجھے ایک صاحب نے بتایا کہ دارالخلافہ اسلام میں ایک مشہور مسجد ہے جس کا نام مسجد ایاصوفیہ ہے (اور وہ اسلام کا سینٹر ہے) تو میں نے اس مسجد کے پتہ پر اپنے حالات لکھ بھیجے۔ جب میرا خط قسطنطنیہ پہنچا تو محکمہ ڈاک نے اسے سلطان عبدالحمید کی خدمت میں روانہ کردیا سلطان المعظم کے سیکرٹری نے مجھے جواب دیا کہ آپ مشہور انگریز نو مسلم شیخ عبداللہ کوئلم بیرسٹر سے ملاقات کریں۔ آپ لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ مجھے ایسے مسلمان انگریز سے ملاقات کر کے کس قدر خوشی ہوئی ہوگی جس سے میں کھل کر اپنے دل کا راز بیان کرسکوں اور آزادی کے ساتھ اپنے عقائد و خیالات کا اظہار کرسکوں۔ اور یہ عبداللہ کوئلم وہ شخصیت ہے جس کی تنہا کوشش سے انگلستان میں پانچ سو سے زیادہ انگریز مسلمان ہوئے ہیں۔

اس دوران میں میرا ارادہ ہوا کہ اپنے قبول اسلام کی اطلاع والد کو کردوں چنانچہ میں نے اطلاع کردی۔ میں اس واقعہ کا اظہار مناسب سمجھتا ہوں کہ عیسائیت کو خیرباد کہنے سے تو میرے والد کو قطعاً رنج نہ ہوا۔ مگر افسوس! کہ میرے قبول اسلام کی خبر سے ان کے دل پر سخت چوٹ لگی اور ان کو اور ان کے خاندان کو اس سے بڑا رنج ہوا۔ ان کے اس رنج سے اگر کوئی چیز کم کرسکتی تھی تو وہ یہ خیال تھا کہ شاید میں ان کے کہنے سننے سے پھر (معاذ اللہ) اسلام کو ترک کر کے داخل مسیحیت ہوجاؤں، لیکن میں نہایت

مسرت کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہوں کہ مجھے اسلام کے دامن کو تھامے ہوئے پینتیس سال گذر گئے ہیں اور آج میں اس وقت کی بہ نسبت کہیں زیادہ اصول اسلام کا معتقد اور اس کے محاسن و فضائل کا معترف ہوں۔ جب سے میں نے اسلام قبول کیا میں اس کے احکام پر عمل کرتا ہوں میں ولی اللہ ہونے کا دعویٰ تو نہیں کرتا مگر یہ ضرور ہے کہ میں فرائض اسلامی ادا کرنے میں کسر نہیں چھوڑتا۔

مسلمانوں کو عملی نمونہ بننا چاہئے: مجھے کامل یقین ہے کہ ایک دن تمام دنیا دین اسلام کے جھنڈے کے نیچے آجائے گی مگر یہ اس امر پر موقوف ہے کہ پیروان اسلام، اسلام کا نمونہ بنیں اور اصول اسلام کو عملی طور پر دنیا کے سامنے پیش کریں۔ مختلف ممالک اسلامی کے سفر کے دوران میں نے محسوس کیا ہے کہ جن ممالک میں مسلمان اکثریت میں ہوں وہاں ان پر ضعف، پست ہمتی اور افتراق غالب ہے اور جہاں وہ اقلیت میں ہیں، وہاں وہ اصول دین کی پیروی، احکام دین پر عمل میں (جو قوت و ترقی کے اسباب ہیں) نسبتاً بڑھے ہوتے ہیں اگر دنیا کے مختلف ملکوں کے مسلمان اپنے دین کی پیروی کریں اور ان کی سیرت پر اسلام کی عظمت کے آثار نمایاں ہوں تو یہ اسلام کی ایک عملی تبلیغ ہوگی جو اقوام عالم کو اسلام کے اصولوں کا گرویدہ بنا دے گی۔

یہ ایک قدرتی بات ہے کہ جب غیر مسلم مسلمانوں کو احکام دین کے خلاف عمل کرتے دیکھتے ہیں تو وہ ان کے اعمال کے آئینہ میں اسلام کی مسخ شدہ تصویر دیکھ کر اس سے متنفر ہوجاتے ہیں، بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر انہیں یہ بتایا بھی جائے کہ جو کچھ مسلمان کر رہے ہیں، اسلام کے احکام اس سے مختلف ہیں، تب بھی وہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر احکام اسلام میں کوئی خوبی ہوتی تو سب سے پہلے متبعین اسلام ان پر عمل کرتے اور کسی صورت میں ان کی مخالفت نہ کرتے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ اگر کوئی مسلمان غیر مسلموں کی کسی تقریب میں شریک ہو اور وہاں اس کے سامنے شراب پیش کی جائے اور وہ اسے اپنی رواداری اور وسیع النظری کا اظہار کے لئے قبول کرلے تو اس کا یہ

عمل غیر مسلموں کے لئے اس امر کا ثبوت ہوگا کہ یہ مسلمان خود اپنے مذہب کی تعلیمات کی ترویج و انتشار کی صلاحیت کا منکر ہے ورنہ سب سے پہلے وہ خود ان پر عمل کرتا اور اپنے عمل سے دوسروں کے لئے بہترین نمونہ بنتا لہذا ہر مسلمان اپنے مذہب کا مبلغ بن سکتا ہے اگر وہ اس کے آداب و اخلاق اور آئین کی محافظت کرے جس طرح وہ اس کے لئے مانع بن سکتا ہے اگر وہ ان امور میں مداہنت برتے۔

قرآن کریم صرف احکام دینی ہی کا مجموعہ نہیں، بلکہ وہ انسان کی انفرادی و اجتماعی دنیوی زندگی کا بہترین رہنما ہے اور یہ حقیقت میں نے اسی وقت محسوس کرلی تھی جب میں نے اس کا مطالعہ شروع ہی کیا تھا، حالانکہ میرا مطالعہ ان تراجم کے واسطے سے تھا جن میں اس کی پاک تعلیم کو آلودہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اسلام کے سوا اور کوئی مذہب نہیں، جو ہر قسم کی عبادت کو خداوند جل و علی کے لئے مخصوص کرتا ہو، اور توحید خالص کے عقیدہ کا اعلان کرتا ہو۔ اور عیسائیت تو انسانوں کی پیشانیوں کو ان کے اپنے ہاتھوں کے تراشے ہوئے معبودوں کے سامنے گراتی ہے۔ بھلا اس کے سوا اس شرک ظاہر کا اسلام کی توحید باہر سے کیا مقابلہ جس کی دعوت سورہ اخلاص میں دی گئی ہے۔

قُلْ هوالله اَحَدٌ الله الصّمد "کہہ دو کہ اللہ ایک ہے اور وہ بے نیاز
لم یَلِدْ ولَمْ یُولَدْ ہے، نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ کسی
ولَمْ یکُنْ لہ کُفُواً اَحَدٌ نے اسے جنا، ور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے"

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ قرآن نے جس خدا کی عبادت کے لئے بندوں کی رہنمائی کی ہے وہ ہر عیب سے بری اور ہر صفت کمال سے متصف ہے جب انسانیت جہالت اور بچپن کے زمانہ سے گذر رہی تھی تو وہ ہاتھ اور قلم کے بنائے ہوئے خداؤں سے کھیلتی تھی افسوس کہ آج ۱۹۳۸ء میں بھی یہ حماقت دیکھی جارہی ہے خدا کی تخیل کے متعلق عقل انسانی کی طفلانہ لغزشوں کے تماشے آپ گرجاؤں میں دیکھ سکتے ہیں، لیکن انسانیت کے

شباب کے مناظر مسجدوں میں نظر آئیں گے جہاں نہ تصویریں ہوں گی نہ مجسمے، جو عبادت کرنے والوں کے دل غیر اللہ کی طرف پھیریں۔ حالانکہ خدا نے واحد ہی تمام کمالات کا مرکز ہے اور عبادت کا مستحق ہے۔ انسانیت کو اس رفیع مرتبہ پر پہنچانے کا سہرا ہادی اعظم نبی اکرم محمد رسول اللہ و خاتم النبیین کے سر ہے جنھوں نے بتوں کو توڑا اور جلی و خفی شرک کے آثار قدیمہ کو مٹادیا اور انسانیت کو ذلت کے مقام سے نکال کر عزت کے اس مرتبہ پر فائز کیا جو ہر طرح اس کے لائق تھا۔

اسلامی برادری کی جاذب نظر خصوصیت یہ ہے کہ آپ کرۂ زمین پر کسی ملک میں جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو چلے جائیں۔ آپ اجنبیت محسوس نہ کریں گے، بلکہ آپ کو عزیزوں کی جگہ عزیز اور بھائیوں کی جگہ بھائی ملیں گے۔ لہذا اے حلقہ بگوشان اسلام! ہمیں نہ بالشویزم کی ضرورت ہے اور نہ کمیونزم کی۔

اسلامی اخوت و مساوات: سیاسی مذاہب جن خوبیوں کے دعوے دار ہیں وہ ہمارے دین میں بدرجہ اتم موجود ہیں اور جن خرابیوں سے یہ آلودہ ہیں ان سے ہمارا دین پاک ہے یہ ایک معتدل مذہب ہے اور ایک عملی پروگرام ہے جو ہر زمانہ اور ہر ملک میں انسانی **سوسائٹی کی فوزو** فلاح کا ضامن ہے۔ اخوت اسلامی کے نام سے سب سے پہلے اسی کے ذریعہ واقفیت ہوئی۔ یہ ایک "جمعیۃ اقوام" ہے جو اغراض و اہواء سے بری ہے اور اس کے رکن جنسی وطنی اختلافات سے ناواقف ہیں۔ یہ سب اخوت کی ایسی مضبوط زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں جس کے حلقوں کو امیری و غریبی اور اس قسم کے دوسرے ناپائیدار مظاہر جدا نہیں کرسکتے۔ جب مجھے دین اسلام کے یہ اصول معلوم ہوئے تو مجھے یقین ہوگیا کہ اسلام اپنی ان خوبیوں کی بناء پر تمام سماوی و ارضی شریعتوں سے ممتاز ہے اور میں پہلے سے زیادہ اس کا گرویدہ ہوگیا۔ دین اسلام کی ایک اور خصوصیت جس نے مجھے اپنی طرف ملتفت کیا اور جس سے اس کی قدر و منزلت میرے دل میں زیادہ ہوئی وہ "تحریم شراب" ہے یہ ایک ایسی خوبی ہے جس سے دوسرے مذاہب کی کتابیں ہمیں خالی نظر

آتی ہیں، بلکہ عیسائیت میں تو ہم اس ام الخبائث کی ترغیب پاتے ہیں۔ مثلاً "سینٹ پولیس" کی اپنے شاگرد کو ہدایت کہ "وہ تھوڑی شراب اپنے معدہ کی اصلاح کے لئے پیا کرے" یا پانی سے بھرے ہوئے برتنوں کا شراب میں تبدیل ہوجانے کا واقعہ" مجھے تسلیم ہے کہ اس مذہب کے پیشوا شراب سے احتراز کرنے کی ہدایت کرتے بھی نظر آتے ہیں، لیکن ہم ان کتب مقدسہ کی ان نصوص سے بھی آنکھیں بند نہیں کرسکتے جو صراحتہً شراب پینے کی ترغیب دے رہی ہیں۔ پھر بتایئے ہم کیا مانیں اور کیا نہ مانیں؟ بعض اشخاص کی تحریر یا کتب مقدسہ کی تحریص؟

ابھی کچھ عرصہ ہوا امریکہ نے شراب کے خلاف جہاد شروع کیا تھا۔ مگر باوجود تمدن جدید کے تمام وسائل کے اسے اس معرکہ میں پسپا ہونا پڑا۔ کیا امریکہ کی اس معرکہ آرائی کا رسول اکرم مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رہنمائی سے کوئی مقابلہ کیا جاسکتا ہے کہ جوں ہی آپؐ نے شیدایان اسلام کو بتایا کہ ان کے خدا نے شراب کو حرام کردیا ہے تو بے تامل شراب کے مٹکے الٹ دیئے گئے اور برتن توڑ دیئے گئے۔ اور سڑکوں پر شراب کی ندیاں بہہ گئیں۔ یورپ اور امریکہ کے فہمیدہ انسان جن کی ہدایات و نصائح کی وجہ سے امریکہ میں کچھ عرصہ شراب کی بندش رہی۔ خواہ زبان سے اعتراف نہ کریں مگر ان کے دل یقیناً انسانی سوسائٹی کی اصلاح میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن تاثیر اور آپؐ کی رہنمائی کی کامیابی کا اقرار کررہے ہیں۔

ہمیں طب بتاتی ہے کہ خنزیر کا گوشت صحّت کے لئے مضر ہے کیونکہ اس میں ایک خاص قسم کے جراثیم پائے جاتے ہیں جن کے متعلق تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ آگ ان پر کوئی اثر نہیں کرسکتی اور ان کی مضرت کو دور نہیں کرسکتی۔ اگرچہ عیسائیوں کی کتب مقدسہ خنزیر کے گوشت کی ممانعت کرتی ہیں مگر دنیا کے ہر حصہ میں عیسائی اسے بالعموم استعمال کرتے ہیں اور اس کی طبّی مضرّت اور اپنے مذہب کی ممانعت کی پرواہ نہیں کرتے۔ برخلاف مسلمانوں کے کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق اس سے قطعاً محترز ہیں۔

اور دنیا کے کسی حصّہ میں اس کا استعمال نہیں کرتے ۔

بلاشبہ چونکہ اکثر عیسائی اس حقیقت سے واقف ہیں کہ جو انجیل ان کے ہاتھوں میں ہے وہ مسیح علیہ السلام سے بعد کی لکھی ہوئی ہے اور چونکہ انہیں ان بنیادی اختلافات کا علم ہے جو ان کی دینی کتابوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں اس لئے اس علم و وقوف نے انہیں اپنے احکامِ دین سے اعراض پر جری کردیا ہے لیکن مسلمانوں کو کامل یقین ہے کہ جو قرآن آج ان کے ہاتھوں میں ہے وہ وہی قرآن ہے جو صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تھا اس میں ایک نقطہ اور ایک شوشہ کا فرق نہیں۔

اعتقادی حقائق: حقائق مذکورہ کی معرفت کے بعد جب میں نے عام معتقدات اسلامی کا جائزہ لیا تو میں نے تمام اسلامی عقائد عقل کے عین مطابق پائے ۔ توحید خالص کا عقیدہ جو اسلام کا طغرائے امتیاز ہے صحیح ترین عقیدہ ہے جس سے انسان واقف ہوسکا ہے توحید الوہیت، توحید ربوبیت اور خالق عالم کے لئے تمام صفات کمال کے اثبات میں وہ منفرد و مکمل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دین اسلام خدا کے تمام پیغمبروں کی بھی تصدیق کرتا ہے، علیہم السلام

مسلمان ایک دوسرے کو جو سلام کرتے ہیں وہ کیا خوب ہے، اس کے معنی کیسے دل پذیر ہیں اور وہ طریقہ جس سے سلام کیا جاتا ہے کیسا دلکش ہے ! خصوصاً سر اور دل کی طرف ہاتھ سے اشارہ۔ کیونکہ جسم انسانی میں یہی دونوں اعضاء بہتر و برتر ہیں۔

بھلا اس سلام کا اٹلی کے فیسٹ سلام سے یا دنیا کی دوسری قوموں اور جماعتوں کے سلام سے کیا مقابلہ؟ بعض یورپین الزام لگاتے ہیں کہ " اسلام تلوار کے ذریعہ پھیلا ہے " یہ ایک ذلیل جھوٹ ہے اور الزام لگانے والے خود جانتے ہیں کہ یہ غلط اور غیر معقول ہے کیونکہ یہ اگر ایک طرف تاریخ کی تصریحات کے خلاف ہے تو دوسری طرف اصول اسلام کے ۔

اگر اسلام تلوار کے ذریعہ پھیلا ہوتا تو کیا ممالک اسلامیہ میں آج ان گرجاؤں، صنم خانوں اور غیر اسلامی اوضاع و اطوار کا جو اسلام کے زمانہ شباب سے اپنی اصلی حالت میں چلے

آتے ہیں وجود بھی باقی رہتا۔ اور پھر قرآن مجید کی آیات بیّنات کے سامنے ان کے ان ہفوات کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے قرآن کہتا ہے ۔

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ "دین میں کوئی جبر نہیں"

لَسْتَ عَلَیْھِمْ بِمُسَیْطِرٍ "(اے نبی) آپ ان (کافروں) پر مسلط نہیں کئے گئے"

لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ "تمہیں تمہارا دین مبارک اور مجھے میرا دین"

تلوار کی دھار سے مذہب کی تبلیغ تو خود ان کا اپنا طریقہ رہا ہے۔مذہب کے نام پر جو مظالم اسپین کے مسلمانوں پر روا رکھے گئے ان کے ذکر سے تاریخ کی کتابیں رنگین ہیں اور عیسائیوں کی پیشانیاں داغدار ۔ ان کو خود اس کا اقرار ہے کہ جب شارلمان جرمنی میں داخل ہوا تو یہ حکم دیا کہ جو سیکس عیسائیت قبول نہ کرے اسے تلوار سے اڑا دیا جائے ۔ بہرکیف اگر کوئی مذہب تلوار کے ذریعہ پھیلا ہے تو وہ اسلام نہیں بلکہ کوئی اور مذہب ہے۔

برادرانِ اسلام! وقت زیادہ ہوگیا ہے ۔ میں اس موضوع پر آپ سے جو کچھ کہنا چاہتا تھا وہ سب نہ کہہ سکا۔ میں دوبارہ آپ کے سامنے یہ اعلان کرتا ہوں کہ جس قدر اسلام کے متعلق میری معلومات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے میرے دل میں اس کا احترام و ایقان زیادہ ہوتا جاتا ہے۔مجھے یہ دعویٰ نہیں کہ میں نے مکمل مذہبی معلومات حاصل کرلی ہیں لیکن بقدر ضرورت میں ان سے ضرور بہرہ مند ہوچکا ہوں۔ مجاہد اعظم سیف اللہ خالد بن ولیدؓ نے فتوحاتِ اسلامیہ میں جو شریفانہ ، بہادرانہ اور رحیمانہ طرز عمل اختیار کیا اور اس سے دینِ اسلام کی جو دن دونی رات چوگنی ترقی ہوئی چونکہ میرے دل میں اس کی بڑی قدر ہے اس لئے میں نے اس مجاہد کے نام پر اپنا نام رکھنا پسند کیا ہے ۔

نوجوانانِ اسلام! قبل اس کے کہ میں اس ممبر سے اتروں آپ کو یہ بتادینا چاہتا ہوں کہ آپ پر اسلام کی طرف سے بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اس کو آپ کی جانفروشی اور سخت کوشی کی ضرورت ہے ۔ ہم خادمانِ اسلام اب بوڑھے ہوگئے ہیں ۔

آپ لوگ اسلام کی ترقی و ترویج کے لئے بہت کچھ کرسکتے ہیں لہٰذا اپنی امکانی کوشش میں کسر نہ چھوڑیئے تاکہ اس انجمن کے اغراض کی تکمیل ہو۔ اور اسلام اور مسلمانوں کی خدمت جو اس کے مقاصد ہیں ان کی تحصیل ہو۔ آپ انجمن کے عہدیداروں کے بھروسہ پر نہ رہیئے انہیں بہت سے دفتری کام ہیں اصل اور ٹھوس کام آپ کو کرنا ہے اگر آپ مل جل کر اسے انجام دینے کے لئے تیار ہوں تاکہ یہ شاندار ادارہ ترقی کی انتہاء کو پہنچ جائے۔ اس وقت میں نے آپ سے اس طرح گفتگو کی ہے جس طرح ایک دوست اپنے دوستوں سے کرتا ہے مجھے معلوم ہے کہ ایک مقرر کو اپنے مخصوص حدود میں وہ تقریر کرنی چاہئے۔ مگر دوستانہ گفتگو اس پابندی سے آزاد ہے بھائی اپنے بھائیوں سے جو چاہے کہہ سکتا ہے۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری ان باتوں کو توجہ سے سُنا اور مترجم حضرات کا بھی جنہوں نے ترجمانی کی زحمت گوارا کی۔ کیونکہ مجھے افسوس ہے کہ میں عربی زبان میں آپ کو مخاطب کرنے سے معذور تھا۔

خلود الکفّار فی النّار جزاء علی الاصرار

ازافاداتِ مبارکہ سیّدی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم

بقلم مولانا محمد طیّب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند (منقول از النور)

سوال: حافظ ابن قیم نے رسالہ شفاء العلیل و حادی الارواح میں جمہور کے خلاف فناء نار کا دعوی کیا ہے جس سے کفّار کے لئے خلود نار کی نفی ہوتی ہے جو صراحۃً نصوص قطعیہ کے خلاف ہے اور مسئلہ چونکہ ضروریات دین سے ہے اس لئے ان نصوص میں تاویل کی بھی گنجائش نہیں۔ حافظ ممدوح نے اس دعوی میں گو بعض روایات حدیث

سے بھی تمسک کیا ہے لیکن روایات مذکورہ عموماً ضعاف اور مجروح ہیں جو نصوص قطعیہ
اور ان کی واضح دلالت کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتیں یا موؤل ہوں گی اس لئے ان کے
جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے ۔ البتہ جو چیز خلود نار کے بارہ میں کچھ تذبذب پیدا
کر سکتی ہے وہ ان کا ایک عقلی استدلال ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عقوبت اور سزا کی
غایت انزجار ہوتی ہے تاکہ سزا بھگت کر خاطی ڈر جائے اور آئندہ کے لئے تائب ہو کر
اس معصیّت سے رُک جانے کا ہمیشہ کے لئے عزم کرلے ۔ ظاہر ہے کہ جب اہل جہنم کو
جہنم میں ڈال دیا جائے گا تو ایسے شدید عذاب سے بڑھ کر تخویف اور مجرم کے لئے انزجار
کا موجب اور کیا ہوسکتا ہے اور پھر اس تعذیب سے بڑھ کر توبہ کا باعث بھی اور کون
سی سزا ہوسکتی ہے چنانچہ مجرمین فوراً توبہ پر آجائیں گے اور آئندہ کے لئے پختگی کے
ساتھ کفر سے باز رہنے کا وعدہ کریں گے جیسا کہ نصوص کریمہ میں واضح ہے ۔

قولہ تعالٰی ربنا اخرجنا منها فان عدنا فانا ظالمون۔ قولہ تعالٰی وھم
یصطرخون فیھاربنا اخرجنا منها نعمل صالحاً غیرالذي کنا نعمل۔ قولہ
تعالٰي ولو تري اذ المجرمون ناکسوا رؤسھم عند ربھم ربنا ابصرنا و
سمعنا فارجعنا نعمل صالحاً انا موقنون۔

پس چونکہ عقوبت کی غایت پوری ہوگئی اور مجرمین نے توبہ بھی کرلی اور آئندہ
احتراز کا وعدہ جازمہ بھی کرلیا تو اب عقلاً کوئی وجہ باقی نہیں رہتی کہ پھر بھی اس تعذیب
اور عذاب کو باقی رکھا جائے اس لئے فناء نار ہوجانا اور خلود نہ رہنا معقول ہوا۔ حافظ ابن
قیّم نے اس اشکال سے مرعوب ہو کر جمہور کا مسلک چھوڑا۔ اور یہ فناء کا مسلک اختیار کیا
ہے ۔ اس کا کیا جواب ہے ۔

الجواب: بحالتِ عذاب یا بحالت خوف عذاب مجرمین کے وعدے دو طرح پر
ہوتے ہیں ایک حقیقی وعدہ جو دل سے ہوتا ہے اور جس میں واقعی عزم احتراز عن المعصیۃ
کا ہوتا ہے اور ایک دفعۃ الوقتی یعنی دل میں حقیقی عزم احتراز نہ ہو صرف مصیبت سے

رہائی پانے کے لئے جھوٹا وعدہ کیا جائے اس مصلحت سے کہ اس وقت تو جان بچالینی چاہئے۔ آئندہ دیکھا جائے گا۔ کفار معذبین کے یہ وعدے اسی دوسری قسم کے ہوں گے جو محض کذب اور دفع الوقتی ہوں گے ۔ چنانچہ خود قرآن کریم ہی میں ان کی اس دفع الوقتی اور کذب بیانی کی تصریح صاف الفاظ میں موجود ہے ارشاد ہے : ولو تري اذ وقفوا علي النار فقالوا يليتنا نرد ولانكذب بآيات ربنا و نكون من المؤمنين۔ بل بدالهم ماكانوا يخفون من قبل ولو ردوا لعادوا لمانهوا عنه وانهم لكاذبون۔

اگر سوال کیا جاوے کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ اس وقت عزم احتراز عن المعصیۃ نہ ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ انهم لکاذبون اس کی دلیل ہے کیونکہ اپنے فعل اختیاری مستقبل کے وعدہ کے صادق یا کاذب ہونے کا مدار بھی عزم وعدم عزم ہے ۔ اور اگر سوال کیا جاوے کہ معاینہ عذاب کے بعد وقوع کفر في الدنيا کیسے ممکن ہے ۔ جواب یہ ہے کہ کفر اعتقاد خلاف حق ہی میں منحصر نہیں جحود بھی کفر ہے بلکہ اعتقاد خلاف حق سے بھی اشد کفر جحود ہے اور اس کا کفر ہونا قرآن مجید میں منصوص ہے وجحدوابهاواستيقنتها انفسهم ظلما وعلوا اور اس پر تعجب نہ کیا جاوے کہ ایسے شدید وقت میں جھوٹ کیسا۔ فساد طینت ایسی ہی چیز ہے چنانچہ اسی یوم شدید میں ان کا ایک اور جھوٹ بھی قرآن مجید میں مذکور ہے ثم لم تكن فتنتهم الا ان قالوا والله ربنا ما كنا مشركين انظر كيف كذبوا علي انفسهم، مگر فساد طینت سے وہ معذور نہ ہوں گے کیونکہ اس فساد سے قدرت و اختیار سلب نہیں ہوتا اور مدار تکلیف بھی قدرت و اختیار ہے نہ کی طینت کہ اس کا اثر صرف میلان ہے نہ کہ فعل کا صدور لازم یا اس کا ارادہ لازمہ۔ اور ظاہر ہے کہ جب یہ حقیقی توبہ اور واقعی عزم احتراز عن المعصیت نہ ہوا ، بلکہ دفع الوقتی ہوئی۔ اور اوپر سے بحالت معائنہ عذاب بھی حق تعالیٰ کو دھوکہ دینے کی معصیت کا ارتکاب ہوا تو اس عقلی استدلال کی بناء ہی منہدم ہوگئی جس پر فناء

نار کا دعویٰ مبنی تھا اور جمہور کے مسلک پر الحمد للہ کوئی اشکال نہ رہا۔ وھذا من المواهب الجليلة ماكان عند ناالي الوصول اليها جملة ، والحمدللّٰه علیٰ هٰذه النعمة وعلي سائر نعمه الجزيلة ـ كتب لنصف شوال ۱۳۵۷ھ

تقلید شخصی کا ثبوت

صحابہ کرامؓ کے تعامل سے

ازافادات سیدی حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دامت فضائلہم

مولانا موصوف کی مجالس عموماً افاداتِ علمیہ سے معمور رہتی ہیں ایک اتفاقی مجلس میں آپ نے دو عظیم الشان فائدوں کی طرف اشارہ فرمایا جن میں سے ایک اس صحبت میں ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔اس میں آپ نے تقلید شخصی کے ثبوت میں صحیح بخاری کی روایت سے صحابہ کرام کے تعامل کا ایک واقعہ بیان فرمایا جس کو احقر نے باضافہ مختصر تمہید ضبط کرلیا۔ وہو ھذا

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

کسی مسلمان کو اس میں اختلاف نہیں ہوسکتا کہ اصل حکم تمام امور میں حق تعالیٰ کا ہے اور صرف اسی کا اتباع ہر شخص پر واجب ہے۔انبیاء و رسل کے احکام جو واجب التسلیم ہیں وہ بھی صرف اسی بناء پر کہ وہ حق تعالیٰ کے احکام کے مبلغ اور خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں۔ وہ اگر اپنے اجتہاد سے بھی کوئی حکم دیتے ہیں تو اس بناء پر کہ اس کو کسی قرینہ و دلیل سے حق تعالیٰ کا حکم سمجھتے ہیں اور اسی لئے خود حق سبحانہ و تعالیٰ نے ان کے احکام کی اطاعت مخلوق پر فرض و واجب قرار دی ہے ورنہ ان الحکم الا للّٰہ (اللہ کے سوا کسی کا حکم قابلِ تسلیم نہیں) قرآن کا کھلا ہوا اعلان ہے۔

اس سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ جس طرح انبیاء و رسل کے احکام کی اطاعت کو حق تعالیٰ کے ساتھ شرک فی الحکومت والربوبیۃ نہیں کہا جاسکتا اسی طرح ائمہ اُمّت جو انبیاء علیہم السلام کے نائبین اور ان کے احکام کی حقیقت کو پوری طرح سمجھنے والے ہیں

ان کے بتلائے ہوئے احکام کا اتباع بھی کسی طرح شرک فی الرسالۃ نہیں کہا جاسکتا بلکہ ائمہ دین دراصل انبیاء علیہم السلام کے احکام کی تبلیغ کرنے والے ہیں۔ وہ جو کچھ اجتہاد سے بھی کہتے ہیں تو اس کی بھی اصل کتاب و سنّت کے ساتھ مستند ہوتی ہے تو جس طرح انبیاء علیہم السلام کی اطاعت عین حق تعالیٰ کی اطاعت ہے اسی طرح ائمہ دین کی اطاعت بھی بلاشبہ اللہ و رسول کی اطاعت ہے۔ اسی اطاعت کا نام اصطلاح فقہ میں تقلید ہے۔

آیت کریمہ فاسئلوا اھل الذکران کنتم لا تعلمون (اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو) میں قرآن کریم نے اسی اصولی مسئلہ کی تعلیم دی ہے کہ جو لوگ خود قرآن و حدیث کے غوامض کو نہیں سمجھ سکتے وہ اہل علم سے احکام الہٰیۃ دریافت کریں اور ان کی تقلید کریں۔

خلاصہ یہ ہے کہ تقلید کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ نہ جاننے والے جاننے والوں سے پوچھ پوچھ کر احکام خدا پر عمل کریں۔ اور یہ ایک ایسا مسلم الثبوت ضابطہ ہے کہ کوئی سمجھدار انسان اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ اسی وجہ سے منصف اہلِ حدیث بھی مطلقِ تقلید کے جواز بلکہ وجوب میں اختلاف نہیں کرتے اور اسی لئے اس کے عقلی اور نقلی دلائل جو عامہ کتب میں مذکور و معروف ہیں ان کے لکھنے کی ضرورت نہیں، بلکہ اختلاف اور بحث صرف اس میں ہے کہ امام معیّن کی تقلید پر پابندی کی جاوے کہ ایک امام کی تقلید کرتے ہوئے دوسرے ائمہ کے اقوال پر عمل نہ کیا جاوے جس کو اصطلاح میں تقلید شخصی کہا جاتا ہے لیکن اگر اس کی حقیقت کو سمجھ لیا جاوے تو یہ بھی کوئی مشکل بحث نہیں رہتی۔

تقلید شخصی کی حقیقت:- اصل یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی بے شمار نصوص اتباعِ ہوا (خواہش پرستی) کی حرمت و ممانعت کے لئے آئی ہیں اور اسی لئے ائمہ اربعہ اور تمام امت کا اتفاق اس پر ہے کہ اتباع ہویٰ احکامِ دینیہ میں قطعاً حرام ہے جو

شخص اپنی غرض اور خواہشات کو سامنے رکھ کر اس کی پیروی کرتا ہے اور پھر قرآن و حدیث میں اس کے دلائل ڈھونڈتا ہے وہ اپنے ارادے اور خیال کے اعتبار سے متبع ہوا ہے متبع قرآن نہیں اگرچہ قرآن میں اس کی کوئی سند اتفاقاً مل بھی جاوے۔ معاملہ علیم و خبیر کے ساتھ جو دلوں کی گہرائیوں پر مطلع اور نیتوں اور ارادوں سے واقف ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں اس پر ایک مبسوط مقالہ میں تمام امّت کا اتفاق نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جو شخص اپنی خواہشات کی پیروی کرنے کے لئے ائمہ مجتہدین کے مذاہب ڈھونڈتا ہے اور اپنی ہویٰ پر عمل کرکے اس کو کسی امام کی طرف منسوب کردیتا ہے وہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کا متبع نہیں بلکہ متبع ہوا ہے۔ اور ایسا کرنا دین کو ایک کھلونا بنانا ہے۔

ابن تیمیہؒ کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

فی وقت یقلدون من یفسده وفی وقت یقلدون من یصححه بحسب الغرض والهویٰ و مثل هذا لا یحوز باتفاق الامت (ثم قال بعد ثلاثة اسطر) ونظیر هذا ان یعتقد الرجل ثبوت شفعة الجوار اذا کان طالبالها وعدم ثبوتها اذا کان مشتریا فان هذا لایجوز بالاجماع وکذا من بنی صحة ولایت الفاسق فی

یہ لوگ ایک وقت اس امام کی تقلید کرتے ہیں جو نکاح کو فاسد قرار دیتا ہے اور دوسرے وقت میں اس امام کی جو اسکو صحیح قرار دیتا ہے اور یہ محض اپنی غرض و ہوا کی وجہ سے ہے اور ایسا کرنا باتفاقِ امت ناجائز ہے (پھر اس کے تین سطر بعد لکھا ہے) اور اسکی نظیر یہ ہے کہ کوئی آدمی جس وقت کسی حق شفعہ کا خود طالب ہو تو مذہب امام ابو حنیفہ کے موافق) شفعہ جوار کے ثبوت کا اعتقاد ظاہر کرے اور اگر خود مشتری ہو اور دوسرا شخص طالب شفعہ تو (مذہب امام شافعی کے مطابق) اسکے

حال نکاحه وبنی علی الفساد ولایته حال طلاقه لم یجز ذلک باجماع المسلمین ولو قال المستفتی المعین انالم اکن اعرف ذالک وانا الیوم التزم ذلک لان ذلک یفتح باب التلاعب بالدین ویفتح ذریعة الی ان یکون التحریم والتحلیل بحسب الاهواء۔
(از فتاوی ابن تیمیہ جلد ثانی ص ۲۴۰، و ۲۴۱)

عدم ثبوت کا معتقد بن جائے ایسے ہی وہ شخص جو بحالت قیام نکاح ولایت فاسق کی صحت کا قائل اور اس کی بناء پر منافع نکاح سے متمتع ہے مگر جب طلاقِ ثلاثہ دیدے تو حرمت مغلظہ سے بچنے کے لئے ولایت فاسق کو کالعدم اور اس کے ماتحت منعقد شدہ نکاح کو فاسد قرار دے کہ یہ باجماع مسلمین جائز نہیں۔ اگر کوئی مستفتی یہ کہے کہ پہلے مجھے اس مذہب کی خبر نہ تھی اور اب میں اس کا معتقد اور پابند ہوں تب بھی اس کا قول قابل تسلیم نہیں، کیونکہ یہ دین کو ایک کھلونا بنانے کا دروازہ کھولنا ہے اور اس کا سبب بنتا ہے کہ حرام و حلال کا مدار محض اہواء و خواہشات پر ہوجائے۔

علماء امت کی تصریحات اس بارہ میں بے شمار ہیں ہم نے ان میں سے صرف حافظ ابن تیمیہؒ کے کلام پر اس لئے اکتفا کیا کہ حضرات اہل حدیث بھی ان کی امامت و جلالت کے قائل اور بہت سے معاملات میں ان کے متبع ہیں۔

الغرض اتباعِ ہویٰ باجماعِ امت حرام ہے اور ادھر یہ بات تجربہ سے محسوس و مشاہد ہے کہ اگر عوام کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ جس مسئلہ میں چاہیں ابو حنیفہؒ کے مذہب پر عمل کریں اور جس میں چاہیں شافعیؒ کے مذہب پر۔ پھر جب چاہیں مالکیہ کا قول لے لیں اور جب چاہیں حنابلہ یا دوسرے ائمہ مجتہدین کا تو اس کا انجام لازمی طور پر وہی ہوگا

جس کو حافظ ابن تیمیہ ؒ نے باجماع مسلمین حرام و ناجائز قرار دیا ہے۔ اس شرعی مصلحت کی بناء پر عافیت اور سلامت اس میں دیکھی گئی کہ امام واحد کا اتباع تمام مسائل میں لازم قرار دیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اصل مقصود اتباعِ ہوا سے بچنا ہے اور چونکہ اس کی تدبیر اس ہوا پرستی کے زمانہ میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ عمل کرنے والوں کو آزاد نہ چھوڑا جاوے بلکہ امام واحد کی تقلید پر مجبور کیا جاوے اس لئے تقلید شخصی بوجہ ذریعہ مقصود ہونے کے واجب قرار دی گئی۔ اس حقیقت کے واضح ہوجانے کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ائمہ اربعہ کی تقلید یا کسی دوسرے امام معیّن کی تقلید کے ثبوت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ قرآن و حدیث میں ان کا نام بتلایا گیا ہو یا ان کی تعیین کو ضروری کہا گیا ہو۔ کیونکہ قرآن وسنّت مقاصدِ شرعیہ کی تصریح کرتے ہیں ان کے ذرائع کی تصریح کرنا ضروری نہیں جیسے حج کا فرض ہونا قرآن و حدیث میں منصوص ہے، مگر ریل اور جہاز یا موٹر اور اونٹ جن کے ذریعہ حج کے مقصود تک رسائی ہوتی ہے ان میں سوار ہونے کی ضرورت کی تصریح یا جہاز کے نام کی تعیین کتاب و سنت میں ڈھونڈھنا ناواقفیت اور بے علمی کی دلیل ہے۔ اس لئے اگر کتاب و سنت میں کہیں بھی تقلید شخصی کا ثبوت تصریحاً نہ ہوتا تو صرف اتباع ہوا کی ممانعت تقلید شخصی کے لئے کافی تھی۔

لیکن حضرات صحابہ کے تعامل سے ثابت ہوتا ہے کہ قرنِ اول میں بھی اس کے نظائر موجود ہیں۔ عام حضرات صحابہ علماء صحابہ کی تقلید کرتے تھے۔ پھر ان میں بھی بعض تو مطلقاً بلا تعیین کے کبھی کسی عالم کی اور کبھی کسی دوسرے بزرگ کی تقلید کرکے عمل کرتے تھے کیونکہ وہ حضرات اتباع ہوا کے خطرہ سے محفوظ و مامون تھے۔ اور بعض اس وقت بھی تقلید شخصی پر عامل تھے جس کی ایک نظیر اس جگہ لکھی جاتی ہے اور یہی اس تحریر کا اصل مقصد ہے۔

..............٭..............

اہل مدینہ کا تعامل، زید بن ثابتؓ کی تقلیدِ شخصی

صحیح بخاری میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ان اهل المدينته سألوا ابن عباس عن امرائة طافت ثم حاضت قال لهم تنفر قالوا لا ناخذ بقولك وندع قول زيد (بخاري باب اذا حاضت المراة بعد ما افاضت) كتاب الحج۔

" اہل مدینہ نے حضرت ابن عباسؓ سے اس عورت کے بارہ میں سوال کیا جو طوافِ فرض کے بعد حائضہ ہوگئی ہو(کہ وہ طوافِ وداع کے لئے پاک ہونے تک انتظار کرے یا طواف اس سے ساقط ہوجائے گا اور اسکو چلاجانا جائز ہوگا) ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ جاسکتی ہے۔ اہل مدینہ نے کہا کہ ہم آپ کے قول پر زید بن ثابت کے قول کے خلاف عمل نہیں کریں گے۔ "

اور فتح الباری میں بحوالہ ثقفی اسی واقعہ میں اہل مدینہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں

افتيتنا اولم تفتنا زيدبن ثابت يقول لاتنفر۔

آپ فتویٰ دیں یا نہ دیں حضرت زید بن ثابت تو یہ کہتے ہیں کہ یہ عورت (بغیر طواف) واپس نہیں جاسکتی۔

نیز فتح الباری میں بحوالہ مسند ابی داؤد طیالسی بروایت قتادہؒ اسی واقعہ کے یہ الفاظ منقول ہیں۔

فقالت الانصار لا نتابعك بابن عباس وانت تخالف زيداً فقال سلوا ما جنتكم ام سليم

انصار نے کہا کہ ہم زید بن ثابت کے خلاف قول میں آپ کا اتباع نہ کریں گے ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آپ لوگ ام سلیمؓ

(فتح الباري ص ۴۶۳ ، ج ۳) سے دریافت کریں (کہ مسئلہ یہی صحیح ہے جو میں نے بتلایا)

اس واقعہ میں انصار مدینہ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی گفتگو کے الفاظ مذکورہ سے دو چیزیں بوضاحت ثابت ہوگئیں، اول تو یہ کہ انصار مدینہ حضرت زید بن ثابت کی تقلید شخصی کرتے تھے ان کے قول کے مقابل کسی کے فتوے پر عمل نہ کرتے تھے۔ دوم یہ کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی ان لوگوں پر یہ اعتراض نہیں فرمایا جو ہمارے زمانہ کے مدعیان عمل بالحدیث مقلدین پر کرتے ہیں کہ تقلید شخصی تو شرک فی الرسالۃ ہے حرام ہے ناجائز ہے بلکہ ان کو مسئلہ کی تحقیق اور حضرت زید بن ثابت کی طرف دوبارہ مراجعت کے لئے ارشاد فرمایا۔

چنانچہ فتح الباری ہی میں ہے کہ یہ حضرات مدینہ طیبہ پہنچے تو انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے ارشاد کے موافق حضرت ام سلیمؓ سے واقعہ کی تحقیق کی اور حضرت زید بن ثابت کی طرف مراجعت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے مکرر حدیث کی تحقیق فرما کر حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے قول کو قبول فرمالیا اور اپنے سابق فتوے سے رجوع کرلیا۔ (کما صرح بہ فی الفتح ص ۴۶۴، جلد ۲)

الغرض اس واقعہ سے اتنی بات پر انصار مدینہ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا اتفاق معلوم ہوا کہ جو لوگ شانِ اجتہاد اور کافی علم نہیں رکھتے، وہ کسی امام معیّن کی تقلید کو اپنے اوپر لازم کرلیں تو بلاشبہ جائز ہے۔

تنبیہ: اس واقعہ سے قرن اول اور حضرات صحابہ کے تعامل سے تقلید شخصی کا ثبوت و جواز ثابت ہوا۔ پھر قرون متاخرہ میں اس کو واجب و لازم قرار دینے کا سبب یہ ہوا کہ بغیر اس کے اتباع ہوا سے محفوظ رہنا عادۃً محال ہوگیا۔ اس کے وجوب کی بھی ایک نظیر قرنِ اول ہی میں موجود ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ رسالہ میں لکھی جاویگی۔ واللہ الموفق۔

حررہ العبد محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔ شوال المکرم ۱۳۵۸ھ

طالب علمی - علمائے سلف کے حالات و مقالات

طلب علمی کسی وقت ختم نہ ہونی چاہئے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو علم حاصل ہو، اس کو چاہئے کہ کسی وقت طلب علم کو نہ چھوڑے اور حضرت جابر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ بات تقویٰ کے معاون میں سے ہے کہ تم حاصل شدہ علم کے ساتھ اور زائد علم حاصل کرو۔ اور یہ بھی حاصل شدہ علم کا نقصان ہی ہے کہ اس میں زیادتی کم ہو اور جس چیز کا علم حاصل نہیں اس کی تحصیل میں رغبت نہ ہونا اس کی علامت ہے کہ اس نے حاصل شدہ علم سے نفع نہیں اٹھایا۔ (جامع العلم ص ۴۷)

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من جاء اجله وهو يطلب علماً ليحيي به الاسلام لم تفضله النبيون الا بدرجة (جامع العلم ص۴۷)	جس شخص کی موت اس حالت میں آئی کہ وہ اسلام کو زندہ کرنے کے لئے علم حاصل کررہا تھا تو انبیاء کرام کو بھی اس سے صرف ایک درجہ فضیلت حاصل ہوگی۔

اور حضرت ابو ہریرہ اور ابوذر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

اذا جاء الموت طالب العلم وهو على تلك الحال مات شهيداً (جامع)	"جب طالب علم کو بحالت طالب علمی موت آجاوے تو وہ شہید ہوکر مرتا ہے"

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے لوگوں نے کہا کہ آپ کب تک علم طلب کرتے رہیں گے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ موت تک۔ پھر ایک مرتبہ ان سے کسی نے یہی سوال

کیا تو فرمایا کہ وہ کلمہ جو میرے لئے نافع اور باعث نجات ہے - شاید اب تک میں نے اس کو نہ لکھا ہو- (اس لئے میں ہمیشہ طلب میں لگا رہتا ہوں)۔

طالب علمی میں فقر و فاقہ پر صبر:- حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ علم (دین) اس وقت تک کسی کو حاصل نہیں ہوتا جب تک اس کو فقر و فاقہ کا مزانہ چکھایا جائے - پھر امام حدیث ربیعہ کے فقر و افلاس کا ذکر کیا کہ طلبِ علم کی وجہ سے ان کو یہ نوبت آئی کہ گھر کی چھت فروخت کردی اور یہاں تک کہ وہ خراب کھجوریں اور موبز منقّی جو مدینہ کی کوڑیوں پر پھینک دیئے جاتے تھے اس کو کھاکر گذارا کرتے تھے۔

امام ابو یوسفؒ کی طالب علمی: ابراہیم بن جراحؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو یوسف سے خود سنا ہے فرمایا کہ ہم نے بھی طلب علم کیا اور ہمارے ساتھ اتنے لوگوں نے طلب علم کیا کہ ہم ان کو شمار نہیں کرسکتے - مگر علم سے نفع صرف اس شخص نے حاصل کیا جس کے قلب کو دودھ نے رنگ دیا تھا- مراد اس کی یہ تھی کہ طالب علمی کے وقت ابو یوسفؒ کے گھر والے ان کے لئے روٹی دودھ میں ڈال کر رکھ دیتے تھے وہی صبح کے وقت کھاکر حلقہ درس میں پہنچ جاتے تھے اور پھر واپس آکر بھی وہی کھاتے تھے کسی عمدہ کھانے پکانے کا انتظار کرنے میں وقت ضائع نہ کرتے تھے اور دوسرے لوگ حلوہ وغیرہ تیار کرنے میں مشغول ہوکر سبق کے ایک حصّہ سے محروم رہ جاتے تھے۔

امام شافعیؒ کی طالب علمی: حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس علم دین کو کوئی شخص مال و دولت اور عزت و جاہ سے حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ بلکہ اس میں صرف وہ شخص کامیاب ہوتا ہے جو تنگی عیش اور اساتذہ کے سامنے اپنے نفس کو حقیر کرنے اور علم و علماء کی عزت کرنے کو اختیار کرے - حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں بہت چھوٹی عمر میں یتیم ہوگیا تھا میری پرورش نہایت عسرت کے ساتھ میری والدہ کرتی تھیں - جب میں پڑھنے کے قابل ہوا تو میری والدہ نے مجھے مکتب میں بٹھلادیا۔

مگر ان کو اتنی استطاعت نہ تھی کہ وہ میرے استاد کی کوئی خدمت مالی کر سکتیں۔ اس لئے میں نے ان کو اس پر راضی کیا کہ جس وقت آپ کہیں جائیں یا کسی ضرورت کی وجہ سے تعلیم نہ دے سکیں تو میں خلیفہ مکتب کے طور پر آپ کا کام کیا کروں۔ اس طرح میں نے قرآن مجید ختم کیا۔

اس کے بعد میں نے علماء کے حلقہ درس میں حاضر ہونا شروع کیا۔ جو حدیث یا کوئی مسئلہ میں اساتذہ سے سنتا اس کو لکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ مگر میری والدہ کے پاس اتنے پیسے نہ تھے کہ ان سے میں کاغذ خرید سکوں۔ اس لئے میں نے یہ طریق اختیار کیا کہ کوئی صاف ہڈی نظر پڑتی تو اٹھا لیتا تھا اور اس پر لکھ لیتا۔ جب وہ سب پوری جاتی تو اس کو ایک ٹھلیہ میں ڈال کر محفوظ کر لیتا تھا ۔ اسی حال پر ایک زمانہ گذر گیا ۔ اس کے بعد اتفاقاً والی یمن تشریف لائے تو بعض قریشی بزرگوں نے ان سے میری سفارش کی کہ وہ مجھ کو اپنے ساتھ رکھیں۔ اس نے بخوشی منظور کیا۔ مگر میری والدہ کے پاس اتنی وسعت نہ تھی کہ وہ مجھے ایک جوڑا کپڑے ایسے بنادیں جو امراء کی مجلس و صحبت میں رہنے کے مناسب ہو۔ مجبور ہو کر والدہ نے اپنی چادر فروخت کی جس کی قیمت سولہ دینار وصول ہوئی۔ اس سے میرے لئے کپڑے بنائے گئے ۔

میں والی یمن کے ساتھ یمن پہنچا۔ انہوں نے مجھے ایک کام دیا۔ میں نے شکر کے ساتھ قبول کیا پھر اور کام بڑھا دیا اور بڑھاتے رہے ۔ اسی اثنا میں یمن کے کچھ لوگ مکہّ معظمہ بغرض عمرہ حاضر ہوئے انہوں نے اہل مکہّ سے میرے عمدہ عمل کی تعریف کی جس سے میری شہرت ہوگئی۔ پھر یمن سے اپنے وطن واپس آیا اور ابن ابی یحیٰی سے ملنے کے لئے گیا میں نے سلام کیا تو انہوں نے مجھے ڈانٹا اور فرمایا کہ تم لوگ ہماری صحبت میں رہتے ہو ، پھر ایسا ایسا کرتے ہو۔ یعنی امراء و حکام کے ساتھ رہنے کو گوارا کرتے ہو۔

اس کے بعد میں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ انہوں نے دوسرے انداز سے مجھے تنبیہ فرمائی۔ اخلاق و مروّت کے ساتھ پیش آنے کے

بعد فرمایا کہ آپ کا واقعہ ہمیں معلوم ہوا، مگر ہمیں یہ کچھ پسند نہ آیا۔ درحقیقت آپ نے اس فرض کو ادا نہ کیا جو علم کی وجہ سے آپ پر عائد ہوچکا ہے (یعنی علم کی نشرواشاعت) خیر اب جو کچھ ہونا تھا ہوگیا۔ آیندہ اس خدمت کی طرف عود نہ کرنا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ مجھ پر سفیان ثوریؒ کی نصیحت کا بہ بنسبت ابن ابی یحییٰ کے معاملہ کے گہرا اثر ہوا اور میں نے حکومت کی ملازمت چھوڑ دی۔

اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ میں نے امام محمد بن حسن شیبانیؒ (امام اعظم کے شاگرد) سے اس قدر علم حاصل کیا ہے کہ (اگر اس کو لکھا جاوے) تو ایک اونٹ کا بوجھ ہوجاوے۔

اور فرمایا کہ جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے تھوڑی دیر کی ذلت گوارا نہیں کرتا وہ ہمیشہ جہل کی ذلت میں گرفتار رہتا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:

واعلموا ان الناس ابناء ما یحسنون وقدرکل امرء ما یحسن فتکلموا في العلم تتبین اقدارکم	"خوب سمجھ لو کہ آدمی اس کام کی طرف منسوب ہوتا ہے جسکو وہ اچھی طرح انجام دے سکے اور ہر آدمی کی قدر و منزلت اسی کام سے ہوتی ہے جس کو وہ بخوبی جانتا ہو۔ اس لئے تم لوگ علم کو اختیار کرو اس میں گفتگو کرو تو تمہاری قدر ظاہر ہوگی۔"

علماء نے کہا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کا یہ ارشاد کہ قیمۃ کل امرء ما یحسن ایسا کلمہ ہے کہ اس کی نظیر کسی حکیم سے منقول نہیں۔ بہت سے شعراء نے اس کو نظم کیا ہے۔ خلیل ابن احمد کا شعر اسی کے متعلق یہ ہے۔

قیمة المرء کل ما یحسن المر ء قضاءً من الامام علیٍ

(ترجمہ) قیمت آدمی کی ہر وہ چیز ہے جس کو وہ اچھی طرح انجام دے سکے۔ یہ فیصلہ ہے حضرت امام علی رضی اللہ عنہ کا۔"

اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو اس کا علم کافی ہوسکتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہوسکتا تھا کہ حق تعالیٰ نے ان کو وہ علم دیا تھا کہ اسوقت اس کی نظیر نہ تھی لیکن بایں ہمہ وہ حضرت خضر علیہ السلام سے عرض کرتے ہیں۔

هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا۔ "کیا میں آپ کی صحبت میں رہوں کہ آپ مجھے اس رشد و ہدایت کی تعلیم دیں جو آپ کو اللہ کی طرف سے دی گئی ہے۔"

حکمت از حضرت علی رضی اللہ عنہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ علم عقل مند آدمی کی گمشدہ چیز ہے وہ جس جگہ اور جس کے پاس ملے اس کو حاصل کر لو اگرچہ کفار و مشرکین ہی کے ہاتھ میں ہو۔ اور کسی شخص کو اس میں ہرگز انقباض و تکلف نہ ہونا چاہئے کہ اپنے شاگرد سے کوئی علم حاصل کرے۔

اور حضرت عیسیٰ بن مسّیب فرماتے ہیں کہ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے سے فرمایا کہ جب تم کوئی حدیث سنو تو اسی وقت اس کو کسی سے بیان کرو۔ اگرچہ وہ شخص اس کے سننے کا مشتاق بھی نہ ہو، کیونکہ اگر تم نے ایسا کرلیا تو یہ حدیث تمہارے حافظہ میں پتھر کی لکیر ہوجائے گی۔

جالینوس: رئیس الاطباء والحکماء جالینوس سے کسی نے پوچھا کہ تم فن طب میں اپنے تمام ہمعصروں میں کس وجہ سے ممتاز ہو؟

اس نے کہا، اس لئے کہ میں نے کتب بینی کے لئے چراغ کے تیل پر اس سے زیادہ خرچ کیا ہے جتنا انھوں نے شراب پینے میں اڑایا اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ مقولہ افلاطون کا ہے۔

(۱) حضرت لیث بن سلیم فرماتے ہیں کہ مجھے امام حدیث طاؤسؒ نے فرمایا کہ تم جو کچھ علم حاصل کرو اپنے نفس کے لئے کرو۔ کیونکہ لوگوں میں سے امانت اور حیا جاتی رہی۔

(۲) ایک عورت نے امام حدیث شعبی رحمہ اللہ سے کسی مسئلہ کے متعلق کہا" اے عالم مجھے اس معاملہ میں فتویٰ دیجیئے۔ شعبی نے فرمایا کہ عالم تو وہ ہے جو اللہ سے ڈرے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے کہ اگر تم نے لوگوں سے ایسی حدیث بیان کی جس کو وہ صحیح نہیں سمجھ سکتے تو وہ حدیث ان کے لئے فتنہ ہوجاتی ہے اور یہی مضمون حضرت ہشام نے اپنے والد عروہ رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کیا ہے (جامع العلم، ص ٦٩)

(۴) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

تعلموا العلم وعلموه الناس وتعلموا له الوقار والسكينة وتواضعوا لمن تعلمتهم منه ولمن علمتموه ولا تكونوا جبابرة العلماء فلا يقوم جهلكم بعلمكم

"علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ اور علم کے لئے وقار و سکینت سیکھو اور جس سے تم نے علم حاصل کیا ہے اور جس کو علم سکھایا ہے دونوں کے لئے تواضع کرو اور متکبر علماء میں سے مت بنو تاکہ تاکہ تمہارا جہل تمہارے علم پر غالب نہ آوے۔"

(۵) حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نہایت متین اور صاحب وقار تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے دیکھا کہ طلباء علم حدیث آپ کو دیکھتے ہی مجلس کی طرف دوڑنے لگے۔ فرمایا کہ اگر یہ لوگ اپنی طلب و سعی میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ کرتے تو قدم قریب قریب رکھتے۔

(٦) مشہور ہے کہ ارحموا عالما یجری علیہ حکم جاہل۔

(ترجمہ) اس عالم پر رحم کرو جس پر کسی جاہل کا حکم چلتا ہو۔ (کیونکہ وہ بڑی مصیبت میں ہے)

(۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

ثلاثة لا يستخف بحقهم الا منافق ذوالشيبة فى الاسلام والامام المقسط ومعلّم الخير۔ (جامع العلم، ص۶۹)

"تین شخص ایسے ہیں کہ ان کی اہانت بجز منافق کے کوئی نہیں کرسکتا۔ ایک تو بوڑھا مسلمان، دوسرا امام عادل، تیسرا درست بات سکھانے والا استاذ۔

اللّٰھمّ وفقنا لما تحب و ترضى من القول والفعل والعلم والعمل والقصد والنية بجاه نبيك صلى الله عليه وآله وسلم۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ - ۷ ذیقعدہ ۱۳۵۸ھ

آلاتِ جدیدہ اور مسلمان

عنوانِ بالا احقر نے ایک مضمون "المفتی" سالِ رواں* کے ابتدائی پرچوں میں لکھا تھا، جو الحمدللہ مفید و مقبول ہوا۔ حال میں ہفتہ وار اخبار "مسلم" دہلی میں ایک مضمون زیر عنوان دنیائے ایجادات میں اسلاف کے علمی و عملی کارنامے شائع ہوا ہے جو نہایت مفید ہے اسی لئے اس کا خلاصہ نقل کیا جاتا ہے تاکہ احقر کے سابق مضمون کے ساتھ بطور ضمیمہ سمجھا جاوے۔

عیسائی مورخین خواہ کتنی ہی غلط بیانیوں سے کام لیں مگر تاریخ اور منصف مزاج عیسائی مورخین کی شہادتوں کو ہرگز جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مصر کا مشہور جرجی زیدان جو ہمیشہ مسلمانوں کے بڑے سے بڑے کارنامے کو اس انداز سے بیان کیا کرتا ہے جس سے اس کا وزن کمزور پڑجائے اور اس کی واقعیت اور اہمیت میں کمی واقع ہو یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ جرجی زیدان لکھتا ہے۔

"اس میں شبہ نہیں کہ مسلمان ہی فنِ کیمیا (جدید سائنس) کے موجد ہیں (ملاحظہ ہو تمدن عرب)

جرجی زیدان کے علاوہ اور بیشمار مورخین اور مصنفین نے مسلمانوں کو جدید علوم و

فنون کا موجد تسلیم کیا ہے خود جرجی زیدان نے مسلمانوں کے علوم و فنون کے تذکرہ میں ان ایجادات کا شمار کرایا ہے جن پر جدید سائنس کا دارومدار ہے۔ ٹیلی گرام، ٹیلی فون، وائر لیس، توپ، بارود، ہوائی جہاز، تیزاب، صابون وغیرہ جن کو لوگ جہالت اور کم علمی کے باعث یورپ کی ایجاد بتلاتے ہیں، یہ چیزیں مسلموں ہی کی بنائی ہوئی ہیں اور ان چیزوں کی ایجاد کا سہرا مسلمانوں کے سر ہے۔

مسلمان جب ممالک عالم فتح کرتے کرتے آگے بڑھتے گئے تو ان کو یونانیوں کا وہ ذخیرہ بھی ہاتھ لگا تھا جو کیمیا سے متعلق تھا۔ یونانیوں کا خیال تھا کہ سونا اور چاندی پارہ گندھک وغیرہ مخصوص طریقہ پر آمیزش سے بنا ہے شروع شروع میں مسلمانوں نے جب اس عجیب و غریب نظریہ کو معلوم کیا تو اس کی تحقیق اور عملی درجہ میں پایہ تکمیل کو پہنچانے کی سعی شروع کردی۔ مختلف قسم کے تجربات اور شواہد عمل میں لائے مگر یونانیوں کا یہ نظریہ، نظریہ کی حیثیت سے آگے عملی درجہ میں صحیح ثابت نہ ہوسکا۔

اس سلسلہ میں مسلمانوں نے جو تجربات کئے وہ ان کی قدیمی تصنیفات میں ملتے ہیں جو بدقسمتی سے یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

علم کیمیا کی تاریخ تو بہت طویل ہے مگر بہ نظر اختصار اتنا عرض ہے کہ امام جعفر، معاویہ بن یزید بن معاویہ، جابر خالد اور حکیم رازی اس فن کے خاص امام شمار کئے جاتے ہیں۔ علم کیمیا میں جابر بن حیان کو یورپ والوں نے استاد تسلیم کیا ہے اور بیشتر علم کیمیا کے بنیادی اصول ان ہی حضرات کے تجربات اور شواہد ہیں۔ جابر بن حیان نے اس فن پر بہت سے رسالے لکھے جو اب بھی کہیں کہیں جستجو کرنے پر مل جاتے ہیں۔

فرانس کا مشہور مورخ ڈاکٹر لیبان نے اپنی کتاب تمدن عرب میں جابر بن حیان کا زمانہ آٹھویں صدی عیسوی بتلاتا ہے۔

مسلمانوں نے جب اس علم کی طرف توجہ کی تو اس کو درجہ عروج پر پہنچا کر ایک ترقی یافتہ فن بنا دیا۔ ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں۔

" علم کیمیا میں عربوں نے یونانیوں سے جو کچھ پایا تھا وہ بہت ہی کم تھا وہ بڑے بڑے مرکبات جن سے یونانی بالکل ناواقف تھے ۔ عربوں نے ہی ایجاد کئے ۔ (تمدّن عرب ص ۴۲۵)

جابرؔ بن حیان کے متعلق لکھتے ہیں۔ " جابر کی تصنیفات میں بہت سے ایسے مرکبات کا ذکر ہے جو اس سے قبل معلوم نہ تھے ۔ اس کی تصنیفات میں سب سے پہلے کیمیائی عملیات مثلاً کسی، تصعید، قلم بندی پانی میں حل کرنے اور گلانے کا بیان ہے ۔ "

ان حوالہ جات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے علم کیمیا میں شب و روز کی جدوجہد سے نئی نئی معلومات حاصل کیں اور اس فن کو کہیں سے کہیں تک پہنچا دیا اگرچہ شروع شروع میں مسلمانوں نے اس فن کی طرف توجہ اس نیت سے کی تھی کہ وہ سونا چاندی بنانے میں کامیاب ہوجائیں۔ گو ان کو اس مقصد میں کامیابی نہ ہوئی، مگر ہر چیز کی تحلیل و ترکیب کے نئے اصول و قواعد ضرور معلوم ہوگئے ۔

ڈاکٹر لیبان نے اپنی کتاب میں مسلمانوں کی اس جدوجہد کو سراہا ہے جو انہوں نے اس فن کو ترقی دینے کے سلسلہ میں کی تھی۔ ڈاکٹر لیبان اگرچہ یورپین مورخ ہیں مگر ان میں تعصب و ہٹ دھرمی نہیں۔ اس لئے ہر انصاف کی بات کو وہ لکھنے سے گریز نہیں کرتے ۔

ڈاکٹر صاحب نے کیمیاوی تحقیقات کے ذیل میں ان یورپین مورخین کی غلط بیانی کی پُر زور تردید کی ہے جو انہوں نے مسلمانوں کے عظیم الشان کارناموں کو خفیف ترین ثابت کرنے کے لئے غلط کوشش کی ہے ۔ مثلاً عام طور پر یورپین کیمسٹری کی تاریخ اور ایجادات کے سلسلہ میں بارود کا موجد "راجر بیکن" کو بتلایا ہے ۔ ڈاکٹر موصوف نے اس تحقیق کی تغلیط کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ راجر بیکن بارود کا موجد نہیں، بلکہ مجدّد تھا۔ راجر بیکن کو عربوں کا بارود کا پرانا نسخہ ہاتھ لگ گیا تھا اور اسی نسخہ کی راجر بیکن نے تجدید کی تھی۔ ڈاکٹر موصوف بارود کے تذکرہ کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ

" رینو اور فادے کی تحقیقات اور اس سے پہلے کا کیسری، آندرے اور بارود وغیرہ کی تحقیقات نے ثابت کردیا ہے کہ بارود عربوں ہی کی ایجاد ہے انہوں نے توپ اور بندوق ایجاد کی"

آگے چل کر ڈاکٹر موصوف نے یہ بھی بتلایا ہے کہ یورپ والوں نے بارود کو کیا اور کہاں سے ہاتھ لگی اور پہلی مرتبہ کب انہوں نے بارود استعمال کی۔ آگے لکھتے ہیں کہ

"توپ سب سے پہلے ۱۳۴۶ء میں کریسی کی لڑائی میں یورپ والوں نے استعمال کی لیکن عربوں کی تصنیفات سے پتہ چلتا ہے کہ توپ اس سے بہت پہلے استعمال ہوچکی تھی۔"

آگے ابن خلدون کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔ "کہ ابو یوسف سلطان مراکش نے ۱۲۷۳ء میں بخلماسہ کا محاصرہ کیا اس نے آلات محاصرہ کو شہر کے سامنے لگایا۔ ان میں عرادے اور نفط کے ہندام تھے جن سے لوہے کے ریزے برسائے جاتے تھے یہ ریزے ہندام کے صندوق میں بھرے جاتے تھے اور ان کے پیچھے بارود ہوتی تھی جس میں آگ لگا دی جاتی تھی۔ اس محاصرہ کے وقت انگریز کونٹ ڈربی اور سالبسری وہاں موجود تھے ۔ انہوں نے بارود کے اس نئے استعمال کو دیکھا اور اس ایجاد کو اپنے ملک میں لے گئے اور چار سال بعد کریسی کی لڑائی میں توپ کا استعمال کیا۔"

اس سلسلہ میں یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ عربوں کی قدیمی تصنیفات میں بارود کے نسخہ کے اجزاء کا جو وزن درج ہے وہ کم و بیش اسی طرح یورپ میں آج کل بھی زیر استعمال ہے۔ اوزان اور اجزاء کے تطابق سے اس نظریہ کی نہ صرف تائید بلکہ تحقیق ہوجاتی ہے کہ بارود کے موجد درحقیقت مسلمان عرب ہی تھے ۔ (انتہی)

....

علماء طلباء کے لئے زرّیں نصائح

از قطب وقت شیخ عبدالوہاب شعرانی قدس سرّہ

بعض اکابر علماء و مشائخ کی تصانیف کے مطالعہ سے ممانعت

بعض علماء و مشائخ کی تصانیف عام لوگوں کے احاطہ اوراک سے بلند ہیں اور بعض میں ایسا بھی ہوا ہے کہ دشمنوں نے غلط مضامین اور کفریہ عقائد ان میں داخل کرکے ان کی طرف منسوب کردیا ہے اس لئے ان حضرات کی کتابوں کا مطالعہ عوام کو بلکہ عام اہل علم کو بھی مناسب نہیں، جب تک تمام علوم ضروریہ میں مہارت تامّہ نہ ہو، ان کتابوں کے مطالعہ سے آفات میں مبتلا ہوجانے کا خطرہ ہے۔ امام شعرانی نے "لطائف المنن والاخلاق میں چند بزرگوں کی تصانیف کا اس سلسلہ میں ذکر کیا ہے۔

مثلاً فرمایا ہے کہ محمد بن حزم ظاہری کی تصانیف جو اصول دین اور عقائد سے متعلق ہیں ان کے مطالعہ سے کلّی اجتناب چاہئے۔ اسی طرح فرمایا کہ شیخ محی الدین ابن العربی کی تصانیف عام مدارک سے بہت زیادہ بلند ہیں اور ان کی بعض تصانیف میں خصوصاً فتوحات و نصوص وغیرہ میں ملحدین اہل باطل نے بہت سے کفریہ مضامین داخل کردیئے ہیں۔ فرمایا کہ شیخ ابو طاہر نے اپنے شیخ بدر الدین ابن جماعۃ سے نقل کیا ہے کہ شیخ محی الدین ابن العربی کی کتابوں میں جس قدر مضامین جمہور علماء کے خلاف پائے جاتے ہیں وہ سب ملحدین کے اضافہ کئے ہیں اور شیخ مجد الدین صاحب قاموس بھی یہی فرماتے ہیں۔ اور فرمایا کہ شیخ شمس الدین مدنی میرے پاس فتوحات کا ایک نسخہ قلمی لائے جس کا مقابلہ اس نسخہ سے کیا ہوا تھا جو خود حضرت شیخ کے قلم کا لکھا ہوا تھا۔ میں نے اس میں

تلاش کیا تھا تو اس میں غلط مضامین کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔

اسی طرح امام عمر بن محمد اشبیلی اشعری نے اپنی کتاب "لحن العوام" * میں فرمایا ہے کہ امام غزالی کی کتاب احیاء العلوم کے بعض مواضع ایسے ہیں کہ جو شخص تمام علوم میں ماہر اور ذوق سلیم نہ رکھتا ہو، اس کے لئے ان کا مطالعہ سخت مضر ہے۔ اسی طرح امام غزالی کا رسالہ کتاب النفخ والتسوہ میں بہت سے غلط مضامین درج کردیئے گئے ہیں۔

اسی طرح فرمایا کہ شیخ ابو طالب مکی کی کتاب قوت القلوب کے بعض مواضع بھی ایسے ہی ہیں۔ نیز منذر بن سعید بلوطی کی کتابیں اعتزال سے بھری ہوئی ہیں اسی طرح ابن برجان کی تصانیف اور علامہ زمخشری کی تفسیر کشاف کے بہت سے مواضع اعتزال سے بھرے ہوئے ہیں۔

اور فرمایا کہ کتاب اخوان الصفا جو باون رسالوں پر مشتمل مجریطی کی تصنیف ہے اس کے مطالعہ سے بھی اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ مشہور یہ ہے کہ یہ شخص خلاف اسلام عقائد رکھنے والا ملحدین میں سے تھا۔

نیز ابراہیم نظام اور ابن راوندی اور معمر بن مثنی کی کتابوں کا مطالعہ بھی سخت مضر ہے۔

نیز شیخ عبدالکریم جیلی کا قصیدہ عینیہ مضمومہ کا مطالعہ بھی مضر ہے (لطائف المنن ص ۲۲۹)

طالب علمی میں عمل کی کوشش: فرمایا کہ سیدی علی خواص کا ارشاد ہے کہ طلبہ کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اپنے نفس کو عمل سے فارغ رکھیں اور یہ سمجھیں کہ پہلے علم حاصل کرلیں، فارغ ہوکر عمل کی طرف متوجہ ہوں گے یہ شیطانی

---

* یعنی غلط تعلیم۔ اس کتاب میں امام موصوف نے غلطیوں پر متنبہ فرمایا ہے۔

ہمارے زمانہ میں الحمدللہ یہ کام مجدد وقت سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی دامت برکاتہم نے پورا کیا اور اس زمانہ کی اغلاط پر ایک رسالہ میں متنبہ فرمایا جس کا نام اغلاط العوام ہے۔ ۱۲ محمد شفیع

وسوسہ ہے جس کے ذریعہ شیطان ان کو زوائد علوم میں جن کی ضرورت دین میں شاذ و نادر واقع ہوتی ہے، مشغول رکھتا ہے اور عمل کی توفیق نہیں ہوتی۔

نیز فرمایا کہ میں چاہتا ہوں علماء و طلباء کوئی حرفہ اور صنعت ضرور سیکھیں جس سے ان کا معاش حاصل ہو، تاکہ وہ دنیا کے بدلے دین کو فروخت نہ کریں اور لوگوں کے صدقات و خیرات پر ان کی نظریں نہ جائیں کیونکہ (بلا ضرورتِ شدیدہ ناجائز طور پر) صدقات کے کھانے سے ان کی عقل کا نور مٹ جاتا ہے بخلاف طعام حلال کے کہ اس سے نور عقل بڑھتا ہے۔

فرمایا کہ ایک مرتبہ میں ایسے حکماء کی ایک مجلس میں پہنچ گیا جو اپنے کھانے پینے کی چیزوں میں احتیاط نہ کرتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ان کے تمام علمی سوالات و مذاکرات ایسے واہی اور بے کار امور کے متعلق تھے جو علماء کی شان سے بہت گرے ہوئے تھے۔ میں نے سمجھا کہ یہ سب اسی مشتبہ کھانے کا وبال ہے (لطائف المنن والاخلاق للشعرانی ص ۲۷۲)

واللہ الموفق والیہ المرجع والمآب (بندہ محمد شفیع ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک نصیحت

حضرت امام مالکؒ نے موطا میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے

لا تکثروا الکلام بغیر ذکر اللہ فتقسوا	ذکر اللہ کے سوا اور باتیں زیادہ نہ کرو
قلوبکم فان القلب القاسی بعید من اللہ	کہ اگر ایسا کرو گے تو تمہارے دل سخت

ولکن لا تعلمون ولا تنظروا فی عیوب الناس کانکم ارباب وانظروا فی ذنوبکم کانکم عبید فانما الناس مبتلی و معافی فارحموا اهل البلاء واحمدوالله علی العافیة (ازترغیب للمنذری ص ۵۲۱)

ہوجائیں گے اور سخت دل اللہ سے دور ہے لیکن تم جانتے نہیں، اور آقا کی طرح لوگوں کے عیوب میں غور نہ کرو بلکہ غلاموں کی طرح اپنے گناہوں کی فکر کرو کیونکہ آدمی دو قسم پر ہیں گرفتار بلاء اور بعافیت تو تمہیں چاہئے کہ گرفتار بلا (یعنی گنہگار) پر رحم کرو اور اپنی عافیت پر خدا کا شکر ادا کرو۔

حقیقی حیاء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الاستحیاء من الله حق الحیاء ان تحفظ الراس ومادعی وتحفظ البطن وما حوی ولتذکر الموت والبلٰی ومن ارادالآخرة ترک زینة الدنیا فمن فعل ذلک فقد استحیٰی من الله حق الحیاء (رواه الترمذی از ترغیب مذکور ص ۴۸۵) وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العٰلمین

اللہ تعالٰی سے کامل حیاء کرنے کی صورت یہ ہے کہ تم اپنے دماغ اور اس کے خیالات کی حفاظت کرو (کہ خلاف شرع کوئی چیز اس میں نہ آوے) اور اپنے پیٹ اور اس کے اندر کی چیز کی حفاظت کرو (کہ کوئی حرام چیز اس میں نہ جاوے اور یہ کہ تم موت اور (اس کے بعد) مٹی ہوجانے کو یاد کرو اور جو شخص آخرت کا ارادہ رکھتا ہے وہ (بے ضرورت) دنیا کی زینت چھوڑ دیتا ہے۔ پس جس شخص نے یہ کام کرلئے اس نے اللہ تعالٰی سے حیاء کا حق ادا کردیا۔

بندہ محمد شفیع (ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ)

امام اوزاعی منصور عباسی کے دربار میں

اس سلسلہ میں آج جو چند مضمون پیش کئے جاتے ہیں میرے استاذ محترم اور بہنوئی حضرت مولانا نبیہ حسن صاحب مرحوم سابق صدر مدرس

دارالعلوم دیوبند کی یادگار ہے ۔ آپ ہی کے قلم سے لکھے ہوئے کاغذات میں
نکل آیا۔ جس کے اوراق پریشان دیکھ کر مولانا مرحوم کا تصور آنکھوں میں
کھنچ گیا۔ گو

دل میں ایک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے

بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانیئے کیا یاد آیا

مناسب معلوم ہوا کہ ان مضامین عالیہ کو کشکول کا جزو بنادیا جائے ۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اسلام کے ان لائق فرزندوں میں سے ہیں جن کے وجود پر اگر اسلام کو ناز ہو تو بجا ہے ۔ آپ کے گرانقدر کارنامے صفحہ تاریخ پر آج تک ایک نمایاں روشنی رکھتے ہیں۔

آپ کا اسم گرامی عبدالرحمن ہے اور کنیت ابو عمر۔ یہ علم و ہدایت کا آفتاب ۸۸ھ میں بعلبک کے افق پر طلوع ہوا۔ ابھی تک یہ نونہال آغوشِ مادر سے بھی مستغنی نہیں ہوا تھا کہ حوادثِ زمانہ نے اس پر یتیمی کا داغ دیا۔

والد کے سایہ عطوفت کا بچپن میں سر سے اٹھ جانا بچّوں کی تعلیمی زندگی کے لئے جس قدر مہلک ہے وہ ظاہر ہے مگر خداوند عالم کے الطاف خفیہ نعمائے غیر متناہیہ کسی کی ریاست اور حشم و خدم یا قبیلہ اور اعزاء و اقرباء کی شوکت دیکھ کر نازل نہیں ہوتیں، بلکہ اس کی شان تو یہ ہے ۔

انا عبد المنکسرة قلوبھم

"میں شکستہ دلوں کے پاس ہوں۔"

بہرحال آپ کی تعلیم و تربیت بھی اگرچہ والدہ کی آغوش میں ہوئی لیکن خداوندِ عالم کے فضل سے ابھی تک ایام شباب کو بھی نہیں پہنچے کہ تمام علوم و فنون میں وہ مہارت حاصل کرلی جو محتاج بیان نہیں، یہاں تک کہ قوتِ اجتہاد اور علم و عمل، ذکاوتِ طبع، تقوی و طہارت میں اپنے زمانہ کے ممتاز لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے ۔

اسمعیل بن عیاش فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ عبدالرحمن (اوزاعی) علماء امّت کے بہترین افراد میں سے ہیں۔

آپ پر علم کا وہ گہرا رنگ چڑھا تھا کہ اس کے آثار جوارح پر ظاہر ہوتے تھے۔ خشوع و خضوع آپ کے چہرے سے مترشح ہوتا تھا۔ آپ کی ذات مبارک

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء — اللہ کے بندوں میں علماء ہی اس سے ڈرتے ہیں۔

کا مظہر اتم تھی۔

ابو مسہر کہتے ہیں کہ امام موصوف رات بھر نماز اور تلاوت قرآن اور آہ و زاری میں گذارتے تھے۔ عمر بھر کسی نے آپ کو قہقہہ کے ساتھ ہنستے نہیں دیکھا بلکہ بلا ضرورت کلام بھی نہ کرتے تھے۔یوں تو آپ جملہ کمالات علمی و عملی میں ممتاز شان رکھتے ہی تھے لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر آپ کا خاص امتیازی وصف تھا ہر شخص کو بلا تخصیص امیر و غریب اور بلا خوف لومۃ لائم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے۔ آپ کی شان یہ تھی۔

شاہ و گدا بہمت درد زاں یکے است — پوشیدہ است پست و بلند زمیں در آب

بہت مرتبہ آپ امر حق کے ظاہر کرنے کی بناء پر دشمنوں کے نرغے میں پھنس گئے مگر وہ ایک کوہ وقار تھے کہ مصائب کی سخت آندھیاں آپ کو اپنی جگہ سے ایک انچ نہ ٹلا سکتی تھیں۔

ایک مرتبہ کا واقعہ خود امام ہمام بیان فرماتے ہیں کہ حاکم وقت نے مجھ سے بلا کر پوچھا کہ " فلاں مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے۔"

حق کہنے میں جان کا خوف تھا۔ دل میں توحش پیدا ہوا لیکن معاً یہ خیال آیا کہ دنیا کی تکلیف خدا کے عذاب کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ بلا سے جان جائے مگر حق کہنے سے نہ رکنا چاہئے۔

چنانچہ صاف صاف جو حق تھا بیان کردیا۔ جس کو سن کر حاکم چراغ پا ہوگیا، مگر الحمدللہ

مجھ پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔

اس وقت ہمیں امام اوزاعی کی سوانح لکھنا نہیں، بلکہ ان کی عالی ہمتی اور اولوالعزمی کے کارناموں کا صرف ایک ورق ناظرین کے سامنے کھولا جاتا ہے اور ان کا ایک واقعہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے جو ان کو خلیفۃ المسلمین ابو جعفر منصور کے ساتھ پیش آیا ہے جس میں آپ دیکھیں گے کہ ایک خدا سے ڈرنے والا بندہ ایک باجبروت بادشاہ کے سامنے کیسا جری ہو کر بے دھڑک تقریر کر رہا ہے۔

ایک روز امام ہمام (اوزاعیؒ) خلیفہ وقت ابو جعفر منصور کے دربار میں تشریف لے گئے، مگر نہ اس لئے کہ مداہنت کر کے اس کے مال و جاہ سے ناجائز نفع اٹھائیں، بلکہ اس لئے کہ اس کو خداوند عالم کے صحیح صحیح احکام بالمشافہہ پہنچا دیں۔ چنانچہ آپ نے ایک دل آویز تقریر شروع کی۔ جس کے دوران میں فرمایا کہ اے امیر المومنین! ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ فاروق اعظم (باوجود اس عدل و انصاف کے جو آفتاب کی طرح روشن ہے اور جس کی روشنی کا اعتراف بسر و چشم مخالفین اور کفار کو بھی کرنا پڑتا ہے) فرمایا کرتے تھے کہ اگر فرات کے کنارے پر بکری کا بچہ ضائع ہو کر مرتا ہے تو میں ڈرتا ہوں کہ کہیں قیامت کے روز مجھ سے اس کی باز پرس نہ ہو۔

اے ابو جعفر: اب اپنی حالت پر تم خود غور کرو کہ تمہاری سلطنت میں اولاد آدم انصاف سے محروم ہیں اور ظلم سے مرتے ہیں۔ آخر تمہارا کیا انجام ہوگا۔

اے امیر المومنین: ہم سے یزید بن جابر نے بیان کیا ہے کہ عبد الرحمن بن عمرو انصاری نے حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے کہ آپ نے انصار میں سے ایک صحابی کو صدقہ زکوۃ وغیرہ وصول کرنے پر مقرر کیا۔ یہ صاحب آپ کے پاس سے رخصت ہو گئے۔ آپ کو خیال تھا کہ اپنے کام پر چلے گئے ہوں گے لیکن کچھ دنوں بعد دیکھتے ہیں کہ وہ اب تک مدینہ میں مقیم ہیں۔ کار مفوضہ پر نہیں گئے۔ آپ نے اس کا سبب پوچھا اور فرمایا

کہ آپ نے خدمت مفوضہ میں دیر کیوں کی، کیا آپ کو خبر نہیں کہ ایسے لوگوں کا ثواب مجاہدین فی سبیل اللہ کے برابر ہے ۔ انصاری نے کہا ہرگز نہیں۔ آپ نے متعجب ہوکر وجہ دریافت کی۔ انصاری بزرگ نے جواب دیا کہ مجھ کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث پہنچی کہ " تمام حکام جن کے قبضہ میں آج لوگوں کے کاموں کی باگ ہے وہ قیامت کے روز ایسی حالت میں اٹھائے جائیں گے کہ ان کے ہاتھ ان کی گردنوں سے بندھے ہوئے ہوں گے ۔"

اس مصیبت سے سوائے عدل و انصاف کے اور کوئی چیز نہ چھڑا سکے گی، اس کے بعد ان کو آگ کے پل پر کھڑا کیا جائے گا جس کی لپٹ اور اڑنے والی چنگاریوں سے ایک ایک عضو پگھل جائے گا۔ پھر خدا کے حکم سے سب اعضاء جوڑے جائیں گے اور سلسلہ حساب و کتاب شروع ہوگا۔

عدل و انصاف اچھی طرح کرنے کی صورت میں عذاب الٰہی سے نجات ملے گی ورنہ پھٹ جائے گا اور ستر برس جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں رہنا ہوگا۔

حضرت عمرؓ یہ سن کر سہم گئے اور دریافت کیا کہ تم نے یہ حدیث کس سے سنی ہے ۔ انصاری نے کہا حضرت ابوذر اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہما سے ۔

فاروق اعظم اس حدیث کے مضمون سے بہت متاثر تھے فوراً ایک آدمی بھیج کر دونوں کو بلایا۔ جب یہ حضرات تشریف لائے تو حدیث مذکور کے متعلق استفسار کیا۔

بس دونوں صاحبوں نے کہا کہ بے شک ہم نے یہ حدیث جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے ۔

فاروق اعظم کانپ اٹھے اور بے ساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ ہائے عمر ان تکالیف و مصائب کے موجود ہوتے ہوئے کون نا عاقبت اندیش بار حکومت کو اپنے سر پر لے گا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نے فرمایا کہ وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا ہو۔

فاروق اعظمؓ زار و زار رونے لگے اور یہاں تک روئے کہ ان کے رونے پر مجھے رونا آیا۔*

اے امیر المومنین: خلیفہ ثانی کے حالات دیکھو اور پھر اپنی حالت کا اندازہ کرو کہ تم نے ان کی جانشینی کا کہاں تک حق ادا کیا۔

اے امیر المومنین: فاروق اعظمؓ نے آئین جہانداری کے جو مستحکم اصول بیان فرمائے ہیں وہ ہر اس شخص کو اپنے صفحہ قلب پر لکھنے چاہئیں جس کو خداوند عالم نے اپنی مخلوق کا محافظ (بادشاہ) بنایا ہو۔

اے امیر المومنین: فاروق اعظمؓ فرمایا کرتے تھے کہ نظام حکومت کے رشتہ کو وہی قائم رکھ سکتا ہے جو عقل کامل اور تفقہ فی الدین رکھتا ہو۔ اور اس سے کوئی عیب ظاہر نہ ہو، اور نہ امر حق میں لومۃ لائم کی پرواہ کرتا ہو۔

اے امیر المومنین: آپ فرمایا کرتے تھے کہ حکام چار قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ قوی ہمت جو خود بھی جور و ستم سے بچا رہا اور اپنے عملہ کے لوگوں کو بھی اس نے تشدد و جبر آمیز حرکات سے محفوظ رکھا۔ ایسے حاکم عادل کا ثواب جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہے۔ اس پر خداوند عالم نے رحمت کا دروازہ کھول دیا ہے۔

خلیفہ مامون الرشید اور ایک کمسن قاضی کی خط و کتابت

خلیفہ مامون الرشید نے قاضی یحیی بن اکثم کو جب بصرہ کا قاضی بنا کر بھیجا تو ان کی عمر بہت کم تھی بعض لوگوں نے اس پر خلیفہ مامون الرشید کی خدمت طعن آمیز خط لکھا۔

مامون نے قاضی یحیی ابن اکثم کو خط لکھ کر دریافت کیا کہ آپ کی عمر کیا ہے؟

☆ کیونکہ اکثر جب حکومت کی باگ ہاتھ میں آتی ہے۔ انسان مغرور ہوکر مظالم کی پرواہ نہیں کرتا۔ نیز سلطنت اور خلافت کی کٹھن ذمہ داریوں کو بھی ہر شخص پورا نہیں کرسکتا۔ ورنہ اگر سلطان عادل ہو تو پھر اس کے لئے حدیث میں بڑے بڑے فضائل موجود ہیں۔ چنانچہ عنقریب آئے گا۔ فاروق اعظمؓ اگرچہ امام العارفین ہیں، مگر ابوذرؓ نے محض ترہیب کے لئے فرمایا ہے۔ واللہ اعلم، ۱۲ نبیرہ حسن عفی عنہ۔

قاضی یحییٰ ابن اکثم نے جواب میں لکھا کہ:

" میں اس وقت اس عمر میں ہوں جس میں حضرت عتاب ابن اسید رضی اللہ عنہ اس وقت تھے جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے والی بنایا تھا" (مجموعہ ص ۶۷ ج ۱)

اختلاف صحابہ رحمت ہے:۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ مجھے ہرگز یہ پسند نہیں کہ صحابہ کرام میں مسائل فروعیہ کا اختلاف نہ ہوتا کیونکہ اگر ایک ہی قول ہوتا تو لوگ تنگی میں پڑجاتے ۔ یہ حضرات مقتدا اور پیشواء ہیں جو شخص ان میں سے کسی کے مذہب پر عامل ہو ، اس کے لئے گنجائش ہے ۔ (جامع العلم ص ۱۴۳)

....

قتالِ کفّار میں مسلمانوں کی شدّتِ احتیاط

تعلیمات اسلام اور تعاملِ صحابہؓ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ایک اسلامی لشکر کا عامل بناکر بھیجا اور ان کو وصیت فرمائی کہ

کفار سے اس وقت تک مقاتلہ نہ کرو جب تک پہلے ان کو دعوت اسلام نہ پہنچادو۔ (اگر اسلام کی حقانیت ان کی سمجھ میں آجاوے اور قبول کرلیں، فبہا) اور اگر اسلام سے انکار کریں تب بھی جنگ کی ابتداء تم خود نہ کرو۔ پھر اگر وہ جنگ شروع بھی کردیں۔ تو تم اس وقت بھی مقاتلہ شروع نہ کرو جب تک وہ تم میں سے کسی مسلمان کو شہید نہ کردیں۔ اور اگر کسی کو شہید بھی کردیں اس وقت بھی قتال شروع نہ کرو، بلکہ پہلے ان کو اپنے شہید کی لاش دکھلاؤ اور ان سے کہو (ھل الیٰ خیر من ھذا السبیل) یعنی کیا کوئی صورت ایسی بھی (تم کرسکتے ہو) جو قتل و قتال سے بہتر ہو"

فلان یَّھدِ اللہُ تعالیٰ علی یدیک "کیونکہ تمہارے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ

خیر لک مما طلعت علیہ الشمس وغربت (مبسوط شمس الائمہ سرخسی ص ۳۱، جلد۲)

ان کو ہدایت فرما دے تو یہ تمہارے لئے تمام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔"

شمس الائمہ سرخسیؒ نے یہ حدیث مبسوط میں نقل کرنے کے بعد دوسری روایات ایسی بھی نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت و انذار میں اتنا مبالغہ ضروری نہیں، دفعتہً مقاتلہ بھی جائز ہے لیکن محمل ان کا یہی ہے کہ اگر امام و امیر کو ان کی ہدایت کی طرف سے مایوسی پہلے سے ہو چکی ہو تو پھر دفعتہً بھی قتال کرسکتا ہے ۔ ورنہ وہی ترتیب ہے جو حدیثِ معاذ میں ذکر کی گئی۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کوفہ میں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو فقہا صحابہ میں مشہور و معروف ہیں آپؓ نے جب کوفہ میں قیام فرمایا تو علماء کا وہ عظیم الشان ہجوم ہوا کہ خاص کوفہ میں آپ کے چار ہزار شاگرد تھے ۔ جب حضرت علیؓ کوفہ تشریف لائے اور حضرت ابن مسعودؓ بغرض استقبال تشریف لائے تو آپ کے تلامذہ و اصحاب بھی ساتھ تھے ۔ جن کے مجمع عظیم نے تمام افق کو بھر دیا تھا۔ حضرت علیؓ نے یہ دیکھ کر فرمایا۔

قدملئتَ هٰذِہٖ القَرْیَةَ علماً وفقهاً "آپ نے تو اس شہر کو علم و فقہ سے بھر دیا ہے"

(مبسوط ص٦٨، ج١٦)

حضرت بشر حافیؒ کے بعض حالات و مقالات

آپ دوسری صدی ہجری کے ان بزرگوں میں سے ہیں جن کو حق تعالیٰ نے علم ظاہر و باطن شریعت و طریقت کا امام بنایا تھا۔ حدیث حضرت امام مالکؒ اور حماد بن زیدؒ اور

فضیل بن عیاضؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ جیسے ائمہ حدیث سے حاصل کی اور محدثین کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے حدیث حاصل کی۔ مگر غلبہ تواضع اور ورع و تقویٰ کی وجہ سے مستقل طور پر تعلیم حدیث کی خدمت اختیار نہیں فرمائی۔ بلکہ زہد و عبادت اور خلوت و گمنامی کا رنگ اختیار فرمایا۔

ایک مرتبہ آپؒ نے دیکھا کہ راستہ میں ایک کاغذ پڑا ہے جس پر اللہ کا نام لکھا ہوا ہے اور وہ پامال ہورہا ہے ۔ آپ نے اس کو اٹھا کر صاف کیا۔ ایک درہم پاس تھا اس کی خوشبو خریدی اور اس پر لگا کر ایک دیوار کے اندر حفاظت سے رکھ دیا۔ خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ اے بشر تم نے ہمارے نام کو خوشبو سے معطّر کیا ہم تمہارے نام کو دنیا و آخرت میں معطر کریں گے۔

آپ فرماتے تھے کہ جب کوئی شخص قرآن مجید حفظ کرے اور جامع سفیان کو ضبط کرے تو اب اس کو چاہئے کہ عبادت میں لگ جائے (کیونکہ علم بقدر ضرورت حاصل ہوگیا۔ اور مقصود علم سے عمل ہے اب اس میں لگے)۔

جامع سفیان خود بشر حافی کی جمع کی ہوئی ایک کتاب ہے جس میں سفیان ثوریؒ کے فتاوی اور مسائلِ فقہیہ جمع کئے تھے۔

آپ فرماتے تھے کہ جب حق تعالیٰ کو کسی بندہ کی بھلائی منظور ہوتی ہے تو اس پر ایسے آدمی مسلط کردیتا ہے جو اس کو ایذا پہنچائیں۔ اور حضرت سفیان ثوری فرماتے تھے۔ کہ اس شخص میں کوئی خیر نہیں، جس کو لوگوں سے ایذاء نہ پہنچے ۔ اور بندہ حلاوتِ ایمان کا ذائقہ اس وقت تک نہیں پاسکتا، جب تک کہ چاروں طرف سے اس پر بلائیں نازل نہ ہوں۔ فرمایا کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کو دنیا میں عزت اور آخرت میں شرف حاصل ہو تو اس کو چاہئے کہ تین خصلتیں اپنے اندر پیدا کرے ۔ ایک یہ کہ کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کرے دوسرے یہ کہ کسی کو برائی سے یاد نہ کرے ۔ تیسرے یہ کہ کسی کی دعوت قبول نہ کرے ۔

ف: جو شخص اخلاص کے ساتھ دعوت کرتا ہے اس کی دعوت قبول کرنا سنت ہے جو عین عزت و شرف ہے، مگر اس زمانہ میں عموماً دعوتوں میں اخلاص غائب ہے۔ اس لئے حضرت بشر کا یہ ارشاد ایسی ہی دعوت کے متعلق ہے۔

۲۲۷ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ جنازہ پر خلق اللہ کا وہ ہجوم تھا کہ صبح کی نماز کے بعد جنازہ گھر سے نکلا تو مغرب کے وقت قبرستان پہنچ سکا۔ حالانکہ گرمی کے طویل دن تھے۔

احمد بن فتح فرماتے ہیں کہ بعد وفات میں نے ان کو خواب میں دیکھا کہ ایک باغ میں ہیں۔ دستر خوان بچھا ہوا ہے اور بشر حافی اس پر بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم فرمایا اور بخش دیا اور تمام جنت میرے لئے مباح کردی اور حکم دیا کہ تمام جنت میں جہاں چاہو رہو اور کھاؤ پیو۔ کیونکہ تم دنیا میں اپنے نفس کو خواہشات کے اتباع سے روکتے تھے۔

میں نے پوچھا کہ آپ کے بھائی امام احمد بن حنبلؒ کہاں ہیں؟ فرمایا وہ جنت کے دروازہ پر ہیں۔ اہلسنت و الجماعت جو کلام اللہ کے غیر مخلوق ہونے کو مانتے ہیں ان کے لئے شفاعت کرتے اور جنت میں داخل کرتے ہیں۔ (تاریخ ابن عساکر ص ۲۲۱ تا ۲۲۸، ج ۴)

امیر المومنین ولید بن عبد الملک کے دربار میں جھوٹی خوشامد کی سزا

ولید بن عبد الملک کے عہد حکومت میں ایک شخص نے ان کی خوشامد کے لئے ایک موضوع حدیث گھڑی اور موضوع سند کے ساتھ ان کے سامنے پیش کی۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ

"اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو خلیفہ اور امیر المومنین بناتے ہیں تو اس کی حسنات لکھی جاتی ہیں اور سیئات نہیں لکھی جاتیں۔"

ولید بن عبدالملک نہ کوئی ولی ہیں نہ متقی، نہ صلحاء و اتقیاء کے طبقہ میں ان کا شمار ہے مگر عہدِ نبوت کے قرب کی برکت کا اثر سب میں تھا۔ یہ حدیث سنی تو فوراً کہا کہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ یہ حدیث نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے

یَا دَاؤدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ (ص)

" اے داؤد علیہ السلام ہم نے آپ کو زمین کا خلیفہ بنایا ہے سو آپ لوگوں میں حق کا فیصلہ کریں اور خواہشات کا اتباع نہ کریں کہ اتباع ہوا آپ کو اللہ کے راستہ سے گمراہ کردیگا۔ بیشک جو لوگ اللہ کے راستہ سے گمراہ ہوتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ بھول گئے دن حساب کو۔"

اس آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی کو خلیفہ بنانے کے ساتھ یہ ارشاد ہے کہ اگر (بالفرض) خلافِ حق فیصلہ کریں گے تو عذاب شدید کے مستوجب ہوں گے پھر کسی دوسرے انسان کا کیا پوچھنا۔ (فتح الباری بتوضیح ص ۹۷، ج ۱۳)

الغرض ولید بن عبدالملک نے سمجھ لیا کہ روایت اس نے محض میری خوشامد کے لئے گھڑی ہے تو بجائے خوش ہونے کے اس کا خلاف کیا۔ اور یہ شخص جو دین کو دنیا کے بدلے بیچنا چاہتا تھا دنیا میں بھی خائب و خاسر رہ گیا۔ نعوذ باللہ منہ۔

تنبیہ: اس واقعہ سے اس ارشاد کی تصدیق ہوئی جو حضرت صدیقہؓ نے حضرت معاویہ کے ایک خط کے جواب میں لکھا تھا کہ جو شخص کسی مخلوق کو راضی کرنے کے لئے خالق کو ناراض کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس شخص کو ایذاء و تکلیف کے لئے اسی مخلوق کو اس پر مسلط فرما دیتے ہیں۔ (اخرجہ الترمذی)

حضرت سفیان ثوریؒ عسقلان میں

ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ عسقلان تشریف لے گئے۔ تین روز تک ٹھہرے۔ کوئی شخص کوئی مسئلہ یا دین کی بات پوچھنے کے لئے نہ آیا تو اپنے رفیق سے فرمایا کہ بھائی میرے لئے سواری کرایہ پر لادو کہ میں اس شہر سے نکل جاؤں۔ کیونکہ یہ ایسا شہر ہے کہ اس میں علم مرجائے گا۔ (جامع العلم لابن عبدالبر ص ۸۴)

صلاح و فساد کے ذمہ دار علماء و امراء

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کی دو جماعتیں ایسی ہیں کہ جب وہ درست ہوں گی۔ تو سب آدمی درست ہوجائیں گے جب وہ فاسد ہوں گی تو سب فاسد ہوجائیں گے ایک جماعت امراء و ملوک، دوسری علماء۔

اور حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ علماء کی مثال ایسی ہے جیسے نمک کہ جب کوئی چیز خراب ہونے لگے تو نمک اس کی اصلاح کردیتا ہے لیکن اگر نمک خود ہی خراب ہوجاوے (مثلاً زیادہ ہوجاوے) تو اس کی اصلاح کسی چیز سے نہیں ہوتی (جامع العلم لابن عبدالبر ص ۸۷)

حضرت زر بن حبیشؒ تابعی کا خط

امیر المومنین عبدالملک بن مروان کے نام

حضرت ممدوح طبقہ تابعین کے ممتاز ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ عبداللہ ابن مسعودؓ عبدالرحمن بن عوفؓ ابی بن کعبؓ، حذیفہ

وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین کی صحبت پائی ہے اور ان ہی سے روایت کرتے ہیں۔ ایک سو بائیس سال کی عمر ہوئی۔ آپ نے خلیفہ وقت امیر المومنین عبدالملک بن مروان کے نام وعظ و نصیحت کا ایک خط لکھا جس کے آخری جملے یہ تھے ۔

" اے امیر المومنین تم اپنی جسمانی تندرستی سے اس دھوکہ میں مبتلا نہ ہوجاؤ کہ تمہاری عمر ابھی بہت باقی ہے ۔ پہلے لوگوں نے اس بارہ میں ارشاد فرمایا ہے اس کو یاد کرو۔

اذا الرجال ولدت اولادها وبليت من كبر اجسادها

جب انسان کی اولاد کی اولاد ہوجاوے اور بڑھاپے کی وجہ سے اس کا بدن پرانا ہوجاوے

وجعلت اسقامها تعتادها تلك زروع قددنا حصادها

اور بیماریاں اس پر بار بار آنے لگیں تو سمجھ لو کہ یہ ایک کھیتی ہے جس کے کٹنے کا وقت قریب قریب آگیا ہے ۔ "

عبدالملک بن مروان نے خط پڑھا تو زار و زار رونے لگا۔ اور فرمایا کہ زربن حبیش نے بالکل صحیح فرمایا۔ (صفوۃ الصفوۃ لابن الجوزی ص ۱۶ ، جلد ۳)

اللہ والوں کی موت

حضرت ربعی بن حراش تابعی کے بھائی کا عجیب و غریب واقعہ

حضرت ممدوح بھی طبقہ تابعین میں سے ہیں۔ آپ کے ایک بھائی (جن کا نام ذکر نہیں کیا گیا) بڑے عابد تھے ۔ ربعی بن حراش فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں کسی ضرورت سے شہر سے باہر گیا تھا۔ وہاں سے واپس آیا تو میری بی بی نے کہا کہ اپنے بھائی کی خبر لو کہ ان کا آخری وقت ہے ۔ میں فوراً اپنے گھر سے نکلا اور دوڑتا ہوا بھائی کے مکان پر آیا۔ یہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ مسافرِ آخرت پہلی منزل سے گذر چکا ہے حسبِ دستور گھر

والوں نے ان کی لاش پر چادر ڈال دی تھی۔ میں ان کے سرہانے بیٹھ کر رونے لگا۔

دفعتہً چادر کے اندر سے ہاتھ نکالا اور اپنے چہرہ سے چادر ہٹادی اور کہا السلام علیکم، میں نے حیرت سے کہا، بھائی موت کے بعد یہ زندگی کیسی؟ فرمایا ایسا بھی ہوتا ہے میں نے اپنے پروردگار کی زیارت کی۔ اس نے بڑی رحمت اور عظیم الشان نعمتوں سے میرا استقبال فرمایا اور مجھے جنّت کے سبز ریشمی کپڑے پہنائے ۔ پھر تین مرتبہ فرمایاکہ میں نے آخرت کے معاملہ کو اس سے بہت آسان پایا جیسا تم لوگ سمجھتے ہو۔ اور پھر تین مرتبہ فرمایا فاعملوا ولا تغترّوا (یعنی عمل کرتے رہو اور دھوکہ نہ کھاؤ) پھر فرمایاکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ نے قسم کھائی کہ اس وقت تک نہ جائیں گے جب تک میں آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہوجاوں۔ اس لئے آپ لوگوں کو چاہئے کہ میری تجہیز میں بہت جلدی کرو۔ یہ تمام گفتگو کرنے کے بعد فوراً پھر موت طاری ہوگئی۔ (صفوۃ الصفوۃ لابن الجوزی ص ۱۹ ، ج ۲)

....

رُبعی بن حراش کا صدق اور اُسکی برکات

حضرت ربعی بن حراش جن کا ذکر ابھی گذرا ہے بچپن سے صدق و صفائی میں مشہور تھے ۔ تمام عمر کوئی جھوٹ آپ کی زبان پر نہیں آیا۔

ایک مرتبہ ایک عجیب اتفاق پیش آیاکہ ان کے دو صاحبزادوں پر حجاج بن یوسف کے (جو اس امت کا سب سے زیادہ ظالم مشہور ہے) معتوب تھے اور اس کی ظالمانہ سختیوں سے واقف تھے اس لئے روپوش ہوکر دن گذار رہے تھے ۔ حجاج کو کسی نے بتلایا کہ ان کے والد کبھی جھوٹ نہیں بولتے ، انہی سے ان لڑکوں کا پتہ دریافت کرو۔ چنانچہ آپ کی خدمت میں فوراً آدمی بھیج کر دریافت کیا۔ آپ نے بے تامل فرمادیا کہ دونوں گھر کے اندر ہیں۔ اولاد کی جان جاتی ہے اور والد شفیق ایک کلمہ خلاف واقع فرما دینا

گوارا نہیں کرتے ۔ اس موقع پر سچ پر قائم رہنا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ لیکن سچائی کو بھی حق تعالیٰ نے وہ برکات عطا فرمائی ہیں کہ آخرت سے پہلے دنیا ہی میں اس کے آثار و برکات کا ظہور ہوجاتا ہے۔

حضرت ربعی بن حراش کی اس حیرت انگیز راست گوئی سے حجاج بن یوسف جیسا سخت دل بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اور کہا ہم نے آپ کی سچائی کی وجہ سے ان دونوں کا جرم معاف کردیا۔ (صفوۃ الصفوۃ ص ۱۹ ، ج ۳)

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض ارشادت

ہرم بن حیانؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت اویس قرنیؒ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت فرمایئے ۔ آپ نے فرمایا کہ جب سوؤ ، تو موت کو اپنا تکیہ بناؤ اور اسی کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو۔ جاگو تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرو کہ وہ تمہارے قلب اور نیت کو درست فرمادے ۔ کیونکہ ان دونوں کا صحیح حالت پر باقی رہنا نہایت سخت دشوار ہے کیونکہ بسا اوقات قلب و نیت شروع میں صحیح ہوتے ہیں اور دفعتہً بدل جاتے ہیں۔ یا شروع میں صحیح نہیں ہوتے پھر صحیح ہوجاتے ہیں اور گناہ کے چھوٹے ہونے پر کبھی نظر نہ کرو، بلکہ اس ذات کی بڑائی پر نظر کرو۔ جس کی تم نافرمانی کررہے ہو۔ (صفوۃ ص ۲۹ ، جلد ۳)

سماع وغناکے متعلق امام مجتہد شیخ تقی الدین سبکیؒ کا معتدل فیصلہ

امام موصوف سے بعض لوگوں نے سوال کیا کہ مجلس سماع میں حاضر ہونا اور رقص و وجد کرنا کیسا ہے ۔ آپ نے ایک نظم میں جواب دیا۔

واعلم بان الرقص والدف الذی   سألت عنہ وقلت فی اصوات

سمجھ لو کہ رقص اور دف اور گانا وغیرہ جن کے متعلق تم نے سوال کیا ہے

فیہ خلاف للائمۃ قبلنا
شرح الہدایۃ سادۃ السادات

اس کے جواز میں ہم سے پہلے ایسے بزرگوں کا اختلاف ہے جو ہدایت کی مجسم شرح اور سرداروں کے سردار ہیں۔

لکنہ لم یات قط شریعۃ
طلبتہ او جعلتہ فی القربات

لیکن آج تک کوئی شریعت الٰہی دنیا میں ایسی نہیں آئی جس نے اس کو مطلوب اور تقربِ الٰہی کا ذریعہ قرار دیا ہو۔

والقائلون بحلہ قالوا بہ
کسوہ من احوالنا العادات

جو لوگ ان کے حلال ہونے کے قائل ہیں وہ بھی اسی درجہ میں جیسے دوسری عادات و مباحات کو حلال کہا جاتا ہے (نہ کہ عبادت سمجھ کر)

فمن اصطفاہ لدینہ متعبداً
لحضورہ فاعددہ فی الحسرات

پس جس شخص نے اس کام کو اپنے دین کے لئے بطور عبادت و تقرب الی اللہ کے اختیار کیا تو سمجھ لو کہ یہ بڑی حسرت کی چیز ہے

والعارف المشتاق ان ہو ھزّہ
وجد فقام یہیم فی السکرات

اور عارف عاشق کو اگر وجد حرکت میں لائے اور وہ اسی سکر کی حالت میں کھڑا ہوکر وجد کرنے لگے

لا لوم یلحقہ ویحمد حالہ
یا طیب مایلقی من اللذات

تو اس پر کوئی ملامت نہیں، بلکہ اس کا حال محمود ہے۔ کس قدر عجیب لذتیں ہیں جن کو وہ حاصل کررہا ہے

(کف الرعاع للشیخ ابن حجر الہیتمی علی ہامش الزواجر ص ۶۱ جلد ۱)

امام موصوف کے کلام میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کسی شریعت اور دین میں اہل تصوف کے کسی سلسلہ میں سماع کو عبادات کی طرح معمول کسی نے نہیں بنایا یعنی جس طرح مریدین کو اذکار و عبادات کی تلقین کی جاتی ہے اشتغالِ سماع کی تلقین کسی بزرگ سے کہیں منقول نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ بعض صوفیاء کرام نے اس کے

اشتغال کو ضرورۃً جائز سمجھا ہے۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی نبوت و رسالت پر کائنات عالم کی شہادتیں

ریاست دوجانہ کا ایک عجیب واقعہ

از محترمہ والدہ محبوب احمد صاحبہ ریاست دوجانہ

"چند سال ہوئے ہیں کہ احقر نے المفتی کے ایک مستقل مضمون میں ایسے واقعات جمع کئے تھے جن میں کائنات عالم کی غیر ذی شعور چیزوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدق و حقانیت کی شہادات ظاہر ہوئی ہیں اور یہ مضمون مستقل بھی بنام قدر العبد الشفیع فی ذکر السید الشفیع شائع ہوچکا ہے۔ ذیل کا واقعہ بھی اسی سلسلہ کی ایک چیز ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس کو بھی اس کا ضمیمہ قرار دیا جاوے۔ اور بالفعل المفتی میں درج کر دیا جاتا ہے۔ یہ واقعہ رسالہ مسلم جالندھر شہر نمبر ۷ جلد ۹ ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ سے نقل کیا جاتا ہے۔

محمد شفیع مدیر المفتی عفا اللہ

ماہ اگست کا ذکر ہے کہ میرے پاس میری خواہر زادی کا ایک خط آیا ہے کہ عجیب بات پیش آئی ہے جسے خوشی کے ساتھ لکھتی ہوں اور وہ یہ ہے کہ شب جمعہ کو والدہ صاحب نے آسمان پر تاروں میں کلمہ لکھا ہوا دیکھا۔ ایک شب پھر دیکھا تو پاس ہی ان کی چھوٹی لڑکی اور بھانجی سوتی تھیں۔ ان کو جگایا اور ان دونوں لڑکیوں نے بھی دیکھا۔ میں نے یہ خط پڑھا اور خیال آیا کہ کئی سال کا عرصہ ہوا جب بھی یہی سنا گیا تھا۔ اور خود میری ایک عزیزہ نے بیان کیا تھا کہ پچھلی شب ہم کسی ضرورت سے باہر آئے تو ہم

نے آسمان پر جو نگاہ کی تو نہایت صاف اور موٹے الفاظ میں بہت خوش خط کلمہ لکھا ہوا نظر آیا۔ جسے حیرت کے ساتھ کتنی دیر تک ہم دیکھتے رہے۔ اس کا ذکر پھر اور کئی جگہ بھی سنا گیا اور بہت روز چرچا رہا۔ آٹھ نو سال کے عرصہ کے بعد آج میں نے اپنی بھانجی کے خط سے یہ حال معلوم کیا اور ہمشیرہ پر رشک آیا کہ کاش مجھے بھی وہ متبرک اور پیارا نام نظر آئے جسے خدا نے یہ عظمت دی کہ اپنے نام کے ساتھ لکھ کر اس کا یہ معجزہ متعدد بار منکرینِ اسلام کو دکھایا کہ جابجا یہ نام پاک شجر و حجر و آسمان پر لکھا دیکھا اور ہزاروں نے دیکھا۔

دہلی میں جبکہ نئے قلعہ کی تعمیر ہو رہی تھی وہاں سے پتھر جس وقت نکالے جا رہے تھے اس وقت ایک پتھر پر کلمہ لکھا ہوا نکلا تھا جسے دیکھنے کے لئے لوگ دور سے آتے تھے اور وہ آج تک محفوظ ہے۔

جس روز سے خط آیا تھا میرا معمول تھا کہ رات کو بستر پر لیٹ کر بڑے اشتیاق سے آسمان پر نظر کرتی اور دعا کرتی کہ خدایا مجھے بھی وہ کلمہ دکھا دے جس کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجا اور بجتا رہے گا۔ مگر میری یہ آرزو پوری نہ ہوئی (محترمہ والدہ صاحبہ نواب صاحب دوجانہ جو مجھ پر بہت مہربان ہیں اور ان کی عنایت کی وجہ سے میں کچھ عرصہ سے ان کے پاس مقیم ہوں) میں نے ان سے ذکر کیا وہ بھی کبھی تو میرے ساتھ دعا میں شریک ہوتیں اور کبھی یہ فرماتیں کہ تمہاری ہمشیرہ کا تخیّل ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ تخیّل کا کرشمہ ہوتا تو آپ اور میں بھی تو آرزو مند اور خیال میں ہیں۔ مگر آرزو پوری نہیں ہوتی۔

کچھ روز کے بعد اپنی ہمشیرہ کے پاس گئیں اور جب عزیزوں کی ملاقات سے فرصت ہوئی اور رات کو سوتے وقت یہی ذکر آیا تو میں نے مفصّل دریافت کیا کہ کیا وقت تھا، اور کس طرح دیکھا، تو انہوں نے اس طرح بیان کیا کہ مجھے اکثر رات کو نیند نہیں آتی۔ گرمی کی وجہ سے اور کچھ بے چینی سے کیونکہ (ان کے یہاں بچّہ ہونے والا تھا) جمعہ کی

رات کو دو بجے کے قریب میں نے جو کروٹ لے کر آسمان پر نظر کی تو کیا دیکھتی ہوں کہ آسمان پر دو تارے جو بہت قریب ہیں اور ان میں ایک بہت روشن ہے کچھ روز سے مشرق کی سمت سے نکل رہے ہیں اور مجھے آسمان پر دکھا کر بتایا جو اس وقت بھی سامنے ہی تھے۔ جس میں سے ایک بہت چمک رہا تھا اور ان کی شکل کچھ الف کے مشابہ ہوتی ہے کہنے لگیں کہ ان دو تاروں کا "لام" بن گیا اور ان کے درمیان بہت خوشخط موٹے موٹے حرفوں میں لا الہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ صاف لکھا ہوا نظر آیا اور ان کے درمیان میں ہزاروں باریک باریک تارے اس طرح نظر پڑے جیسے افشاں چھڑک دی گئی ہو، اور کلمہ کے چاروں طرف کچھ اور نام نظر پڑے مگر وہ مجھ سے صاف نہیں پڑھے گئے۔ کچھ خیال ہے کہ عبداللہ عمر اور ایک دو نام تو پڑھے گئے باقی صاف نہیں دکھائی دیئے۔ میں بڑی دیر تک حیرت کے عالم میں دیکھتی رہی اور جی چاہا کہ پاس ہی والدہ اور بڑی لڑکی اور کچھ فاصلے پر میرے خاوند سو رہے تھے کہ ان کو بھی جگا کر دکھاؤں، مگر زبان نہ اٹھی، تو تلا گئی، بولا نہ گیا۔ آسمان پر اس قدر رونق اور چمک تھی کہ لیٹی لیٹی قدرت خدا دیکھتی رہی یہاں تک کہ صبح صادق ہو گئی اور آسمان پر اجالا ہو کر یہ منظر نگاہوں سے روپوش ہو گیا۔ دل سرور سے لبریز تھا۔ کلمہ پڑھ کر نماز کے لئے اٹھی اور سب اٹھے تو ان سے بیان کیا۔ ہر ایک نے یہی کہا کہ ہمیں کیوں نہ اٹھایا۔

دوسری شب گذر کر تیسری شب کو پھر اسی وقت دو بجے کے قریب پھر آسمان پر جو نظر کی تو دیکھا کہ پورا کلمہ نہیں ہے صرف محمدؐ بہت صاف لکھا ہوا ہے۔ اب خیال آیا کہ آج صاف اور پورا کلمہ نہیں ہے۔ اسی حالت میں دیکھتے دیکھتے کچھ غنودگی سی طاری ہوئی تو آواز کسی کی آئی کہ یہ کلمہ نہیں ہے یہ تو محمدؐ احمدؐ نام ہے اسے خوب یاد رکھنا۔ آواز سن کر چونکی دیکھا تو کوئی نہ تھا۔ خیال آیا کہ کیا بطن میں جو بچہ ہے اس کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ یہ نام رکھا جائے یا کیا بھید ہے، کسی سے ذکر نہیں کیا صرف اپنے خاوند سے کہا۔ اسی خیال میں رہی۔ اسی طرح دو چار روز گذر گئے اور ایک شب کو

بڑی ہمشیرہ کی لڑکی بھی آئی ہوئی تھی اور میرے پاس ہی سو رہی تھی کہ اسی طرح بدستور نیند نہ آئی اور پچھلی شب پھر آسمان پر کچھ روشنی نظر آئی ۔ اب جو دیکھتی ہوں تو اسی طرح وہی صاف لفظوں میں کلمہ نظر کے سامنے ہے ۔ تھوڑی دیر تو دیکھتی رہی اور اس کے بعد بڑی مشکل سے زبان کھلی اور آہستہ آہستہ اپنی چھوٹی بچی کو پکارا مگر صاف الفاظ ادا نہ ہوئے ۔ بھانجی کی آنکھ کھلی اس نے کہا خالہ جان کیسے بول رہی ہو۔ زبان کو کیا ہوا کیا کہتی ہو۔ اب بمشکل اس سے کہا کہ آسمان پر دیکھ ۔ اس نے جو نظر اٹھائی تو اس نے بھی دیکھا اور اس نے میری چھوٹی جو ماشاء اللہ جوان ہے پاس ہی سو رہی تھی، اسے اٹھایا اور ان دونوں نے دیکھا مگر ان کے بعد اوروں کو جگانا چاہا تو ان لڑکیوں کی بھی زبان نہ کھلی نہ کسی کو جگایا گیا۔ اسی طرح یہ بھی دیکھتی رہیں۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ حیرت پر حیرت تھی کہ یہ کیا راز ہے ۔ آخر وہاں کے ایک مدرس جو بہت بڑے عالم ہیں ان سے یہ کہا گیا کہ عالم خواب نہیں ، بلکہ بیداری میں اور ہوش و حواس میں یہ منظر نظر آیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ان کے پیٹ میں کوئی نیک روح ہے اور ایک شب جو محمدؐ احمدؐ نام بتایا گیا ہے غالباً یہ اشارہ ہے کہ لڑکا ہو تو یہ نام رکھا جائے ۔

پھر ہمارے ایک عزیز مولوی و قاری صاحب آئے ان سے ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ان کا دماغ روشن ہے کوئی نیک بچّہ ہوگا۔ اسی کی نسبت یہ اشارہ ہے ۔

اس کے مہینہ یا بیس دن بعد ان کے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ اور ماشاء اللہ خوبصورت اور تندرست ہے ۔ خدا اسے عمر طبعی عطا فرمائے ۔ اس کی بعض حرکات و اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک اور عقلمند ہوگا۔ میں ان دو ستاروں کو ہر شب دیکھتی رہی پھر ان ستاروں کا چرچا اوروں میں بھی ہوا۔ کیونکہ یہ دو ستارے آسمان پر نمایاں طور پر دکھائی دیتے تھے اور قریب عشاء شمال مشرقی کونے پر ہوتے تھے اور پچھلی شب کو آسمان کے درمیان میں آجاتے تھے ۔ ایک ستارہ تو بہت زیادہ روشن جس کا رنگ کچھ سبزی مائل نظر آتا ہے ، دوسرا کم روشن کچھ سرخ معلوم ہوتا ہے اس کے لئے بڑی باتیں مشہور ہوئیں۔

کسی نے موجودہ لڑائی سے موسوم کیا کہ یہ ان کے ستارے ہیں۔ ایک کا روشن ایک کا مدھم ہے اور وہ ستارے آج تک بدستور نکلتے ہیں۔ مگر فرق یہ ہوگیا ہے کہ پہلے دونوں بہت قریب تھے اب ذرا فاصلہ پر ہیں۔ پچھلی شب بہت آب و تاب دکھاتے ہیں۔ کوئی مولوی عالم یا ستاروں کے ماہر علم روشنی ڈالیں کہ کیا بات ہے یہ ستارے کون سے ہیں اور میں نے جو ان کے متعلق واقعہ لکھا ہے بالکل سچا ہے ایک لفظ بھی غلط یا مبالغہ آمیز نہیں ہے۔ فقط

دنیا سے دنیا دار بھی تنگ آگئے

تہذیب جدید سے تنگ آکر قرآنی تعلیمات کا اعتراف

وائس چانسلر بنارس یونیورسٹی کی تقریر

لاہور۔ ۲۸ فروری ۔ دنیا کے موجودہ مصائب کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ تہذیب جدید کی بنیاد مادیت پر ہے ۔ جب تک ہم دنیا میں اپنا نظام جس کی بنیاد سچی روحانیت پر قائم نہیں کریں گے اس وقت تک امن قائم نہیں ہوسکتا۔

یہ وہ الفاظ ہیں جو سررادھا کشن وائس چانسلر بنارس یونیورسٹی نے آج چھ بجے شام اسپیڈ لا ہال میں " دنیا کا موجودہ ابتلاء " کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے کہے ۔ جلسہ ینگ انڈیا لیگ کے زیر اہتمام منعقد ہوا تھا اور راجہ زینا روناتھ نے صدارت کی۔ سررادھا کشن نے موجودہ جنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ " یہ جنگ حق اور باطل کے درمیان ایک جنگ ہے لیکن یہ سمجھنا غلط ہے کہ اس کے خاتمہ پر دنیا میں دائمی امن قائم ہوجائے گا۔ فتح ہٹلر کی ہو یا انگریزوں کی مغلوب فریق شکست کھانے کے بعد غالب سے بدلہ لینے کی تیاریاں کرے گا اور اس کے بعد ایک اور خوفناک جنگ ہوگی۔ ساری خرابیوں

کی جڑ یہ ہے کہ موجودہ تہذیب کی بنیاد مادیت پر ہے اور جب تک ہم دنیا میں ایک ایسا نظام
جس کی بنیاد سچی روحانیت پر ہو، قائم نہیں کریں گے اس وقت تک دائمی امن قائم
نہیں ہوسکتا۔ جب تک سیاسی اور معاشی اونچ نیچ باقی ہے۔ اس وقت تک یہ جھگڑے
نہیں مٹ سکے۔ (از اخبار وحدت دہلی مورخہ ۲۰ مارچ ۱۹۴۱ء)

حضرت ذوالبجادین کا اسلام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیطرف ایک نظر تمام دنیا وما فیہا سے بہتر ہے

آپ کا اسم گرامی عبداللہ بن عبدالنہم ہے اور ان حضرات میں سے ہیں جنہوں نے
سرور کائنات فخرِ موجودات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے آنکھیں روشن
کی ہیں۔ آپ یتیم بچے تھے۔ گذارہ کی کوئی صورت نہ تھی۔ اپنے چچا کی آغوش میں
تربیت پائی۔ جب ہوش سنبھالا فطرۃ سلیمہ نے اسلام کی طرف رغبت پیدا کردی۔ لیکن چچا
کے خوف سے پریشان تھے کہ کس طرح اسلام کا اعلان کروں۔ آخر ایک روز اس سعادت
ازلی کی کشش غالب آئی اور بے پرواہ ہوکر چچا سے عرض کیا کہ مذہب اسلام کو حق
سمجھتا ہوں اور اس کو قبول کرنے والا ہوں۔ چچا نے ہر طرح کا خوف دلایا اور کہ اگر
تم مسلمان ہوگئے تو میں نے جو کچھ تمہیں دیا ہے سب چھین لوں گا مگر یہ وہ نشہ نہیں،
جسے ترشی اتار دے۔ ہنس کر کہا کہ اے عم بزرگوار۔

"بخدا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ایک مرتبہ نظر کرلینا
ساری دنیا اور اس کے تمام مال و متاع سے زیادہ بہتر ہے۔"

چچا نے یہ پختگی دیکھی تو بدن کے کپڑے تک اتار لئے۔ والدہ نے بمشکل ایک

چادر ان کو ستر پوشی کیلئے دی جس کے دو ٹکڑے کر کے آپ نے ایک کا تہبند اور دوسرے کی چادر بنالی اور سامان بے سروسامانی کے ساتھ شاداں و فرحاں مسلمانوں کی جماعت میں آملے۔

(الدہش لابن الجوزی ص ۱۷۶)

دو کپڑوں کی وجہ سے آپ کا نام ذوالبجادین مشہور ہوگیا۔ ہمارے خواجہ صاحب نے خوب فرمایا ہے۔

ادھر ٹکڑے تھا دامن اور ادھر پرزے گریبان تھا مگر ماننِد گل میں ان پھٹے حالوں میں خنداں تھا
کسی کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہو کر تو اپنا بوریا بھی پھر ہمیں تخت سلیماں تھا

ولنعم ما قیل فی احوال المحبین

ولقیت فی حبک مالم یلقہ فی حب لیلٰی قیسها المجنون

"آپ کی محبت میں، میں نے وہ تکلیفیں اٹھائیں جو قیس نے لیلٰی کی محبت میں نہیں اٹھائیں"

لکننی لم اتبع وحش الفلا کفعال قیس والجنون والفنون

بجز اس کے کہ میں قیس مجنون کی طرح وحشی جانوروں کے پیچھے نہیں پھرا لیکن جنون کی بہت قسمیں ہیں۔"

عجائب قدرت کا ایک نمونہ، ایک ہی وقت میں دو شخصوں کی فوق العادت تربیت، پھر ان میں سے ایک نبی ہوئے، دوسرا گمراہ۔

قرآن مجید میں امم سابقہ کے کفار میں سے صرف چھ شخصوں کے نام مذکور ہیں آزر، جالوت، فرعون، ہامان، قارون، سامری۔ آخری الذکر کا نام موسٰی بن ظفر ہے اور پیغمبر اولوالعزم حضرت موسٰی علیہ السلام کا رشتہ دار اور ہمقرن ہے۔ اور جس طرح حضرت موسٰی علی نبینا علیہ الصلوۃ والسلام کی پرورش حق تعالٰی کی حکمتِ غامضہ اور قدرتِ کاملہ کا ایک خاص نمونہ ہے، کہ دشمنوں کے گھر میں دشمنوں کی گود میں ان کی پرورش کرائی گئی۔ اسی طرح اس موسٰی بن ظفر (سامری) کی تربیت بھی فوق العادت طریق سے اس طرح کی گئی کہ جب یہ بچّہ پیدا ہوا اور فرعونی قانون کے ماتحت اس کا ذبح کر دینا ضروری ہوا تو اس کی والدہ نے یہ

خیال کرکے کہ اپنے سامنے اپنے بچّہ کو ذبح ہوتا ہوا نہ دیکھوں اس کو ایک غار کے اندر چھپا دیا اور اس غار کے اوپر پتھر رکھ دیا۔ اب یہ بے کس بچّہ جس کو اس شفیق والدہ نے مایوس ہوکر اپنے ہاتھوں موت کے منہ میں ڈال دیا تھا، بیکسوں کے وارث اور بے سہاروں کے سہارے حق تعالیٰ نے اس کو اپنی خاص تربیت میں لے لیا۔ جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس کو غذا پہنچائیں۔ وہ روزانہ ایک انگلی پر دودھ دوسری پر شہد تیسری پر گھی لگا کر اس کو چٹاتے تھے۔ یہاں تک کہ اسی تنگ و تاریک غار میں یہ لاوارث بچّہ پرورش پاگیا اور چلنے پھرنے لگا۔ اب خدا تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ ایک وقت میں دو موسیٰ پیدا ہوئے دونوں کی تربیت اور پرورش خرق عادت کے طور پر کرائی گئی۔ ایک نے فرعون جیسے کافر کے گھر میں پرورش پائی۔ دوسرا جبرئیل علیہ السلام جیسی مقدس ہستی کے ہاتھوں پلا۔ لیکن فرعون کے گھر میں پلنے والا خدا تعالیٰ کا برگزیدہ اور اولوالعزم رسول و نبی ہوا اور جبرئیل علیہ السلام کے ہاتھوں تربیت پانے والا منافق اور کافر نکلا۔ سچ فرمایا ہے۔

خلیلے بر آری زبت خانہ
کنی آشنائے زبیگانہ

اسی حیرت انگیز واقعہ کو کسی شاعر نے نظم کیا ہے

اذا* المرء لم یخلق سعیداً تحیرت
عقول مربیہ و خاب المؤمل

فموسیٰ** الذی رباہ جبرئیل کافراً
وموسیٰ الذی رباہ فرعون مرسل

(نجیب المسلمین بکلام رب العالمین ص ۱۶۷)

☆ ترجمہ:۔ جب کوئی انسان اول خلقت میں نیک بخت نہ پیدا ہوا ہو تو تربیت کرنے والوں کی عقلیں حیران رہ جاتی ہیں اور اس سے امید رکھنے والے محروم رہ جاتے ہیں۔

☆☆ پس وہ موسیٰ جس کو جبرئیل علیہ السلام نے پرورش کیا تھا کافر رہا اور وہ موسیٰ جن کو فرعون نے پالا تھا خدا کے رسول ہوئے۔

روح اور بدن کا تعلق، عالمِ دنیا، عالمِ برزخ، عالم آخرت میں

یہ مسئلہ اہلِ علم اور عوام دونوں طبقوں میں زیرِ بحث بھی ہے اور وقت طلب بھی اور اسی مسئلہ کے حل پر اس سوال کا حل موقوف ہے کہ قبر کا عذاب و ثواب صرف روح پر ہے یا بدن کو بھی شریک کہا جاوے۔ تو بعد فنائے بدن کے اس کی کیا صورت ہوگی۔ حافظ حدیث علامہ ابن قیّم جوزیہ نے کتاب الروح میں اس مسئلہ پر نہایت کافی و شافی محققانہ کلام کیا ہے جس کے ضروری اجزاء لکھے جاتے ہیں روح کا تعلق بدن کے ساتھ انسان کے ہر دور حیات میں مختلف طرح کا ہے اور حیات انسانی پر پانچ دور آتے ہیں ایک جبکہ بچّہ ماں کے پیٹ میں ہے اس میں روح ڈالی جاتی ہے دوسرے جب پیدا ہوکر زمین پر آتا ہے۔ تیسرے نیند کی حالت میں کہ ایک گونہ روح کی مفارقت بدن سے ہوتی ہے مگر تعلق قوی قائم رہتا ہے۔ چوتھے انتقال کے بعد برزخ میں کہ روح کی بدن سے مفارقت ہوجاتی ہے مگر بالکل بے تعلقی نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک قسم کا تعلق برابر رہتا ہے اور جب کوئی شخص قبر پر جاکر اس کو سلام کرتا تو بتصریح احادیث صحیحہ روح بدن کی طرف لوٹتی ہے۔ گو اس اعادہ سے حیات کاملہ حاصل نہ ہو۔ پانچویں عالم آخرت میں اور یہ تعلق تمام ادوارِ حیات سے زیادہ قوی تعلق ہوگا۔ کیونکہ اس میں روح و جسم کے تعلق پر نہ موت کی مفارقت عارض ہوگی نہ نیند یا فساد وغیرہ کی۔ الغرض ان پانچوں ادوار حیات میں روح کا تعلق بدن کے ساتھ مختلف کیفیات و درجات پر رہتا ہے کہیں یہ تعلق ضعیف ہے کہیں قوی کہیں اقویٰ۔ پھر انسان کے رہنے سہنے کی جگہ اور مستقر تین ہیں۔ دارِ دنیا، جس میں ہم اس وقت ہیں۔ تعلق روح و جسد کے ابتدائی

تین درجے اسی عالم میں ہیں۔ پھر برزخ یعنی عالم قبر پھر عالم آخرت۔ ان تینوں عالموں میں روح و جسد کے احکام و احوال مختلف ہیں۔ بعض میں تمام احکام کا تعلق بالذات بدن کے ساتھ ہے۔ روح اس کے تابع ہے۔ اور بعض میں اس کے برعکس اصالۃً اور بالذات معاملات کا تعلق روح کے ساتھ ہے بدن اس کے تابع ہے اور بعض میں روح و بدن دونوں یکساں حیثیت میں ہیں۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ عالم دنیا میں تو تمام تکلیفات احکام اور رنج و راحت جزاء و سزا کا تعلق بالذات جسم و بدن کے ساتھ ہے روح اس کے تابع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں تمام احکام شرعیہ کا تعلق جسم اور اس کے اعضاء و جوارح کی حرکات و سکنات سے ہے۔ دل میں اگرچہ اس کے خلاف ہو۔ احکام اسلام کا زبان سے اقرار کرنے والا احکام دنیا میں مسلمان ہی قرار دیا جاتا ہے گو اس کے دل میں کفر ہو۔ پھر کافر و مجرم پر بھی جو سزا جاری کی جاتی ہے وہ بلاواسطہ جسم ہی پر پڑتی ہے روح کو بالتبع اس کی تکلیف پہنچتی ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جتنے احکام ہیں سب جسم ہی سے متعلق ہیں روح سب میں تابع جسد ہے، عمدہ کھانے پینے اور خوش منظر لباس و مکان وغیرہ کی راحت بھی بلاواسطہ جسم کو پہنچتی ہے۔ اس کے واسطہ سے روح کو۔ الغرض عالم دنیا کے تمام کام اور سب احکام پر ایک ایک کرکے غور کیجیئے تو سب کا بلا واسطہ تعلق جسم و بدن سے معلوم ہوگا اس کے واسطہ سے روح پر اثر پہنچے گا۔ اور عالم برزخ (قبر میں معاملہ برعکس ہے) کہ جملہ احکام و معاملات اور جزاء و سزاء اور عذاب و ثواب کا تعلق بلا واسطہ روح کے ساتھ ہے جسم اس کے تابع ہے۔ جس طرح دنیا میں اجسام ظاہر تھے اور ارواح ان میں پوشیدہ تھیں اجسام ارواح کے لئے بمنزلہ قبور تھے۔ تمام رنج و راحت اور امراض و آفات ابدان پر آتے تھے روح تبعاً متاثر ہوتی تھی، اسی طرح برزخ میں ارواح کھلی ہوئی اور ابدان مستور فی القبور ہیں۔ برزخ کا عذاب و ثواب اور تنگی و فراخی سب بلا واسطہ روح پر آتی ہیں۔ بدن جس وقت تک موجود ہے وہ بھی بواسطہ متاثر ہوتا رہتا ہے اور جس طرح دنیا میں صرف بدن

کے تاثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ روح کے تاثرات بلا واسطہ معلوم نہیں ہوتے ۔ اسی طرح برزخ میں اجسام کے تاثرات نظر نہیں آتے اور ارواح کے تاثرات ہر اس شخص پر ظاہر ہوسکتے ہیں جو روح کا مشاہدہ کرتا ہے ۔ البتہ بعض اوقات روح کے عذاب و ثواب کا اثر اتنا قوی ہوتا ہے کہ بدن پر ظاہر بھی ہوجاتا ہے جیسا کہ قبروں کے لاتعداد مشاہدات و واقعات اس پر شاہد ہیں کہ کسی لاش پر سانپ بچھو لپٹے ہوئے پائے گئے ، کسی قبر میں آگ دیکھی گئی۔ کسی کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھا گیا اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں جو نہایت مستند اور معتبر طریق پر ہر زمانہ کی تاریخ میں منقول ہیں۔ کتاب الروح، شرح الصدور اور تذکرہ قرطبی میں یہ واقعات معتبر طرق سے لکھے ہیں۔

الغرض بعض اوقات روح کے عذاب و ثواب کا اثر بدن پر بھی محسوس ہوجاتا ہے لیکن ضروری نہیں۔ اس کا ایک نمونہ حق تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں بھی دکھلا دیا ہے کہ عالم خواب میں خواب دیکھنے والا طرح طرح کے عذاب اور تکالیف یا راحت و لذت حاصل کرتا ہے ، نقل و حرکت کرتا ہے لیکن بدن پر عموماً اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ بعض اوقات ہو بھی جاتا ہے جبکہ خواب میں کوئی تکلیف و مصیبت دیکھی اور رونے لگا یا چلایا بعض اوقات اٹھ کر کھڑا ہوجاتا ہے چلنے لگتا ہے لیکن بدن پر ان اثرات کا ظہور ضروری نہیں۔ کبھی ہوجاتا ہے کبھی نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض اوقات ایک ہی بستر پر دو آدمی سوتے ہیں ایک کوئی مصیبت و تکلیف دیکھ کر اٹھتا ہے اور بدن پر بھی اس کا اثر محسوس کرتا ہے دوسرا آدمی راحت و لذت دیکھ کر اٹھتا ہے اور بدن پر بھی اس کا اثر محسوس کرتا ہے لیکن ایک کے حال کی دوسرے کو قطعاً خبر نہیں ہوتی۔ الغرض عالم برزخ میں روح اصل اور بدن اس کے تابع ہے ۔ اور عالم آخرت میں روح اور بدن دونوں یکساں حیثیت میں ہوں گے دونوں کے عذاب و ثواب بلا واسطہ ہوں گے یہی وجہ ہے کہ بدن کو بھی فنا نہ ہونے دیا جائے گا۔

کما قال اللہ تعالیٰ واذا نضجت جلودھم دوزخیوں کی کھال جل جاوے گی توہم انکو دوسری

بدلناھم جلودا غیرھا لیذوقوا العذاب کھال بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھتے رہیں

حافظ ابن قیمؒ کی اس تحقیق نیق نے عذابِ قبر کے متعلق اکثر اشکالات رفع ہوجاتے ہیں۔ وللہِ الحمد (کتاب الروح ص ۱۰۱) (بندہ محمد شفیع ۱۴ صفر ۱۳۶۰ھ)

علماء سلف و خلف کے علم میں فرق

آٹھویں صدی ہجری کے مشہور و معروف امام حدیث علامہ ابن رجب حنبلیؒ نے عنوان صدر پر ایک مستقل رسالہ فضل علم السلف علی الخلف تصنیف فرما کر علماءِ امت کے لئے اس روحِ علم کی طرف رہنمائی کی ہے کہ جس سے غفلت برتنے کی وجہ سے علم کے انوار و برکات سے بہت سے اہل علم محروم ہوجاتے ہیں۔ اس رسالہ کے اہم اجزاء کا خلاصہ اردو میں لکھا جاتا ہے اس میں سب سے بڑی بحث اشتغالِ علم کا طریق اور مسائلِ علمیہ کا طرزِ تحقیق ہے ۔ علماء متاخرین، فقہاء و متکلمین کو بضرورت مسائل کی تدقیق و تحقیق میں بال کی کھال نکالنی پڑی اور لمبی چوڑی تقریریں اور بحث مباحثے کرنا پڑے یہ حضرات اس میں بلاشبہ معذور بلکہ ماجور تھے ۔

لیکن ان کے بعد آنے والا طبقہ ان کے طرزِ عمل سے ایک مغالطہ میں پڑگیا۔ انہوں نے اس مراء و جدال اور بحث و مباحثہ قیل و قال ہی کا نام علم رکھ دیا۔ ان کے نزدیک سب سے بڑا عالم وہ ٹھہر گیا جو مسائل اختلاف میں لمبی چوڑی تقریروں اور وزن دار الفاظ سے مجمع کو محو حیرت بنادے ۔

اور یہ ایسا شدید مغالطہ تھا کہ اس میں مبتلا رہتے ہوئے جو معیار علم قائم کیا جاسکتا ہے، اس پر امت کے سب سے پہلے اور سب سے بڑے علماء حضرات صحابہ و تابعین ہی پورے نہیں اترتے ۔ علامہ موصوف نے اس رسالہ میں واضح کردیا کہ سلف صالحین جو اس بحث و مناظرہ اور طویل تقریروں میں نہیں پڑے تو یہ ان کے عجز اور ناواقفیت کی بناء

پر نہ تھا بلکہ انہوں نے اس کو لغو و فضول بلکہ مضر اور سدِّ راہ سمجھ کر چھوڑ دیا تھا جس کو امام ابن سیرینؒ نے صاف لفظوں میں ظاہر بھی فرمادیا ہے۔

حضرات متاخرین جو اس میں مبتلا ہوئے یہ ان کی فضیلت کی دلیل نہیں، بلکہ ان کے کمالات کی بناء پر ان کے اس فعل کی تاویل ضروری ہے۔ اور تاویل یہی ہے کہ وقتی ضرورتوں نے انہیں اس کے لئے مجبور کیا۔ دراصل علم اور طریق علم وہی تھا جو سلف صالحین صحابہ و تابعین کا معمول تھا۔ ان میں اگر کسی نے بے ضرورت یا زائد از ضرورت اس مراء و جدال کو مشغلہ بنایا ہے تو وہ کسی کے نزدیک محمود نہیں۔ اسی کے متعلق علامہ ابن رجبؒ کا یہ قول بالکل صحیح ہے کہ

وصار ذلک علمهم حتّٰی شغلهم عن العلم النافع

"انلوگوں کا علم بھی بحث مباحثہ رہ گیا یہاں تک کہ اسنے انکو علم نافع سے غافل کردیا"

اور بعض حضرات سلف کا ارشاد ہے۔

اذا اراد اللّٰه بعبد خیرا فتح له باب العمل واغلق عنه باب الجدل۔ واذا اراد اللّٰه بعبده شرا اغلق عنه باب العمل و فتح له باب الجدل۔

"جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کیلئے بھلائی چاہتے ہیں تو اس کیلئے عمل کا دروازہ کھول دیتے ہیں اور جدل واختلاف کا دروازہ بند کر دیتے ہیں اور جب کسی بندہ کیلئے برائی مقدر ہوتی ہے تو اس کیلئے عمل کا عمل کا دروازہ بند کردیتے ہیں اور جدل اور قیل و قال کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔"

اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ طیبہ میں جن بزرگوں کو پایا ہے وہ سب اس قسم کی قیل وقال میں تطویل و تدقیق کو مکروہ سمجھتے تھے۔ حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ اگر ایک شخص عالم بالسنۃ ہو اور وہ غلط معانی بیان کرنے والوں پر رد کرکے سنت کی حفاظت کرے تو اس میں کیا مضائقہ ہے۔ فرمایا۔ نہیں اسے بھی اس میں غلو اور تدقیق نہ کرنا چاہئے۔ حدیث (اور اس کا مفہوم صحیح) بیان کرکے فارغ ہوجاوے۔ اگر مخاطب قبول کرلے تو بہتر ورنہ سکوت کرے زیادہ بحث

میں نہ پڑے۔

اور فرمایا کہ علم میں زیادہ بحث و جدال سے نورِ علم فنا ہوجاتا ہے اور دلِ سخت ہوجاتا ہے اور بغض و کینہ پیدا ہوجاتا ہے۔

اور حسن بصریؒ نے ایک جماعت کو دیکھا جو بعض مسائلِ علمیہ میں بحث و مجادلہ کررہے تھے تو فرمایا۔

ھٰؤلاء قوم ملّوا العبادة وخف علیھم القول وقل ورعھم فتکلّموا "یہ لوگ عبادت سے اکتا گئے اور باتیں بنانا انہیں آسان معلوم ہوا اور تقویٰ اکا کم ہوگیا اسلئے کلام کو مشغلہ بنالیا"

اور حضرت محمد بن سیرینؒ جو ائمہ تابعین میں سے ہیں۔ ایک صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بعض مسائل میں گفتگو شروع کی۔ امام موصوف نے اس کے طرز گفتگو سے سمجھ لیا کہ ان کی غرض محض مسئلہ معلوم کرنا نہیں، بلکہ بحث کرنا ہے تو فرمایا۔

"اگر میں بحث کرنا چاہوں تو الحمدللہ تم سے زیادہ مجھے اس کے طریقے معلوم ہیں، لیکن میں بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔"

حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مسائلِ علمیہ میں کبھی بحث و مناظرہ نہیں کیا اور جعفر بن محمدؒ فرماتے ہیں۔

ایّاکم والخصومات فی الدین فانھا تشغل القلب وتورث النفاق۔ "دین کے معاملات میں جھگڑا کرنے سے بچو، کیونکہ وہ قلب کو ذکر اللہ سے غافل کردیتا اور نفاق پیدا کردیتا ہے"

اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ فرماتے ہیں۔

ان السابقین عن علم وقفوا وببصر نافذ قد کفوا وکانوا اھم اقوی علی البحث لو بحثوا۔ "سلف جو قیل و قال سے بچے ہیں وہ علم کی وجہ سے بچے (نہ کہ عجز و ناواقفیت سے) اور مکمل بصیرت پر انہوں نے لوگوں کو قیل و قال سے روکا ہے اور اگر وہ بحث کرنا چاہتے تو وہ سب سے زیادہ اس پر قادر تھے"

یہ خلاصہ ہے اس کلام کا جو ابن رجبؒ نے سلف صالحین کے علوم اور طرز کلام کے متعلق لکھا ہے۔ اس کے بعد متاخّرین کے مغالطہ اور تدقیق و زبان آوری کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

اب بہت سے متاخرین اس مغالطہ میں ہیں کہ جس شخص کا بیان طویل اور جدال و خصام زیادہ ہو وہ ان لوگوں سے زیادہ عالم ہے جو اس طرز پر نہیں۔ اور یہ خالص جہل ہے

آپ اگر علماء صحابہ اور ائمہ سلف صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ علی مرتضیٰؓ معاذ بن جبلؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، زید بن ثابتؓ جیسے جبال علوم کے حالات پر نظر ڈالیں گے تو معلوم ہوگا کہ کلام بہ نسبت ابن عباسؓ کے کم ہے۔ حالانکہ عالم اسلام کا اجماع ہے کہ یہ حضرات بلاشبہ ابن عباسؓ سے اعلم تھے اسی طرح تبع تابعین کا کلام بہ نسبت تابعی کے زیادہ ہے، حالانکہ تابعین ان سے اعلم اور ان کے اساتذہ ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کثرتِ روایت یا عمدگی تقریر کا نام نہیں، بلکہ وہ ایک نورِ الٰہی ہے جو مومن کے قلب میں ڈالا جاتا ہے جس سے اس کو حق و باطل اور حق تعالیٰ کی مرضی و نا مرضی مین امتیاز ہوجاتا ہے۔

خود بارگاہ رسالت و نبّوت کے کلام کا بڑا امتیاز یہ ہے کہ آپ نے اپنی خصوصیات ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

او تیت جوامع الکلم "مجھے مختصر اور جامع کلام دیا گیا ہے"

معلوم ہوا کہ اس وقت جو بہت سے عوام بلکہ بعض خواص بھی زیادہ لمبی تقریریں کرنے والوں اور بحث و مباحثہ میں کامیاب رہنے والوں کو اعلم سمجھتے ہیں یہ محض جہل اور حالات سلف سے ناواقفیت ہے۔ صحابہ کرامؓ کے بعد ائمہ دین سفیان ثوریؒ اوزاعیؒ، لیث بن سعدؒ، عبداللہ بن مبارکؒ اور ان کے ہم طبقہ حضرات کو دیکھئے کہ ان کا کلام اور تقریریں ان کے بعد آنے والے طبقہ سے بہت کم ہیں۔ حالانکہ یہی حضرات بعد کے

آنے والوں کے اساتذہ اور اسوہ و قدوہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صحابہ کو خطاب کرکے فرماتے ہیں کہ تم ایسے زمانہ میں ہو کہ جس میں تقریریں کرنے والے کم ہیں سمجھنے والے زیادہ اور عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں تقریریں کرنے والے زیادہ اور سمجھنے والے کم ہوں گے۔

علم نافع اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ علم نافع وہی ہے جو سلف صالحین کا علم تھا یعنی نصوص کتاب و سنت کا ضبط کرنا اور ان کے معانی متعین کرنے میں حضرات صحابہ اور تابعین کے ارشادات کے ساتھ مقیّد رہنا اور جس شخص نے علم کو اس طرز پر حاصل کیا اور اپنی نیت کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خالص کرلیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس کو علم کا حقیقی ثمر یعنی خشیۃ اللہ حاصل ہوگا۔ جس کی طرف آیۃ کریمہ کا اشارہ ہے۔

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماءُ "اللہ تعالیٰ سے علماء ہی ڈرتے ہیں"

اسی لئے بعض سلف نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ عالم ہے اور جو اس کی نافرمانی کرتا ہے وہ جاہل ہے۔ وھٰذا اٰخرما اردت من تلخیص الرسالۃ فضل علم السلف علی الخلف واللہ اسال العلم النافع واعوذبہ من کل علم لا ینفع وقلب لا یخشع و سماع لا یسمع۔

راسخین فی العلم کون حضرات ہیں

از تقریر شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند

۱۵ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ کو عزیز محترم مولانا عطاء محمد صاحب ہراتی فارغ التحصیل دارالعلوم دیوبند کی دستار بندی کی تقریب پر مسجدِ دارالعلوم میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں مولانا موصوف نے ایک مختصر تقریر میں علم حقیقی کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ قرآن مجید میں راسخین فی العلم کی مدح کی گئی ہے، لیکن مجھے ایک مدت

تک خیال تھا کہ قرآن و سنت کی زبان میں راسخ فی العلم کسے کہتے ہیں اور رسوخ فی العلم کا نصاب اور معیار کیا ہے ۔ الحمدللہ کہ ایک حدیث نے اس سوال کو حل کیا جس میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرات صحابہ نے یہی سوال کیا ہے کہ راسخین فی العلم کون لوگ ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

من برّت یمینُہ وصدقُت لسانُہ و استقام قلبُہ وعف فرَجہٗ و بطنَہ فاؤلٰئک من الراسخین فی العلم (رواہ ابن ابی حاتم وذکر فی شرح تحریر الاصول)

"جسکی قسم (اور عہد و پیمان) پورا ہو اور زبان سچی ہو اور دل مستقیم ہو اور پیٹ اور شرمگاہ عفیف ہو (یعنی) بھوک اور شہوت کیوجہ سے کسی ناجائز چیز میں مبتلا نہ ہوں) وہ راسخین فی العلم میں داخل ہیں"

اس کے بعد فرمایا کہ علم کا سیماء (علامت) خشیّت خداوندی ہے جس میں یہ نہیں، وہ عالم نہیں، گو وہ تقریر کتنی ہی بہتر کرے ۔ اور تحقیقات علّمیہ میں کتنا ہی ماہر ہو۔

اہل حق اور اہل باطل میں ایک خاص فرق

حضرت وکیعؒ جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد اور جلیل القدر امام ہیں فرماتے ہیں کہ مصنفین اہلِ حق اور اہلِ باطل میں یہ فرق ہے کہ اہل حق جس باب میں تحریر کرتے ہیں اس باب کی متعلقہ روایات سب لکھتے ہیں۔ خواہ وہ ان کے مذہب کے موافق ہوں یا کہ مخالف ۔ اور اہل باطل صرف ان چیزوں کا انتخاب کرتے ہیں جو ان کے مذہب و رائے کے مطابق ہوں۔ (سنن دار قطنی کتاب الطہارۃ)

عجائبِ تواریخ

منقول از المدہش مصنفہ حافظ حدیث

ابو الفرج ابن جوزی بغدادی

چار بھائی کہ ان میں سے ہر ایک کے درمیان دس سال کا فاصلہ ہے اور یہ چاروں حضرات ابو طالبؓ کی اولاد ہیں۔ حضرت طالبؓ، حضرت عقیلؓ حضرت جعفرؓ حضرت علی مرتضیٰؓ کیونکہ طالب عقیل سے دس سال بڑے اور عقیل جعفر سے دس سال بڑے اور جعفر حضرت علیؓ سے دس سال بڑے تھے۔ موسیٰ بن عبیدہ ربذی اپنے بھائی عبداللہ سے اسی سال چھوٹے تھے۔

اور یہ بھی عجائب میں سے ہے کہ حضرت مہلب ابن ابی صفرہؓ کے تین صاحبزادے یزیدؔ، زیادؔ اور مدرکؔ ایک ہی سال میں پیدا ہوئے ایک ہی سال میں شہید ہوئے۔ تینوں کی عمریں اڑتالیس سال ہوئیں۔

یہ بھی عجائب عالم میں سے ہے کہ چار حضرات، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر لیثیؒ اور خلیفہ سعدی اور جعفر بن سلیمان ہاشمی۔ ان میں سے ہر ایک کی اولاد سو سو نفر ہوئی۔

ربیع الاول ۱۹۰ھ کی چودھویں شب بھی عجائب قدرت سے ہے کہ اس میں ایک بادشاہ ہادیؔ کا انتقال ہوا اور دوسرے بادشاہ ہارونؔ رشید کی تخت نشینی کا جشن ہوا۔ اور تیسرے بادشاہ مامونؔ پیدا ہوئے۔

عرب میں فن قیافہ و عیافہ

قیافہؔ کسی انسان یا جانور وغیرہ کے ظاہری آثار و علامات دیکھ کر ان سے اس کے

باطنی حالات پر استدلال کرنے کو کہتے ہیں اور عیافہ جانوروں کے اڑنے اور چلنے پھرنے سے انسان کے مخفی حالات پر استدلال کا نام ہے۔ عرب میں یہ دونوں ایسے مکمل تھے کہ ان کے واقعات سن کر حیرت ہوجاتی ہے۔

علامہ ابن الاثیر نے اپنی تاریخ میں قبیلہ بنی اسد کے عیافہ کا واقعہ لکھا ہے جس کو نقل کیا جاتا ہے

بنی اسد اس فن کے ماہر مشہور تھے۔ ایک مرتبہ جنات کے کسی مجمع میں اس کا تذکرہ ہوا۔ ان میں سے چند اشخاص اس کا امتحان کرنے کے لئے اٹھے اور بصورت آدمی اس قبیلہ میں پہنچے۔ اور بیان کیا کہ ہماری ناقہ کھو گئی ہے ہم چاہتے ہیں کہ آپ اپنے قبیلہ کا کوئی آدمی ہمارے ساتھ بھیج دیں جو اپنے فنِ عیافہ کے ذریعہ ہماری گمشدہ ناقہ کا پتا لگا دے۔

اس قبیلہ نے اپنے میں سے ایک چھوٹے لڑکے کو ان کے ساتھ کردیا یہ لڑکا ان کے ساتھ اونٹ پر سوار ہوکر روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک باز اڑتا ہوا سامنے آیا جس نے ایک بازو لٹکا رکھا تھا۔ لڑکا اس کو دیکھ کر رونے لگا۔ انہوں نے سبب پوچھا تو بے تامل کہہ دیا۔

کسرت جناحاً و رفعت جناحاً	باز نے ایک پر اٹھایا اور دوسرا لٹکا
و حلفت اللہ صراحاً ما انتم	دیا گویا صراحۃ اللہ کی قسم کھائی کہ
بانسی ولاتبغی لقاحاً (رسائل	نہ تم انسان ہو اور نہ تمہاری غرض
ابن رجب ص ۱۱)	ناقہ کی تلاش ہے۔"

سمت قبلہ کیلئے حساباتِ ریاضی یا نجوم سے استدلال

علامہ ابن رجب حنبلی متوفی ۹۵ھ اپنے رسالہ فضل علم السلف علی الخلف میں

لکھتے ہیں کہ علم تسییر یعنی حرکات نجوم وغیرہ سے سمندر میں راستہ یا سمت قبلہ معلوم کرنے میں بضرورت فائدہ اٹھانا جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے لیکن اس میں تدقیق اور غلو ناجائز و مضر ہے کیونکہ اس میں تدقیق کا نتیجہ بعض اوقات یہ ہوجاتا ہے کہ مسلمانوں کی عام مساجد اور محاریب صحابہ کے متعلق بدگمانی پیدا ہوجاتی ہے اور یہ اس وہم میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ صحابہ و تابعین اور تمام مسلمانوں نے سمتِ قبلہ میں خطا کی ہے اور ایسا خیال کرنا قطعاً باطل ہے اور اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل نے ستارہ جدی سے سمت قبلہ پر استدلال کرنے کو منع فرمایا ہے۔ (ص ۱۲)

تقلید صحابہؓ کیلئے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا ارشاد

ارشاد فرمایا۔

خذوا من الرأی ما یوافق من کان قبلکم فانھم کانوا اعلم منکم (فضل علم السلف لابن رجب ص ۲۰)

"اس قیاس کو اختیار کرو جو تم سے پہلے حضرات کی رائے کے موافق ہو۔ کیونکہ وہ تم سے زیادہ اعلم تھے۔"

(بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند، ۱۷ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ)

عجائبِ تواریخ۔ مصائبِ دنیا قحط اور زلزلے اور وبائیں

دنیا میں جس طرح نعمتوں کی کوئی انتہا نہیں ہر بڑی نعمت سے زیادہ بڑی نعمت ہو سکتی ہے اسی طرح مصیبتوں کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ ہر مصیبت سے بڑی مصیبت ہوسکتی ہے اس مختصر مضمون میں علامہ ابن جوزی کی کتاب الدہش سے کچھ مصائب و حوادث

کے واقعات لکھے جاتے ہیں جو دنیا کے مختلف ادوار میں پیش آچکے ہیں۔ اس کے پیش کرنے میں ایک تاریخی افادہ کے علاوہ میری غرض یہ بھی ہے کہ جو لوگ کسی مصیبت و حادثہ میں مبتلا ہوں وہ ان وقائع کو دیکھ کر تسلی حاصل کریں کیونکہ انسان کا فطری امر ہے کہ اپنے سے زیادہ گرفتار بلا کو دیکھ کر صبر آجاتا ہے ۔ ۱۸ھ فاروق اعظمؓ کے عہد میں بارش کا ایسا قحط پڑا کہ ہوا میں بجائے غبار کے راکھ اڑتی نظر آتی تھی اسی لئے اس سال کا نام عام الرمادہ ہوگیا۔ وحشی جانور بھوک پیاس سے عاجز ہوکر انسانوں کے پاس آجاتے تھے ۔ اس قحط میں حضرت فاروق اعظمؓ نے یہ عہد کرلیا تھا کہ گھی دودھ اس وقت تک نہ کھاؤں گا جب تک قحط رفع نہ ہو، اور عام مسلمان یہ چیزیں نہ کھانے لگیں۔ ۶۴ھ میں بصرہ کے اندر ایسا شدید طاعون آیا کہ امیر بلدہ کی والدہ کا انتقال ہوا تو اس کا جنازہ اٹھانے کے لئے چار آدمی نہ ملے ۔ ۹۶ھ میں طاعونِ جارف کا واقعہ پیش آیا۔ جس میں تین دن کے اندر ستر ہزار آدمی ہلاک ہوئے ۔ اسی طاعون میں حضرت انسؓ کے اسی لڑکے مبتلا ہو کر انتقال کرگئے ۔ (حضرت انسؓ کی کل اولاد سو سے کچھ زائد تھی) اس واقعہ میں مرنے والوں کو قبرستان تک لے جانا اور قبر میں دفن کرنا ناممکن ہوگیا تھا اس لئے جب سارے گھر والے مرجاتے تو سب کو ایک کوٹھے میں بند کرکے ان کا دروازہ اینٹ گارے سے بند کردیا جاتا تھا۔ ۱۳۱ھ میں طاعون آیا تو پہلے دن میں ستر ہزار، دوسرے دن میں ستر ہزار سے کچھ زائد ہلاک ہوئے اور تیسرے دن سب آدمی ٹھنڈے ہوگئے ۔ ۳۳۴ھ میں ایسا قحط پڑا کہ لوگ اپنے بچّوں کو ذبح کرکے کھانے لگے اور مردار جانور کھائے جانے لگے اور چند روٹیوں کے بدلے میں بڑی بڑی جائیدادیں فروخت کردی گئیں ۔ معزالدولۃ امیرِ وقت کے لئے بیس ہزار روپے میں ایک (کُر) گیہوں خریدے گئے (ایک کُر ہمارے وزن سے تقریباً اسی من ہوتا ہے) جس کے حساب سے دو سو روپیہ کا ایک من اور پانچ روپیہ کا ایک سیر ہوتا ہے ۔ ۴۴۸ھ میں قحط اس قدر شدید ہوا کہ پانچ سیر غلہ سات گنی میں اور ایک انار ایک گنی ایک لکڑی ایک گنی میں فروخت ہوتی تھی۔

اور مصر سے خبر پہنچی کہ تین چوروں نے ایک گھر میں نقب دیا۔ صبح کے وقت تینوں مرے ہوئے پائے گئے۔ ایک نقب کے دروازہ پر، دوسرا سیڑھی پر، تیسرا کپڑوں کی بندھی ہوئی گٹھڑی پر۔ ۴۶۲ھ میں اس قدر شدید قحط اور وبا اس قدر عام ہوگئی کہ آدمی آدمی کو کھانے لگے اور بادام اور شکر روپیہ کی روپیہ بھر آنے لگی۔ اسی قحط میں وزیر ایک روز اپنے گھوڑے سے ایک جگہ اترے تو تین آدمیوں نے دوڑ کر گھوڑے کو ذبح کیا اور کچا گوشت کھانے لگے۔ اس پر وزیر نے ان تینوں کو سولی چڑھا دیا۔ صبح کو دیکھا کہ ان تینوں کی صرف ہڈیاں رہ گئیں گوشت دوسرے بھوکے کھاگئے۔ نعوذ باللہ من الآفات والحوادث۔

زلزلے حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد میں ۲۰ھ میں زلزلہ آیا۔ پھر ۹۴ھ میں چالیس روز تک زلزلہ جاری رہا اور بڑے بڑے مکانات گر گئے اور شہر انطاکیہ بالکل منہدم ہوگیا۔ اور ۲۲۲ھ میں شہر غوطہ زلزلہ سے الٹا ہوگیا اور سارے شہر میں سوائے، ایک آدمی کے کوئی باقی نہ رہا۔ اس کے قریب قریب انطاکیہ میں زلزلہ آیا تو بیس ہزار آدمی ہلاک ہوگئے اور ۲۲۴ھ میں بغداد، بصرہ، کوفہ، واسط و عبدان و راہواز و ہمدان میں ایک ایسی سخت تیز ہوا چلی کہ جس نے کھیتیاں جلادیں۔ بازار بند ہوگئے۔ باون روز تک یہی ہوا چلتی رہی۔

۲۳۸ھ میں طاہر بن عبداللہ نے خلیفہ وقت امیر المومنین متوکل باللہ کے دربار میں ایک پتھر بھیجا۔ جو طبرستان کے اطراف میں آسمان سے گرا تھا جس کا وزن آٹھ سو چالیس درہم کے برابر تھا اس کے گرنے کا دھماکہ بارہ بارہ میل تک سنا گیا اور گر کر پانچ ہاتھ تک زمین میں گھستا ہوا چلا گیا ۲۴۰ھ میں ایک ہوا بلادِ ترک سے نکلی جو مرو میں پہنچی تو ایک بڑی خلقت کو زکام کے ذریعہ ہلاک کردیا۔ پھر نیشاپور اور رے میں پہنچی تو بخار اور کھانسی سے بہت سے آدمیوں کو ہلاک کردیا۔ اور بلادِ مغرب سے خطوط آئے کہ قیروان کی بستیوں میں سے تیرہ بستیاں زمین میں خسف ہوگئیں اور سوائے دو آدمیوں کے ان میں کوئی نہیں بچا اور یہ بچنے والے بھی بالکل سیاہ رنگ ہوگئے تھے۔ جب شہر قیروان

میں آنے تو لوگوں نے ان کو نکالا کہ تم عذاب الٰہی میں گرفتار ہو۔ حاکم بلدہ نے ان کے لئے شہر سے باہر مکان بنوا دیا۔ اور ۲۴۱ھ میں دامغان میں زلزلہ آیا۔ پچیس ہزار آدمی ہلاک ہوگئے اور یمن میں ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کی جگہ چلا گیا اور حلب میں ایک جانور کوّے سے بڑا اور گدھ سے چھوٹا ایک درخت پر آکر ٹھیرا اور چالیس مرتبہ یہ آواز دی۔

(اتقوا اللہ ، اللہ ، اللہ) یعنی اللہ سے ڈرو۔ اللہ اللہ۔ چالیس آوازیں دے کر اڑ گیا۔ پھر اگلے دن آیا اور چالیس آوازیں مثل سابق دے کر اڑ گیا۔ حاکم بلدہ نے اس کو لکھا اور پانچ سو آدمیوں کی جنھوں نے یہ آواز سنی تھی اس پر گواہی کرائی۔ ۲۴۵ھ میں انطاکیہ میں زلزلہ آیا جس سے ڈیرہ ہزار مکانات منہدم ہوگئے اور اہل انطاکیہ گھروں، روشندانوں اور دریچوں سے نہایت خوفناک آوازیں سنتے تھے۔ اور تینس میں نہایت ہیبت ناک آوازیں سنی گئیں جو بہت عرصہ تک باقی رہیں جس سے بڑی خلقت ہلاک ہوگئی۔ ۲۴۵ھ میں ایک بستی پر سیاہ و سفید پتھروں کی بارش ہوئی۔

۸۸ھ میں مقام دونیل میں زلزلہ آیا (دنیل موصل کے قریب ایک شہر ہے) صبح کو دیکھا گیا تو شہر کا اکثر حصہ خاک کا ڈھیر ہوچکا تھا۔ گری ہوئی عمارتوں کے نیچے سے ایک لاکھ پچاس آدمی مردہ نکالے گئے۔ ۳۱۹ھ میں حجاج کا ایک قافلہ راستہ گم کرکے کسی طرف جانکلا وہاں بہت سے آدمی پتھر بنے ہوئے دیکھے اور ایک عورت پتھر کی تنور پر کھڑی ہوئی دیکھی اور تنور میں جو روٹی تھی وہ بھی پتھر کی ہوگئی تھی۔ (بندہ محمد شفیع عفا عنہ)

مناسکِ حج اور قربانی، عشقِ حقیقی کے مظاہر

یہ مضمون اب سے پچاس برس پہلے احقر کے زمانہ طالب علمی کا لکھا ہوا ہے جو اس وقت کسی اخبار کی فرمائش پر لکھا تھا۔ اس وقت اتفاقاً سامنے آگیا اور فی الجملہ دلچسپ بھی ہے اس لئے اس کو کشکول کا جزو بنا دیا گیا۔

کائناتِ عالم کو اپنے پروردگار خدائے قدوس کے ساتھ بہت سے رشتے اور مختلف قسم کے تعلقات حاصل ہیں۔ مثلاً وہ خالق ہے اور ہم سب مخلوق۔ وہ حاکم ہے اور ہم سب محکوم۔ اسی طرح ایک رشتہ عشق و محبت بھی حاصل ہے یعنی خدائے عزو جل محبوب ہے اور تمام عالم اس کا محب۔ اور اگر موجوداتِ عالم پر ایک نظر ڈالی جائے تو اس کی ہر چیز میں ہمارے اس دعوی کی شہادتیں ملتی ہیں۔ ہر انسان کے دل میں کم و بیش اس محبت کی ایک چنگاری ضرور نظر آتی ہے۔ بت پرست اقوام اگر پتھروں اور بتوں کے سامنے ڈنڈوت کرتی ہیں۔ تو دعوی ان کا بھی یہی ہے الا لیقربو نا الی اللہ زلفی۔ ہم بتوں کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کردیں۔" ایک مجوسی اگر آگ کی پرستش کرتا ہے اور ایک آفتاب پرست اگر آفتاب کو ڈنڈوت کرتا ہے اور ایک ہندو اگر مندر کی طرف دوڑتا ہے اور ایک عیسائی اگر گرجا کی طرف چلتا ہے اور ایک یہودی اگر اپنے عبادت خانہ کو جاتا ہے اگر ان سب سے پوچھنے کہ تمہیں کس کی تلاش ہے کس کی یاد میں سرگرداں ہو، تو جواب مشترک پائیں گے کہ ایک موحد مسلمان جس ذات قدوس کی عبادت کے لئے مسجد کی طرف دوڑتا ہے اسی کی محبت اور اسی کی یاد میں یہ سب لوگ بھی سرگرداں ہیں سب کو اسی کی تلاش اور سب اسی کی رضا چاہتے ہیں۔

یہ دوسری بات ہے کہ انہوں نے قسمت سے راستہ غلط اختیار کرلیا جس کی وجہ سے ان کی کوشش نہ صرف بیکار بلکہ مضر ثابت ہوئی وہ جوں جوں اس غلط راستہ پر بڑھتے ہیں اپنے مقصد سے دور پڑے جاتے ہیں۔

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی   کیں رہ کہ تو میروی بترکستان است

اور اہل اسلام کو خداوند عالم نے اپنے صحیح اور مستقیم راستے کی ہدایت فرمائی۔ ان کا جو قدم اٹھتا ہے انہیں اپنے محبوب حقیقی سے قریب کرتا ہے۔

غرض خدا کی محبت انسان کے لئے فطری اور جبلی چیز ہے جس میں ایک بڑے سے بڑا فلسفی اور جاہل سے جاہل گنوار دونوں برابر نظر آتے ہیں جس دل میں حیات کی کچھ رمق باقی ہے وہ ضرور خدا کی محبت اور اس کی عظمت اپنے اندر محسوس کرتا ہے ہاں ان قلوب کا ذکر نہیں فرمایا جن کو مادیات کے تلوّث نے چرلیا ہے اور جن کے لئے اکبر مرحوم نے فرمایا تھا۔

چھوڑ کر بیٹھا ہے یورپ آسمانی باپ کو بس خدا سمجھا ہے اسنے برق کو اور بھاپ کو

نیز اگر عشق و محبت کے اسباب پر گہری نظر ڈالی جائے تو وہ تین سے زیادہ نہیں نکلتے۔ مالؔ، جمالؔ، کمالؔ، کوئی کسی سے اس کے مال کی وجہ سے محبت کرتا ہے اور کوئی جمال پر عاشق ہے اور کوئی کسی کمال کی وجہ سے اس کا شیفتہ ہوتا ہے۔

پھر جب ہم بارگاہِ عزت و جلال کی طرف نظر اٹھاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے یہ تینوں اسباب وہاں نہ صرف بوجہ اتم موجود ہیں، بلکہ ہر جمالؔ، مالؔ اور کمالؔ کا سرچشمہ وہی ہے۔

دنیا میں جہاں کہیں کمالؔ اور جمالؔ کا کوئی نور موجود ہے وہ سب اسی مجمع کمالات کا پرتو ہے

اور جب عشق و محبت کے تمام اسباب اس بارگاہ جلال میں بوجہ اتم موجود ہیں تو ظاہر ہے کہ اس کو چھوڑ کر کسی اور طرف نظر اٹھانا یا دل لگانا کس قدر تنگ نظری اور محرومی ہوگی۔

آنان کہ بجز روئے تو جائے نگرانند کوتاہ نظرانند چہ کوتاہ نظرانند

اس مجمع کمالات کے سوا کسی اور کے ساتھ دل لگانا حقیقت میں انتہائی محرومی اور ابدی حسرت و یاس کے سوا کچھ نتیجہ نہیں رکھتی۔

عشق بر مردہ نباشد پائیدار عشق را برحی و بر قیوم دار
عشقہائے کز پئے رنگے بود عشق نبود عاقبت ننگے بود

اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ مخلوقاتِ عالم کو جس طرح خداوند قدوس کے ساتھ حاکمیت کا تعلق حاصل تھا اسی طرح محبوب اور محب ہونے کا تعلق بھی ہے تو اب یہ سمجھ لینا دشوار نہ رہا کہ جو مختلف قسم کی عبادتیں مخلوق کے ذمہ فرض ہیں وہ سب انہی تعلقات کے مظاہر ہیں بعض شان حاکمیت، محکومیت سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور بعض شانِ محبوبیت اور محبّیت سے متعلق ہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوۃ میں سے نماز قسم اول میں درج ہے۔ وہ ابتداء سے انتہاء تک تمام ایک دربارِ حکومت کی حاضری کا فوٹو ہے اور زکوۃ کا تعلق کچھ شانِ حاکمیّت کے ساتھ ہے اور کچھ شانِ محبوبیت کے ساتھ۔ کیونکہ عشر و خراج اور ٹیکس وغیرہ سلطانی حقوق بھی ہیں اور محبوب کے راستہ میں اپنا مال قربان کردینا عشق کے مراحل میں بھی ایک مرحلہ ہے۔ باقی دو عبادتیں یعنی روزہ اور حج یہ دونوں خالص شان محبوبیت سے متعلق ہیں اور عشقِ حقیقی کے مظاہر ہیں۔ میرا مضمون اگرچہ اس وقت آخر الذکر عبادت کے ساتھ متعلق ہے لیکن سلسلہ کے لئے روزہ اور حج دونوں کے متعلق مختصر گذارش کی جاتی ہے۔

عشق کی پہلی منزل یہ ہوتی ہے کہ کھانا چھوٹ جاتا ہے، رات کو نیند نہیں آتی۔ شب و روز محبوب کا دھیان اسی کا تصوّر رہتا ہے۔

شب وہی شب ہے دن وہی دن ہے جو تری یاد میں گذر جائے

رمضان المبارک کا لیل و نہار اسی شان عاشقیت کا دلکش نظارہ ہے۔ دن بھر بھوکے پیاسے پھرتے ہیں اور رات آتے ہی عرض و معروض کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں اور یہی راز ہے اس فرمان کا جو حدیث میں وارد ہے۔

والذی نفسی بیدہ لخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من ریح المسک، یترک طعامہ و شرابہ و شہوتہ لا جلی، الصوم لی وانا اجزی بہ (بخاری)

"قسم خدا کہ روزہ دار کے منہ کی بُو جو بوجہ روزہ کے پیدا ہوجاتی ہے اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بہتر ہے۔ کھانا پینا، شہوات کو روزہ دار میرے لئے چھوڑتا ہے۔ روزہ میرے لئے ہے اور

میں خود ہی اس کی جزا دوں گا۔"

یہ عشق ہی کے راز و نیاز ہیں کہ منہ کی بدبو کو مشک کی خوشبو پر ترجیح دی جاتی ہے۔

خونِ شہیداں راز آب اولیٰ تراست
ایں خطا ازصد صواب اولیٰ تراست

نیز روزہ کی جزاء خود ذاتِ قدوس کا ہونا بھی بارگاہ عشق ہی کے کرشمے ہیں۔

اعتکاف رمضان المبارک کے اخیر میں سنتِ اعتکاف اسی رشتہ عشق و محبت کے مناسب ہے۔

پھر دل میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں
سر زیر بارِ منتِ درباں کیے ہوئے

اور محبوب کے اشتیاق میں دنیا کی اکثر حلال چیزوں کو بھی ترک کر دیا جاتا ہے۔

عشق کی دوسری منزل یہ ہوتی ہے کہ جب بے تابی بڑھتی ہے تو گھر بار، عزیز و اقرباء وطن دیار کو چھوڑ کر مجنونانہ صحرا نوردی اختیار کرتا ہے دیوانہ کی طرح نہ تن کی پرواہ ہوتی ہے۔ نہ بدن، نہ لباس کی خبر ہوتی ہے نہ زینت کی وہ اپنی اسی حالت پر مگن ہے اور ہزاروں تخت و تاج پر اس بے سرو سامانی کو ترجیح دیتا ہے

درویشم و گدا برابر نمی کنم
پشمیں کلاہِ خویش بصد تاجِ خسروی

خوش فرش بوریا و گدائی خواب من
کیں عیش نیست در خور او رنگ خسروی

رمضان المبارک ختم ہوتے ہی اشہر حج کا شروع ہونا شاید اسی راز پر مبنی ہے کہ عشق کی پہلی منزل ختم ہوئی اب دوسری منزل میں قدم رکھنا چاہئے۔

عشق کی دوسری منزل مناسکِ حج ہے

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود
گوئی گشتن بہر او اولیٰ بود

اگر ذرا تدبر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عبادتِ حج اول سے آخر تک تمام عاشقانہ اور مضطربانہ حرکات کے مجموعہ کا نام ہے۔ اہل و عیال اور وطن چھوڑ کر

کسی محبوب کی تلاش میں چل کھڑے ہوتے ہیں۔ لباس اور ہیئت بھی وہی بنائی جاتی ہے جو عاشقِ مجنوں کے لئے شایان شان ہے سر کھلا ہوا اور ناخن و بال بڑھے ہوئے ہیں۔ خوشبو کے پاس نہیں جاتے۔ قدم قدم پر لبیک اللّٰھم لبیک کے نعرے کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ حجاز کے ریگستانی ملک اور خشک میدانوں میں ہر قسم کے خطرات اور مصائب کے سایہ میں یہ سفر ہوتا ہے۔

گر درِ طلبش ما را رنجے برسد شاید چوں عشقِ حرم باشد سہل است بیاباںہا

بلدِامین یعنی مکہ معظمہ میں داخل ہوتے ہی بیت اللہ کا طواف اور حجرِاسود کو ہاتھ لگانا اور چومنا یہ سب وہی احوال ہیں جو ایک عاشق کے لئے دیار محبوب پر پہنچنے کے بعد شایاں ہیں۔ اس کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا اور پہاڑوں پر چڑھنا اور پھر وادیِ منیٰ کے میدانوں میں جا پڑنا یہ سارے کام عشق کے انتہائی شوق و ذوق کے مظاہر ہیں ایک عربی شاعر نے کیا خوب کہا۔

واخرج من بین البیوت لعلّنی احدث عنک النفس فی السّر خالیا

" میں آبادی سے اس لئے نکل جاتا ہوں کہ شاید تنہائی میں تیرے خیال کی تصویر اس طرح باندھوں کہ پھر کوئی دوسری تصویر دل میں نہ آسکے۔

تصور سے کسی کے میں نے کی ہے گفتگو برسوں رہی ہے ایک تصویر خیالی روبرو برسوں

پھر جس طرح عاشق کو اپنے ناصح اور محبوب کی راہ سے روکنے والے سخت دشمن نظر آتے ہیں اور وہ ان کو پتھر مارنے کے لئے تیار ہوتا ہے رمی جمرات بھی عجب نہیں کہ اسی راز پر مبنی ہو۔ کیونکہ درحقیقت اس فعل کی یادگار ہے جو شیطان کے ساتھ ان مواقع میں کیا گیا۔ کیونکہ شیطان محبوب کے راستے میں حارج ہوتا ہے اس کے بعد طوافِ وداع اور رخصت کے وقت بیت اللہ اور ان کے پردوں کے ساتھ مل کر رونا۔ یہ سارے افعال وہی ہیں جو ایک عاشق کے لئے اپنے محبوب کے گھر سے جدا ہونے کے وقت لابدی ہیں۔

عشق کی آخری منزل قربانی

عشق جب اپنے تمام مراحل طے کر چکتا ہے تو بالآخر اس کا نتیجہ یہی ہے۔

پہلے ہمنے سامنے اس گل کے خنجر رکھ دیا ‌ ‌ پھر کلیجہ رکھ دیا دل رکھ دیا سر رکھ دیا

محبوب حقیقی کے عشاق کو بھی چاہئے تھا کہ آخری منزل میں قدم رکھتے ہوئے اپنی جانوں کو جان جاناں کے کوچہ میں قربان کردیتے، چنانچہ بیت الحرام کے حجاج منیٰ میں اس رسم کو بھی ادا کرتے ہوئے اپنی جانوں کو قربانی کے لئے بزبانِ حال کہتے ہیں۔

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف ‌ ‌ بہ امید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

لیکن بمقتضائے

غافر است و غفور خود فرمود ‌ ‌ سبقت رحمتی علی غضبی از کمال

رحم و احسان شفقت و امتنان و فدیناہ بذبح عظیم کے ارشاد میں جان کے بدلے میں ایسی جان مانگ لی جس کو اس نے ان جانباز عشاق کے کام کے لئے پیدا کیا تھا۔ پھر لطف یہ ہے کہ اس پر اجر عظیم کا وعدہ بھی فرمایا جس سے فضل و کرم کے انتہائی مدارج تک طائرِ علم و ادراک کو راستہ ملتا ہے۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی ‌ ‌ حق تو یہ ہے حق ادا نہ ہوا

(بندہ محمد شفیع عفا عنہ)

ایک سانپ نے انسان کو ہلاکت سے بچالیا

شیخ ابو الحسن علی بن مزین صغیر فرماتے ہیں کہ تبوک کے ایک کنویں پر پانی لینے گیا اتفاقاً میرا پاؤں پھسلا اور میں کنویں کے قعر میں جاگرا کنواں قدیم اور شکستہ تھا اس کے گوشہ میں کچھ جگہ پڑی ہوئی تھی میں نے اس جگہ کو درست کیا اور وہاں بیٹھ گیا۔ جنگل کا کنواں لق و دق میدان، نہ آدم نہ آدم زاد، کنویں سے نکلنے کا بظاہر کوئی سامان نہ تھا۔ میں اسی فکر میں بیٹھا تھا کہ اچانک ایک دھماکہ میرے کان میں پڑا۔ نظر اٹھائی تو

دیکھا کہ ایک بڑا سانپ ہے، یہ سانپ میری طرف بڑھا اور اپنی دم میں مجھے لپیٹ لیا۔ اور کنویں کی دیوار پر چڑھنا شروع کیا یہاں تک کہ کنویں سے نکل گیا باہر آتے ہی اس نے میری گرفت ڈھیلی کردی اور مجھے منیٰ پر چھوڑ کر ایک طرف کو چل دیا۔ (حیوۃ الحیوان ص ۳۶، ج ۱)

تبارک اللہ احسن الخالقین۔ یہ ہیں کرشمہائے قدرت کہ جب چاہتے ہیں تو سانپوں اور درندوں سے ایک ضعیف و نازک انسان کی حفاظت کا کام لیتے ہیں۔

آپ جس خار سے کہہ دیں وہ گلستان ہو جائے

اور نہیں تو مضبوط قلعہ اور محفوظ تہہ خانہ میں کوئی بچانے والا نہیں۔ وَلَنِعمَ مَا قِیلَ

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ　　　　که گردن نہ پیچد زحکم تو ہیچ

فائدہ شیخ ابو الحسنؒ مذکور سے کسی خادم نے بوقت رخصت عرض کیا کہ مجھے کچھ زادِ راہ عنایت فرمایئے فرمایا کہ اگر تمہاری کوئی چیز گم ہو جاوے یا تم چاہو کہ فلاں آدمی کے ساتھ تمہاری ملاقات ہو جاوے تو یہ دعا پڑھ لیا کرو۔ "یَا جَامِعَ النَّاسِ لِیَومٍ لَّا رَیبَ فِیهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخلِفُ المِیعَادَ اِجمَع بَینِی وَ بَینَ کَذَا (لفظ کذا کی جگہ اپنے مطلوب کا نام ذکر کرے) انشاء اللہ گم شدہ چیز یا مطلوب انسان مل جائے گا۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی حاجت کے لئے یہ دعا نہیں کہ مجھے وہ حاجت حاصل نہ ہو گئی ہو۔ (حیوۃ الحیوان ص ۳۶، جلد ۱)

فائدہ عظیمہ مجرّبہ شیخ المشائخ حضرت یافعیؒ سے منقول ہے کہ قضاء حاجات اور کامیابی مقاصد اور ازالہ رنج و غم و فکر کے لئے طریق ذیل نہایت مفید و مجرّب اور ایک خزانہ مخفیہ ہے۔ عمل یہ ہے۔

عشاء کی نماز کے بعد طہارت کاملہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی لطیف سولہ ہزار چھ سو اکتالیس مرتبہ پڑھیں۔ اس تعداد میں کمی زیادتی ہرگز نہ ہونی چاہئے۔ ورنہ وہ سِرِ عجیب جو اس میں ہے باقی نہ رہے گا اور اس تعداد کو پوری طرح محفوظ رکھنے کا طریقہ یہ

ہے کہ ایک ایسی تسبیح بنائی جاوے جس میں ۱۲۹ دانے ہوں اور یہ تسبیح ۱۲۹ مرتبہ پڑھی جاوے تو یہ تعداد مذکور پوری ہوجائے گی اور وجہ اس عدد خاص کی یہ ہے کہ اس اسم مبارک کے عدد ۱۲۹ ہیں اس کو ۱۲۹ سے ضرب دینے سے عدد مذکور نکل آتا ہے۔

یہ وظیفہ ختم کرکے اپنی حاجت کے لئے دعا کرے۔ انشاء اللہ تعالیٰ حاجت پوری ہو گی اور ہر مرتبہ جب ۱۲۹ دانہ کی ایک تسبیح پوری کرلے تو یہ آیت پڑھے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ○ اور سب سے آخر میں یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ وَسِّعْ عَلَيَّ رِزْقِيْ اَللّٰهُمَّ عَطِّفْ عَلَيَّ خَلْقَكَ كَمَا صُنْتَ وَجْهِيْ عَنِ السُّجُوْدِ لِغَيْرِكَ فَصُنْهُ عَنْ ذُلِّ السُّؤَالِ لِغَيْرِكَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ (حیوۃ الحیوان للدمیری - ص ۳۴ ج ۱)

سلطان نور الدین شہید زنگی

دنیا کے ان بادشاہوں میں سے ہیں کہ ان کو اولیاء اللہ کی فہرست میں شمار کیا جائے تو بے جا نہیں۔ آپ نے ہی شام میں سب سے اول ایک مستقل دربار دارالعدل کے نام سے تعمیر کیا جس میں ہر بڑے چھوٹے اپنے اور غیر سے بلا خوف و رعایت معاملہ کیا جاتا تھا۔ بلادِ شام میں بہت سے مدارسِ اسلامیہ کی بنا ڈالی۔ اور ایک مستقل دارالحدیث اور بیمارستان (شفاخانہ) بنایا پچاس سے زیادہ اسلامی شہروں کو کفار نصاریٰ وغیرہ کے ہاتھ سے آزاد کرایا۔

سلطان نور الدین نور اللہ مرقدہ مندرجہ ذیل دو شعر بکثرت پڑھا کرتے تھے۔ جس سے ان کے قلبی جذبات و طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے۔

عَجِبْتُ لِمُبْتَاعِ الضَّلَالَةَ بِالْهُدٰی وَلِلْمُشْتَرِیْ دُنْیَاہُ بِالدِّیْنِ اَعْجَبُ
میں تعجب کرتا ہوں اس شخص پر جو ہدایت کے بدلے گمراہی خریدے اور دین کے بدلے دنیا خریدنے والا اس سے زیادہ قابل تعجب ہے۔"

وَاَعْجَبُ مِنْ ھٰذَیْنِ مَنْ بَاعَ دِیْنَہٗ بِدُنْیَا سِوَاہُ فَھُوَ مِنْ ذَیْنِ اَخْیَبُ
اور ان دونوں سے زیادہ قابل تعجب وہ شخص ہے جو اپنا دین دوسرے کی دنیا کے بدلے بیچ دے وہ سب سے زیادہ محروم ہے۔"

شیر بکری ایک گھاٹ پر

یہ مشہور ضرب المثل ہے جو مختلف زبانوں میں مختلف عنوانوں سے مشہور و معروف اور زبان زدِ خواص و عوام ہے۔ لیکن عام لوگ اس کو ایک شاعرانہ مبالغہ سے زیادہ نہیں سمجھتے۔ اور شاید اس دورِ روشن خیالی میں تو مجاز و مبالغہ کے سوا اس کے کوئی معنی ہی نہ ہو سکیں۔

لیکن تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والے ابھی تک اس حقیقت کو نہیں بھولے جو عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عہد خلافت میں دنیا دیکھ چکی ہے جس میں شیر اور بکری کو ایک جگہ چرتے اور کھاتے پیتے دیکھنا کوئی اتفاقی بات نہ تھی، بلکہ روز مرہ کا مشاہدہ تھا۔

ابن سعد نے (طبقات میں) نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ بن اعین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور خلافت میں ملک کرمان کسی کے کسی جنگل میں بکریاں چرایا کرتے تھے اور وہاں ہمیشہ کا یہ معمول تھا کہ بکریاں اور درندے بھیڑیے وغیرہ وحشی جانور ایک جگہ چرتے پھرتے تھے۔ اتفاقاً ایک روز دیکھا کہ ایک بھیڑیے نے ایک بکری پر حملہ کردیا۔ یہ واقعہ دیکھتے ہی موسیٰ بن اعین بول اٹھے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آج مرد صالح (عمر بن عبدالعزیز)

کی وفات ہوگئی۔ لوگوں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اسی رات میں ممدوح کا انتقال ہوا تھا۔ یعنی ۲۰ رجب ۱۰۱ھ میں۔ (حیوٰۃ الحیوان لفظ ذئب ص ۳۲۸ ، ج ۱)

حضرت ابو العالیہ رباحی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ائمہ تابعین میں سے ہیں۔ حضرت علیؓ اور معاویہؓ کی باہمی مشاجرات کے وقت موجود تھے ۔ ایک مرتبہ جب دونوں لشکروں میں صف آرائی ہوئی تو ابو العالیہ کے جوش اور شباب کا زمانہ تھا۔ آپ نے بھی شریک جنگ ہونے کا ارادہ کیا اور سامانِ حرب کے ساتھ مسلح ہوکر میدان میں پہنچے ۔ دیکھا تو دونوں جانب صحابہ و تابعین کی صفیں اس طرح میدان کو گھیرے ہوئے ہیں کہ ان کا کنارہ نظر نہیں آتا۔ ایک فریق اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتا ہے تو دوسرا لشکر بھی اللہ اکبر کے نعروں سے فضاء کو بھر دیتا ہے ایک لشکر سے لاالہ الا اللہ کا کلمہ بلند ہوتا ہے تو دوسرے لشکر میں بھی یہی کلمہ بلند ہوتا ہے ۔

ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ اس حالت کو دیکھ کر میں ششدر رہ گیا کہ ان میں سے کس کو مومن قرار دے کر اس کی حمایت کروں اور کس کو کافر قرار دے کر اس کے ساتھ جنگ کروں چنانچہ میں اسی روز واپس آگیا۔ (طبقات ابن سعد ص ۸۳ جلد ۷)

ملاقات احباب ایک روز عبدالکریم ابو امیہ حضرت ابو العالیہ کے پاس زیارت کے لئے گئے دیکھا کہ ان کے بدن پر بہت معمولی کپڑے تھے ۔ فرمایا کہ یہ تو رہبان نصاریٰ کا لباس ہے مسلمان تو جب احباب کی ملاقات کے لئے جاتے ہیں (بقدر وسعت) اچھا لباس پہن کر جایا کرتے ہیں (طبقات ابن سعد ص ۸۳ ،جلد ۸)

حضرت حسن بصریؒ ارشاد فرمایا کہ فتنہ جب اول ظاہر ہوتا ہے تو اس کو عالم ہی پہنچانتا ہے اور جب ختم ہوجاتا ہے تو ہر جاہل بھی اس کو پہچان لیتا ہے (طبقات ابن سعد ص ۱۲۱ ، ج ۷)

حضرت سلمہ بن عبدالرحمن نے ایک مرتبہ حضرت حسن بصریؒ سے دریافت کیا کہ آپ جو لوگوں کو فتویٰ دیتے ہیں تو یہ کسی سنی ہوئی روایت سے ہوتا ہے یا اپنی رائے سے۔ فرمایا کہ بخدا ہم جتنے فتوے دیتے ہیں ہیں سب کے متعلق روایتیں ہمارے پاس نہیں ہوتیں لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ عوام کی رائے سے ہماری رائے بہتر ہے۔ اس لئے ہم اپنی رائے سے فتویٰ دے دیتے ہیں۔ (طبقات ابن سعد ص ۱۲۱، ج ۷)

ارشاد فرمایا لا تجالسوا اصحاب الاھواء ولا تجادلوھم ولا تسمعوا منھم

(ترجمہ): "اہل بدعت و اہواء کے ساتھ کبھی مجالست نہ کرو اور نہ ان کی باتیں سنو۔"

فقیہ کون ہے:۔ مطر وراقؒ نے حضرت حسن بصریؒ سے ایک مسئلہ پوچھا آپ نے بتلا دیا۔ مطرؒ نے کہا کہ فقہاء اس مسئلہ میں آپ کے خلاف کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے مطر تم نے کبھی کوئی فقیہ دیکھا بھی ہے اور تم جانتے ہو کہ فقیہ کس کو کہتے ہیں۔ فقیہ وہ شخص ہے جو متقی اور زاہد اور اور بڑوں سے بڑھنے کی فکر نہ کرے اور اپنے چھوٹوں سے تمسخر نہ کرے۔ (طبقات ص ۱۲۹، ج ۷)

غیر طالب علم کو علم سکھانا خلاف ادب ہے

مطرف بن عبداللہ بن سخیر فرماتے ہیں۔

لا تطعم طعامک من لا یشتھیه	اپنا کھانا اس شخص کو نہ کھلاؤ جو اس کی خواہش
قال مھدی کانه یعنی الحدیث	نہ رکھے مہدی کہتے ہیں مراد اس سے علم حدیث
(طبقات ص ۱۰۵، ج ۷)	ہے یعنی جو طالب نہ ہو، اس کو نہ سکھایا جاوے۔"

حضرت عبداللہ بن عمر کی تصنیف حدیث (صادقہ)

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے پاس ایک رسالہ دیکھا دریافت کیا کہ یہ کیا ہے ؟ فرمایا کہ اس کا نام صادقہ ہے ۔ اس میں وہ روایات حدیث جمع کی گئی ہیں جن کو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بلا واسطہ سنا ہے۔ (طبقات ص ۱۲۵، جلد ۲)

شعبیؒ کی رائے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق

قال الشعبی کان بن عمر جید الحدیث ولم یکن جید الفقه (طبقات ابن سعد ص ۱۲۵، جلد ۲

امام حدیث شعبی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر حدیث میں بہت جیّد تھے مگر فقہ میں ان کا وہ درجہ نہ تھا۔"

حضرت ابو ہریرہؓ اور صدیقہ عائشہؓ

اہلِ علم پر مخفی نہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ تمام صحابہ میں کثیر الروایت ہیں اور اکثر حضرات صحابہ کو ان کی کثرت روایت پر اعتراض بھی تھا کہ ان سے بڑے بڑے ائمہ صحابہ نے اتنی روایات حدیث بیان نہیں کی جتنی وہ کرتے ہیں ۔ حضرت صدیقہ عائشہ کو اس بناء پر شبہ تھا ایک مرتبہ فرمایا کہ اے ابو ہریرہ تم بہت سی حدیثیں ایسی بیان کرتے ہو، جو ہم نے نہیں سنیں۔ تو فرمایا۔

یا اُمّہ طلبتها و شغلک

"اے میری والدہ وجہ یہ ہے کہ میں نے

عنها المرأت والمکحلة — علم حدیث کو حاصل کیا اور آپ کو آئینہ

وماکان یشغلنی عنها شیء — اور سرمہ دانی نے فرصت نہ دی اور

(طبقات ابن سعد ص ۱۱۹، ج ۲) — میرے لئے کوئی مشغلہ حدیث کے سوا نہ

تھا (اس لئے مجھے جس قدر حدیثیں یاد ہیں وہ دوسروں کو یاد نہیں ۔")

ترجمان القرآن ابن عباسؓ کی طالب علمی

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی تو میں اپنے ایک انصاری دوست کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ ابھی الحمد للہ بڑے بڑے صحابہ کرام موجود ہیں ہمیں چاہیئے کہ ان سے علم حاصل کرلیں (ورنہ ان کے بعد لوگ ہم سے مسائل پوچھیں گے اور ہمیں علم نہ ہوگا تو مشکل پڑے گی) انصاری دوست پر تواضع کا غلبہ تھا انہوں نے کہا کہ آپ بھی عجیب باتیں کرتے ہیں کہ کوئی زمانہ ایسا بھی آسکتا ہے کہ لوگوں کو ہماری ضرورت پڑے ۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ان کے یہ کلمات سن کر میں نے ان کو تو ان کے حال پر چھوڑا اور خود طلب علم کے لئے کمر بستہ ہوگیا اور جس صحابی کے متعلق مجھے معلوم ہوتا کہ ان کے پاس حدیث کا کچھ علم ہے تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور اس کو حاصل کرتا۔ بعض اوقات مجھے معلوم ہوتا کہ فلاں بزرگ فلاں حدیث کی روایت کرتے ہیں تو میں ان کے دروازہ پر حاضر ہوتا ۔ معلوم ہوتا کہ وہ قیلولہ (آرام) فرمارہے ہیں تو دروازہ ہی پر اپنی چادر سر کے نیچے رکھ کر لیٹ رہتا تھا۔ ہوا سے تمام گردو غبار میرے چہرہ اور کپڑوں کو گرد آلود کردیتا تھا (مگر میں اپنی دھن میں مست تھا) یہاں تک کہ وہ بزرگ باہر تشریف لاتے اور مجھے اس حال میں دیکھ کر حیرانی سے فرماتے اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھتیجے آپ نے یہ کیا کیا۔ آپ کوئی آدمی بھیج کر مجھے بلا لیتے ، میں وہیں حاضر ہوجاتا۔ ابن عباسؓ

فرماتے کہ نہیں میں علم حدیث کے لئے آیا ہوں، یہ میرے ہی ذمہ تھا کہ خود حاضر ہوں۔

ابن عباسؓ نے اپنے خاندانی اعزاز اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت اور عنایات سے حاصل شدہ عزت کو طلب علم کے راستہ میں اس طرح نظر انداز کردیا کہ عامیانہ طور پر در در پھر کر علم حاصل کیا کیونکہ جو شاہد مقصود ان کے پیش نظر تھا اس نے ان کو ہر مشقت و محنت اور ظاہری ذلت برداشت کرنے کے لئے آمادہ کر رکھا تھا

رنج راحت شد جو مطلب شد بزرگ   گرد گلہ تو تیائے چشم گرگ

علماء نے فرمایا ہے

العلم عز لاذل فیہ ویحصل بذل لا عز فیہ (تعلیم التعلیم اللذر نوجی)

"علم ایسی دائمی عزت ہے کہ اس میں ذلت کا نام نہیں مگر حاصل ایسی ذلت سے ہوتا ہے کہ اس میں عزت کا نام نہیں

اسی والہانہ طلب اور جدوجہد کا یہ نتیجہ ہوا کہ جماعت صحابہ میں آپ کا لقب ربانی الامۃ حبرالامۃ اور ترجمان القرآن مشہور ہے عہد صحابہ ہی میں آپ کے فتاوی کا چرچا اور قبول عام ہوگیا۔

اس وقت تو اس انصاری دوست نے میری بات کی قدر کی اور کہنے لگے آپ ہم سے زیادہ عاقل نکلے۔ (طبقات ابن سعد ص ۱۲۱، ج۲)

عہد نبوت کے مفتی:۔ سہل بن ابی حثیمہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں چھ حضرات فتوی کا کام کرتے تھے تین مہاجرین میں اور تین انصار میں سے یعنی حضرت عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علی مرتضیٰؓ ابی بن کعبؓ معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ اور مسور بن مخرمہ فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ کرام کا علم انہی چھ حضرات پر منتہی ہوتا ہے اور حضرت صدیق اکبرؓ کو جب کوئی مشکل معاملہ پیش آتا تھا تو انہی حضرات کو جمع کرکے مشورہ لیتے تھے۔ اور صدیق اکبرؓ کے عہد میں بھی یہی حضرات فتوی میں مرجع خلائق سمجھے جاتے تھے پھر فاروق اعظمؓ کے عہد میں بھی یہی

صورت باقی رہی کہ فتویٰ انہی حضرات کا چلتا تھا (طبقات ابن سعد ص ۱۰۹، جلد ۲)

ذوالنورین حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت زید بن صوحانؓ

ذیل کا واقعہ حضرات صحابہ کے محیر العقول اخلاق و تہذیب کا ایک نمونہ ہے کہ ایک طرف تو حق گوئی میں کسی بڑے سے بڑے بادشاہ سے مرعوب نہ ہوں اور دوسری جانب اسی کے حق اطاعت کو بالکل غلامانہ ادا کریں۔ حضرت زید بن صوحان کو امیر المومنین حضرت عثمان غنی سے بعض معاملات میں اختلاف تھا۔ ایک روز خود حضرت ممدوح کے سامنے کھڑے ہو کر تین مرتبہ کہا۔

یاامیر المئومنین ملتَ	"اے امیرالمومنین آپ صحیح راستہ سے
فمالت امتک اعتدل	ہٹ گئے تو آپ کی جماعت بھی ہٹ گئی
یعتدل امتک	آپ اعتدال پر آجائیں تو جماعت بھی
	اعتدال پر آجائے گی"

حضرت عثمان غنیؓ نے (غالباً ان کے خیال کو خلافِ واقع سمجھ کر ان کے جواب کی طرف توجہ نہ فرمائی لیکن ساتھ ہی کوئی غصہ یا ناراضی کا بھی اظہار نہ فرمایا، بلکہ فرمایا۔

اسامع مطیع انت	کیا تم اپنے امیر کی اطاعت کروگے"

زید بن صوحان نے عرض کیا، بے شک۔ فرمایا کہ اچھا آپ شام میں چلے جاویں۔ زید اسی وقت وہاں سے اٹھے اور زوجہ کو طلاق دے کر شام کے جس مقام کی طرف امیر المومنین نے فرمایا تھا روانہ ہوگئے کیونکہ وہ باوجود اختلاف رائے کے) امیر کی اطاعت اپنے ذمہ واجب سمجھتے تھے۔ (طبقات ابن سعد ص ۸۵، ج ۶)

خوش آواز قاری سے قرآن مجید سننے کا استحباب

امام حدیث حضرت علقمہ بن قیس جو اجلّہ تابعین میں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ مجھے حق تعالیٰ نے تلاوتِ قرآن میں خاص خوش آوازی عطا فرمائی تھی۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مجھ سے قرآن مجید پڑھوایا کرتے تھے اور فرماتے تھے اقراء فداک ابی وامی یعنی میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں قرآن مجید سناؤ۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ

حسن الصوت تزین القرآن "خوش آوازی قرآن مجید کی زینت بڑھاتی ہے"

ایثار کی عجیب مثال
ابراہیم نخعی اور ابراہیم تیمی

یہ دونوں حضرات تبع تابعین کے اعلیٰ طبقہ میں ہیں۔ ظالم امت حجاج بن یوسف نے جس طرح ہزاروں علماء و فضلاء کو جیل خانہ میں سڑایا اور ہزاروں کو شہید کیا یا کرنا چاہا ان میں ابراہیم نخعیؒ بھی ہیں کہ حجاجی سپاہی آپ کی تلاش میں پھرتے اور آپ اس وجہ سے روپوش رہتے تھے۔

ایک روز کسی مخبر نے سپاہیوں کو خبردی کہ فلاں جگہ ابراہیم ہیں۔ وہاں اتفاق سے دوسرے ابراہیم جو انہی کے ہمعصر ہیں اور ابراہیم تیمی کے نام سے موسوم ہیں موجود تھے۔ سپاہی ان کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ ابراہیم کون ہیں اور کہاں ہیں۔ ابراہیم تیمی جانتے تھے کہ یہ لوگ میری تلاش میں نہیں، بلکہ ابراہیم نخعی کی طلب میں ہیں۔

لیکن آپ نے محیر العقل ایثار سے کام لیا کہ ابراہیم نخعی کا پتہ دینے کے بجائے یہ

سمجھ کر خود گرفتار ہوگئے کہ میرا ہی نام ابراہیم ہے۔ اور حجاج کے حکم سے دنیاس نامی جیل خانہ حجاج میں قید کردیئے گئے۔ جس میں نہ دھوپ سے کہیں سایہ تھا اور نہ سردی سے بچاؤ کی کوئی صورت، پھر اس میں بھی دو دو آدمیوں کو ایک زنجیر میں جکڑا ہوا تھا۔ حضرت ابراہیم تیمی اس قید کی شدّت سے اس درجہ لاغر و کمزور ہوگئے کہ ان کی والدہ ان سے ملنے کے لئے جیل خانہ میں آئی تو دیکھکر پہچانا نہیں۔ آخرکار اسی جیل خانہ میں آپ کی وفات ہوگئی۔ لوگوں نے آپ سے عرض بھی کیا کہ جب سپاہی آپ کی طلب میں نہ تھے تو آپ بااختیار خود کیوں گرفتار ہوگئے۔ فرمایا کہ میں نے مناسب نہ سمجھا کہ ابراہیم نخعی جیسے امام وقت کو لوگ آکر گرفتار کریں اس لئے میں نے خود ہی ان کی جگہ اپنا نام پیش کردیا۔ (طبقات ابن سعد ص۱۹۹، جلد ۶)

تہذیب الفاظ کی لطیف مثال:۔ ابن عون حضرت ابراہیم نخعی کے شاگرد ہیں مگر مرجیہ کے بارہ میں کچھ حسن ظن رکھتے ہیں خود فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت ابراہیم کی مجلس میں تھا۔ مرجیہ کا ذکر آیا تو:

فقال فیھم قولا غیرہ احسن منہ — انکے متعلق ایسی بات فرمائی کہ دوسری بات اس سے اچھی تھی۔"

کیا تہذیب ہے کہ اختلاف رائے کا اظہار بھی کیا تو ان کی بات کو غلط یا قبیح نہیں، بلکہ یوں تعبیر کیا کہ دوسری بات اس سے اچھی تھی۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں کا مکتوب گرامی

ذکر جہر و خفی کی بہترین تحقیق

یہ مکتوب فارسی میں تھا ہمارے محترم عزیز مولوی سید حسن صاحب مرحوم نے اس کا سلیس اردو میں ترجمہ کردیا تاکہ عوام کے لئے مفید ہو۔ ہم اصل خط فارسی کو مع ترجمہ کے دو کالموں میں شائع

کرتے ہیں۔

مکتوب بعد حمد و صلوٰۃ

مخفی نماند کہ طائفہ از فقہاء حنفیہ در انکار ذکر جہر غلو نمودہ فتویٰ بحرمت دادند و بعضے از محدثین اثبات مشروعیتہ ذکر جہر نمود درپے فضل جہر برخفی افتادند وھردو فریق براہ افراط و تفریط رفتند و از مبحث انصاف سخن نہ گفتند وایں مقام تنقیح میخواہد و محاکمہ می طلبد باید دانست کہ معنی لفظ ذکر کہ عبارت از یاد کردن است منحصر است برسہ قسم یکے ذکر لسانی است بے ضمیمہ و آگاہی قلب وایں معنی از اعتبار ساقط است و داخل اقسام غفلت دوم ذکر قلبی است بے حرکتِ لسانی و ایں معنی در اصطلاحِ صوفیا محبّر است بذکرِ خفی و بنائے مراقبات ایں قوم بر آنست و معمول است در جمیع طریق وآں بردو وجہ است یا حضور ذات بحت مذکور است بے ملاحظہ صفتے و یا بملاحظۂ

بعد حمد و صلوٰۃ کے یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ مذہب حنفی کے فقہا کی ایک جماعت نے ذکر جہر کے انکار میں غلو کرکے اس کی حرمت کا فتوی دے دیا ہے اور بعض علماء محدثین نے ذکر جہر کے جواز کو ثابت کیا ہے اور اس کی کوشش کی ہے کہ ذکر جہر کو ذکر خفی سے افضل ثابت کریں یہ دونوں جماعتیں افراط و تفریط (بے اعتدالی) کے راستہ پر ہیں اور اس مبحث میں انہوں نے انصاف کی گفتگو نہیں کی یہ مبحث وضاحت کا محتاج ہے اور یہ مباحثہ قول فیصل کا طالب ہے (لہذا اس کو بیان کیا جاتا ہے) یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ ذکر کے معنی یاد کرنے کے ہیں اور اس کی تین قسمیں ہیں اوّل صرف زبان کا ذکر بلا توجہ دل، ظاہر ہے کہ یہ ذکر ناقابلِ اعتبار ہے اور غفلت عن الذکر کے اقسام ہی میں داخل ہے۔ دوم ذکر قلبی بلا حرکتِ زبان اور اس کو صوفیاء کی اصطلاح میں ذکر خفی کہتے ہیں اور صوفیاء کے تمام مراقبوں کی بنیاد یہی ذکر خفی ہے اور جملہ طریقوں میں صوفیاء رحمہم اللہ کے یہ ذکر رائج ہے اور اس ذکر کی دو صورتیں ہیں اول دل میں صرف ذات حق تعالیٰ کا دھیان ہو اور صفاتِ حق میں سے کسی صفت کا دھیان نہ کیا جائے۔ دوم ذات حق کے دھیان کے ساتھ صفاتِ حق سبحانہ تعالیٰ میں کسی صفت کا بھی دھیان دل میں

صفات او و ایں، دو وجہ ماخوذ است از آیت وا ذکر ربک فی نفسک تضرعا و خفیة ودون الجهر من القول بالغدوّ والاصال دویم استحضار مذکور یا ملاحظہ منسوبات او از آلاء و نعماء و ایں طریقِ استدلال است از اثر بموثر و ایں معنی در لسانِ شرع معبّر بفکر است و مفید است زیادت یقین راوکتاب و سنت از فضائل آں مملوست وقسم سوم از اقسام ثلاثہ ذکر لسانی است یا ذکر قلبی معاً وایں اکمل اقسامِ ذکر است و ایں نیز دو وجہ دارد و یکے اکتفا ذاکر است در ذکر کردن بر اسماعِ نفس خودو ہمیں است ذکر خفی در زبانِ شرع ماخوذ است از آیہ ادعواربکم تضرعاً و خیفة انہ لا یحب المعتدین دویم اسماع غیر است کہ در شرع مسمی بجہر است و در مواقع خاص افضل است از خفی نہ مطلقاً بنا بر حکمتے چنانچہ اذان و قرآة بجہر در صلوٰة جہر یہ کہ ایقاظِ نائمین و تنبیہِ غافلین ازاں منظور است و حکمتے کہ در ذکر خفی است سلامت نفس است از

بوقت ذکر کیا جائے یہ دونوں صورتیں آیۂ کریمہ سے ماخوذ ہیں واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخفیۃ و دون الجہر من القول بالغدو والآصال دوم ذاتِ حق کا دھیان کیا جائے اور اس کے ساتھ ان نعمتوں اور احسانات کا بھی دھیان ہو کہ جو بندوں پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں اور ذکر کا یہ طریق استدلال ہے اثر سے موثر کی طرف (مطلب یہ ہے کہ اس ذکر کی صورت ایسی ہے کہ جیسے ہم کسی نشان کو خیال کرکے صاحب نشان کو معلوم کریں) اور اس ذکر کو اصطلاح شریعت میں فکر کہتے ہیں اور یہ ذکر جس کا دوسرا نام فکر ہے زیادتی ایمان کے لئے فائدہ مند ہے اور قرآن کریم اور احادیث صحیحہ اس کے فضائل سے لبریز ہیں اور تیسری قسم ذکر کی زبان سے یادِ حق کرنا ہے اس طور سے کہ دل میں بھی حق تعالیٰ کی یاد ہو۔ اور یہ ذکر تمام اقسام ذکر میں سب سے کامل ہے اور اس ذکر کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ اول ذکر کرنے والا اپنے آپ کو سنانے پر اکتفاء کرے (زیادہ آواز سے ذکر نہ کرے) اس کو شریعت میں ذکر خفی کہتے ہیں اور آیۂ کریمہ سے ماخوذ ہے ادعو اربکم تضرعاً وخفیۃ یعنی پکارو اپنے رب کو تضرّع کے ساتھ۔دوم اتنا زور سے ذکر کرے کہ دوسرا شخص بھی سن سکے اس کو شریعت میں ذکر جہر کہتے ہیں اور یہ ذکر جہر خاص خاص صورتوں میں ذکر خفی سے بھی افضل ہے مطلقاً افضل نہیں اور

فساد سمعه و ریا که مانع است
قبول عمل را و فضل ذکر خفی بر
ذکر جهر بنصوص کتاب و سنّت
ثابت است مطلقاً بلکه از فحوائے
حدیث انکم لا تدعون اصم ولا
غائبا منع جهر معلوم می شود و
ذکر جهر باکیفیات مخصوصه و
نیز مراقبات یا اطوار معموله که در
قرون متاخره رواج یافته از کتاب و
سنت ماخوذ نیست بلکه حضرات
مشائخ بطریق الهام و اعلام از مبداء
فیض اخذ نموده اند و شرع ازاں
ساکت است و داخل دائره اباحت
وفائدة ما دراں بتحقیق و انکار آں
ضرورة و ظاہر است آنچه از کتاب
و سنت ثابت بود افضل است از
غیر آں اگرچه مباح باشد و مفید بود
و تعلیم کلمه طیبه از آنحضرت
علی ابن ابی طالب رضی الله عنه
بجهر که از حدیث شداد ابن اوس
ثابت شده است بجهر متوسط
خواهد بود نه بجهر کذائی چراکه
در اول ایں حدیث است که
آنحضرت صلی الله علیه و آله
وسلم به بستن در امر نمود بعد ازاں
تعلیم ذکر فرمود بایں معنی مشعر

یہ فضیلت بھی کسی حکمت الٰہی کی وجہ سے ہے
جیسے کہ اذان اور قرائت قرآن کریم جہری نمازوں
میں کہ سونے والوں کو بیدار کرنے اور غافلوں کی
تنبیہ کی وجہ سے جاری کیا گیا اور ذکر خفی میں حکمت
یہ ہے کہ انسان ذاکر کی طبیعت ریاء اور شہرت کے
عیب سے محفوظ رہتی ہے اور یہ دونوں عیب عمل
صالح کو مقبول ہونے سے روکتے ہیں۔ ذکر خفی کی
فضیلت ذکر جہر پر حدیثوں اور آیات قرآن سے
ثابت ہے بلکہ حدیث انکم لا تدعون اصم ولا غائباً
(یعنی بے شک تم کسی بہرے یا غائب ذات کو نہیں
پکارتے ہو) ذکر جہر کی ممانعت سمجھ میں آتی ہے
ذکر جہر مخصوص کیفیات کے ساتھ اسی طرح مراقبے
مقررہ طریقوں پر کہ قرون متاخرہ (اور آخری زمانہ صالحین)
میں رائج ہو گئے ہیں حدیث و قرآن سے نہیں لئے
گئے بلکہ بزرگان دین نے الہام الٰہی اور مبداء فیض
کے اشارہ سے ان کو لیا اور جاری کیا ہے اور
شریعت اس مسئلہ میں ساکت ہے (یعنی نہ انکار
کرتی ہے اور نہ اثبات) اور طرح کا فائدہ باطنی بھی
اس جہر میں پایا جاتا ہے اور اس سے انکار کرنے کی
کوئی حاجت بھی نہیں۔ ہاں یہ ظاہر ہے کہ جو چیز
قرآن و حدیث سے ثابت ہوئی ہو وہ افضل ہے
اس سے جو اس کے علاوہ ثابت ہو۔ خواہ وہ شے
جائز اور فائدہ مند ہی کیوں نہ ہو اور نبی کریم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کا حضرت علی المرتضیٰؓ کو کلمہ طیبہ کی

است با خفاء فی الجملہ و گفتگو در جواز و عدمِ جواز جہر نیست بلکہ در فضل یکے بر دیگر است پس دعویٰ فضلِ ذکر جہر مطلقاً و ذکر خفی انکارِ نصوص است و انکارِ جمیع اقسام ذکر جہر نیز بمچنیں چرا کہ جہر در بعض مواقع غیر مشروع است و اثباتِ مسنونیہ ذکرِ خفی بمعنی مراقبات معمولہ و نیز اثبات مشروعیہ ذکر جہریکہ در متاخیرین مروج است فضولے است چہ جائے اثبات فضل آں و آنچہ ابنائے بشر مکابرہ مے نماید از طرفین مقبول نیسنت و لائق التفات نہ و افراط و تفریط مستقبح است و اعتدال مستحسن و خیر الکلام ما قل و دل والسلام علٰی من اتبع الہدیٰ والزم متابعۃ المصطفٰی علیہ التحیۃ والثنا

تعلیم جہر کے ساتھ کہ روایت حضرت شداد بن اوس سے ثابت ہے وہ جہر معتدل متوسط ہے نہ جہر مفرط، جیسا کہ اسی حدیث کے شروع میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اول حضرت علیؓ کو دروازہ بند کرنے کا حکم دیا پھر ذکر جہر کی تعلیم فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ فی الجملہ اخفاء مطلوب تھا۔ اور کلام جہر کے جائز اور ناجائز ہونے میں نہیں، بلکہ افضل و غیر افضل میں (سو فیصلہ اس میں یہ ہے کہ یہ) دعویٰ کرنا کہ ذکر جہر مطلقاً ذکر خفی سے افضل ہے اس میں صریح آیات و دلائل شرعی کا انکار ہے (لہذا یہ قول درست نہ ہوا) اور اسی طرح ذکر خفی کو مطلقاً افضل قرار دینا بھی انکار نصوص ہے اور اسی طرح ذکر جہر کی تمام اقسام کا انکار بھی خلاف نصوص ہے کیونکہ جہر بعض جگہ تو جائز بھی نہیں (جیسے قرأت سری نمازوں میں) اور یہ دعویٰ کرنا کہ ذکر خفی مسنون ہے اور مراد ذکر خفی سے وہ مراقبے لئے جائیں کہ صوفیہ میں رائج ہیں۔ اور یا اس ذکر جہر کو مشروع قرار دینا کہ صوفیہ متاخرین نے رواج دیا ہے یعنی جس میں جہر مفرط ہو فضول ہے چہ جائیکہ اس کو افضل قرار دیا جائے اور یہ جو بعض نوجوان مکابرہ اور بحث جانبین سے کرتے ہیں مقبول اور قابل التفات نہیں اور

افراط و تفریط بری شے ہے اور میانہ روی بہتر ہے اور بہتر گفتگو وہ ہے کہ تھوڑی ہو اور پوری بات سمجھاوے۔ اور سلام ہو اس پر کہ ہدایت کی پیروی کی اس نے اور لازم پکڑا پیروی نبی کریم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کو ۔ فقط۔

تقویٰ کی برکات دنیا میں

حضرت عبدالرحمن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ جو دوسری صدی ہجری کے مشہور و معروف امام اور حافظ حدیث ہیں، فرماتے ہیں۔

واللہ لا تجد فقد شئ ترکتہ ابتغاء وجہ اللہ

"خدا کی قسم! تم جس چیز کو محض خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے چھوڑ دو گے تو اس کے نہ ملنے کا کوئی نقصان محسوس نہ کرو گے"

پھر اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ میں اور میرا بھائی دونوں ایک معاملہ میں شریک تھے جس سے بڑا نفع اور مال عظیم حاصل ہوا۔ پھر میرے دل میں اس مال کی طرف سے کچھ شبہ پیدا ہوگیا۔ میں نے محض خدا کے لئے اس کو چھوڑ دیا اور دست برداری دے دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میری زندگی ہی میں سارا مال حلال طیب ہوکر ہمارے پاس لوٹ آیا کہ میرے بھائی کا انتقال ہوگیا اور ان کا مال میرے والد کو بطور وراثت مل گیا۔ پھر والد کے انتقال کے بعد وہ کل مال مجھے مل گیا۔ (صفوۃ الصفوۃ لابن الجوزی ص ۳ ج ۴)

عبدالعزیز بن یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے بصرہ سے رخصت ہونے کا ارادہ کیا تو یحیی بن سعید کے پاس حاضر ہوا اور ان سے رخصت ہوا۔ پھر عبدالرحمٰن بن مہدی کے پاس سے رخصت ہوا۔ پھر زہیر بن نعیم بابی کی خدمت میں رخصتی ملاقات کے لئے حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ آپ کو کوئی ضرورت ہو تو فرمایئے تاکہ میں اس کو پورا کرکے سعادت حاصل کرسکوں۔

زہیر بن نعیمؒ نے فرمایا ہاں ایک ضرورت تو ہے مگر معمولی نہیں، بلکہ بہت بڑی مہم ضرورت ہے ۔ میں دل میں خوش ہوا کہ مجھے خدمت کا موقع ملے گا۔ آپ نے فرمایا کہ ضرورت یہ ہے کہ تم تقویٰ اختیار کرو کیونکہ میرے نزدیک تمہارا تقویٰ اختیار کرنا اس سے

زیادہ عزیز ہے کہ یہ تمام ستون سونے کے ہوجائیں۔ (صفوہ)

حضرت زہیر بن نعیم بانی

بصرہ کے مشہور و معروف عالم ربانی اور امام و مقتداء ہیں ایک روز ایک معتزلی شخص آپ کے حلقہ درس میں حاضر ہوا اور کمبخت نے آپ کے روبرو کہا کہ اے زہیر میں نے سنا ہے کہ تم زندیق ہو۔ حضرت زہیر بن نعیم نے نہایت متانت کے ساتھ جواب دیا کہ " زندیق تو نہیں، ہاں ایک بدعمل اور برا آدمی ہوں۔ تمام خلق اللہ پر آپ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ فرمایا کاش میرا جسم قینچیوں سے کاٹ دیا جاوے، مگر یہ مخلوق خدا تعالیٰ کی اطاعت کرنے لگے۔ ایک شخص نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ فرمایا کہ اس سے بچو کہ خدا تعالیٰ تمہیں عذاب میں پکڑلے اور تم غفلت میں رہو۔ (صفوہ جلد ۴)

خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اور شیخ عزالدین بن سلام کا فتویٰ

عزیزی نے سراج المنیر شرح جامع صغیر میں حدیث العجماء جبار" کے تحت ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت شیخ عزالدین بن سلام کے زمانہ میں ایک شخص خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ فلاں جگہ جاؤ اور زمین کھودو اس میں خزانہ ہے وہ تم لے لو اور اس میں سے پانچواں حصہ (جو حسب قاعدہ شرعیہ گڑے ہوئے خزانہ کی زکوۃ ہے) بھی تمہارے ذمہ نہیں۔

صبح ہوئی تو یہ شخص اس مقام پر پہنچا۔ زمین کھودی تو حسب ارشاد خزانہ نکلا۔ اب

اس شخص نے اس زمانہ کے علماء سے استفتاء کیا کہ شرعی قاعدہ کے موافق مجھے اس میں سے پانچواں حصہ صدقہ کرنا چاہئے ۔ لیکن خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے وہ حصہّ بھی معاف کردیا ہے اب میں کیا کروں؟

عموماً علماء نے فتوی دیا کہ تم اس قاعدہ سے مستثنی کردیئے گئے ہو تمہارے ذمہّ خمس نہیں، لیکن شیخ عزالدین بن سلام نے فرمایا کہ نہیں۔ اس کے ذمہّ واجب ہے کہ پانچواں حصہّ نکالے کیونکہ خواب میں جو ارشاد فرمایا گیا ہے زیادہ سے زیادہ اس کا درجہ اس حدیث کے برابر ہوگا جو اسناد صحیح کے ساتھ روایت کی گئی ہو، لیکن یہاں اس سے زیادہ اصح روایت اس کی معارض ہے کیونکہ صحیحین بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے فی الرکاز الخمس ۔ اور یہ حدیث یقیناً اس خواب کی حدیث سے اصح ہے اور جب صحیح واصح میں تعارض ہو تو عمل اصح پر کیا جائے گا۔ (سراج المنیر ص ۴۲۶ ، ج ۲)

دواءِ دل

حضرت ابراہیم خواص فرماتے ہیں کہ دلوں کی دوا پانچ چیزیں ہیں۔

اول قرآن مجید کی تلاوت تدبرّ (معنی فہمی) کے ساتھ۔

دوسرے باطن کا (زائد از حاجت کھانے سے) خالی ہونا۔

تیسرے تہجدّ پڑھنا۔

چوتھے آخر شب میں تضرعّ وزاری کرنا۔

پانچویں صالحین کی صحبت (الخشوع فی الصلوۃ لابن الجوزی)

جنّات میں روایتِ حدیث اور تعلیم و تعلم

علامہ قاضی بدر الدین حنفی جو آٹھویں صدی ہجری کے مشاہیر علماء میں سے ہیں

جنوں کے احوال و احکام میں ان کی مستقل کتاب " آکام المرجان فی احکام الجان" مشہور و معروف ہے ۔ اس میں عنوان بالا کے ماتحت انہوں نے نقل فرمایا ہے کہ۔

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی ایک جماعت مکہّ معظمہ کے قصد سے نکلی اتفاقاً راستہ بھول گئی۔ اس لق و دق میدان میں زندگی کا کوئی سہارا نہ تھا موت کے لئے تیار ہوکر کفن پہن لئے اور لیٹ گئے تو ایک جن درختوں کو چیرتا ہوا سامنے آیا اور کہا کہ میں ان لوگوں میں سے باقی ہوں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث سنی ہیں۔ میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ۔

من کان یومن باللہ	" جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر
والیوم الآخر فلیحب	ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ سب مسلمانوں
للمسلمین ما یحب لنفسہ	کے لئے وہ چیز پسند کرے جو اپنے لئے
ویکرہ للمسلمین ما	پسند کرتا ہے اور اس چیز کو ناپسند کرے جس کو
یکرہ لنفسہ	اپنے لئے ناپسند کرتا ہے ۔ "

اس کے بعد قافلہ کو راستہ پر لگا دیا اور پانی کا پتا بتادیا۔

اور حضرت وہب بن منبہ سے منقول ہے کہ وہ اور حضرت حسن بصریؒ ہر سال موسم حج میں مسجد خیف کے اندر رات کے کسی حصہّ میں ایسے وقت ملاقات کیا کرتے تھے جب سب لوگ سوجائیں۔ حسب عادت ایک مرتبہ یہ دونوں بزرگ مع اصحاب مسجد خیف میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک پرندہ آیا اور حضرت وہب کے پہلو پر آبیٹھا اور سلام کیا حضرت وہب نے سلام کا جواب دیا اور یہ سمجھ گئے کہ یہ کوئی جن ہے ۔ پھر اس سے گفتگو شروع کی اور دریافت کیا تم کون ہو۔ اس نے کہا کہ میں قوم جنات میں سے ایک مسلمان ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت آنے سے تمہارا کیا مقصد ہے ۔ عرض کیا کہ آپ کی مجلس سے علمی اور اخلاقی فیوض حاصل کرنا۔ اور ہماری قوم اسی طرح انسانی علماء وصلحاء کی مجلس سے استفادہ کرتی ہے ۔ ہم لوگ آپ کے اکثر اعمال نماز، جہاد، عیادت مریض، نماز

جنازہ حج و عمرہ وغیرہ میں شریک ہوتے ہیں اور آپ کے افادات علمیہ اور روایات حدیث کو محفوظ کرتے ہیں۔ حضرت وہب نے فرمایا کہ جنات میں سب سے زیادہ محدّث اور عالم کون ہے اس نے حضرت حسن بصری کی طرف اشارہ کر کے عرض کیا کہ ہماری قوم میں ان کے شاگرد سب سے زیادہ اعلم و افضل ہیں۔ (آکام المرجان ص ۸۱)

استاذ اور عالم کا ادب

خلاصۃ الفتاوی مذکور میں ہے کہ شاگرد پر لازم ہے کہ مجلس میں استاد سے پہلے کلام نہ شروع کرے اور استاد کی جگہ نہ بیٹھے اگرچہ استاد وہاں موجود نہ ہو۔ اور علماء نے فرمایا ہے کہ اسی طرح ہر عالم کا ادب ہر عامی پر واجب ہے جو احکام دین سے واقف نہ ہو۔
(خلاصہ ص ۳۲۷، ج ۴)

بڑے بول کی نقد سزا

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری زبان سے نکل گیا کہ میں کبھی کوئی چیز بھولتا نہیں۔ ابھی یہ کلمہ کہہ کر فارغ ہوا ہی تھا کہ میں نے اپنے ملازم کو کہا کہ میرے جوتے لاؤ۔ ملازم نے جواب دیا کہ وہ آپ کے پاس آپ کے سامان میں رکھے ہیں گویا فوری طور پر بھول جانے کا مشاہدہ کرا دیا گیا۔ (روضۃ العقلاء ابن حبان ص ۴۹)

تقلید شخصی کے متعلق تحقیق انیق

مکتوب از قطب عالم فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد قدس سرّہ

"ذیل کا مکتوب قطب عالم حضرت گنگوہی قدس سرہ کے کاغذات سے

عرصہ ہوا بر آمد ہوا تھا اور صاحبزادہ حضرت حکیم مسعود احمد صاحب مرحوم سے احقر نے حاصل کر لیا تھا۔ کیونکہ وہ بہت سے علمی جواہرات پر مشتمل ہے یہ مکتوب اس زمانہ کے ایک صاحب تصنیف بڑے عالم کے شبہات کے جواب میں ہے۔ افسوس کہ اصل خط جس کے جواب میں یہ والانامہ تحریر فرمایا گیا ہے دستیاب نہیں ہوا۔ جس سے جواب کا مضمون پوری طرح واضح ہوتا، لیکن اہل علم کے لئے اب بھی مطلب سمجھنے میں کوئی الجھن نہیں ہوسکتی۔ افادہ اہل علم کے لئے اس کو شائع کیا جاتا ہے واللہ الموفق والمعین"

از بندہ رشید احمد۔ مولوی صاحب سلمہ، بعد سلام مسنون مطالعہ نمایند

آپ کا خط دیکھ کر بیساختہ یہ شعر یاد آیا

مراد خواندی و خود بدام آمدی نظر پختہ ترکن کہ خام آمدی

آپ نے خوب مباحثہ کیا ہے کہ خود ہی فریفتہ ہوگئے۔ بندہ آج کل نہایت عدیم الفرصت ہے لکھنا دشوار ہے۔ کاش تم حاضر ہوتے تو اچھی طرح تقریر ہوجاتی۔

قولکم " تقلید شخصی کو واجب سمجھنا بدعت سیئہ ہے۔"

اقول آپ کے نزدیک تقلید شخصی مباح ہے چنانچہ آپ اوپر مُقر ہوئے ہو۔ مگر مباح ہونے کے آپ معنی نہیں سمجھے کہ کیا ہیں۔ سنو تو سہی تم نے تو منقول اور معقول دونوں کو دھو دیا ہے۔ نفس تقلید اعنی تقلید مطلق تو فرض۔ لقولہ تعالی فاسئلوا الخ اور حدیث انما شفاء العی السوال۔ اور خود بدیہی بھی کہ دین بدون سیکھے نہیں آتا۔ عقل وحس کو اس میں دخل ہی نہیں۔ پس مطلق تقلید تو فرض ہے یقین ہے کہ آپ بھی قبول کرلیں گے۔ ورنہ اثبات اس کا کر دیا جاوے گا اور اس کے دو فروع ہو وینگے تقلید شخصی اور تقلید غیر شخصی۔ کیونکہ دونوں حصے ایک جنس کے ہیں۔ خواہ اس کو جنس اور دو نوع کہو یا مطلق اور دو فرد مقید کہو۔ خواہ کلی اور دو جزئی کہو۔ جس طرح چاہو مقرر کرو۔ بہرحال ہر دو نوع تقلید تحت تقلید مطلق کے ہو دیں گی جو فرض ہے بھلا آپ سے پوچھتا ہوں کہ فرض کے نوع یا فرد مباح کس طرح ہوئے۔ مردِ خدا فرض اور مباح تو

مبائن دو نوع ہیں کہ تحت جنس حکم کے ہے پھر ایک نوع مبائن دوسری نوع کی فرد کس
طرح ہوگئی ذرا تو سوچو تقلید مطلق تو فرض اور شخصی مباح اور حالانکہ یہ فرد ہے تقلید
فرض کی۔ پس تمام آپ کا خدشہ اس ہی خطاء فہم پر مبنی ہے پس ہوش کرو کہ تقلید بھر
دو قسم فرض ہے کوئی مباح نہیں۔ مگر چونکہ امتثال امر تقلید میں تخییر ہے کہ جس فرد کو
چاہو ادا کردو دوسرے کی ضرورت نہیں اور جو دونوں نہ کروگے تو عاصی ہوگے۔ اس تخییر
کو مباح کہہ دیا ہے مجازاً نہ یہ کہ خود شخصی بذاتہ مباح ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ کفارہ
میں حلف کے مثلاً نفس کفارہ فرض ہے اور اطعام اور کسوۃ اور رقبہ میں تخییر جس کو ادا
کردیا مطلق کفارہ سے برائت ہوگئی اور جو کسی کو نہ کیا عاصی رہا۔ علی ہذا مطلق اضحیہ واجب
اور بکرا اور سبع بقرو ابل اور پھر نر یا مادہ وغیرہا جزئیات میں خیار جس فرد کا آتی ہو۔ آتی
فرض ہی کا ہوا۔ مباح کوئی بھی نہیں۔ سب فرض ہیں مگر ایک کے ایتان سے سب سے
بری ہوجاتا ہے۔ یہی حال جملہ کلیات کا ہے کہ مطلق شرعی فرض ہوتا ہے اور مباح کہنا
اس کا باعتبار اباحت اختیار کسی فرد کے ہے نہ مباح مقابل فرض کے کہ۔ آپ نے شبہ
فرض ہوجانے مباح کا بے موقع کیا۔ ورنہ اگر یہی شبہ ہے تو شخصی والے اس ہی آپ کی
تقریر سے غیر شخصی کو بدعت سیئہ کہہ دیں گے کیونکہ غیر شخصی کس طرح فرض ہوتی ہے
وہ بھی تو مباح بمعنی ہے جو مذکور ہوا۔ اور شاہ ولی اللہؒ نے کہاں کہا ہے کہ غیر
شخصی کے وجوب پر اجماع منعقد ہوا تاکہ مقابل نوع اس کے حرام ہو کیونکہ وجوب کا
مقابلہ حرمت سے ہوتا ہے۔ اگر فرضاً یہ کہا ہے تو شخصی مباح کس طرح ہوگی، بلکہ
حرام ہوئی۔ اور یہی کوتاہ فہمی غیر مقلدین جہال کو ہوئی ہے بلکہ (شاہ صاحب نے) یہ فرمایا
ہے کہ قرون ثلثہ میں باجماع جائز رہی ہے پس جواز سے دوسری نوع مقابل کی کراہت کس
طرح ثابت ہوگئی امکان خاص تو پڑھا ہی ہوگا اور شرع میں ایک فرد کلی کے جواز سے
دوسرے فرد کی کراہت کہاں ثابت ہے۔ جواز اضحیہ شاۃ سے جو صحابہ میں شائع رہا۔ سبع
بقر حرام کیونکر ہوا۔ بلکہ کلی کے حکم سے سب افراد جائز ہیں اور تعامل فرد واحد سے دیگر

افراد مرتفع نہیں ہوتے ۔ مساوی الا قدام رہتے ہیں پس اگر یہ قاعدہ ذہن نشین ہوگیا ہے تو سوچو کہ جیسے آپ کے نزدیک شخصی مباح ہے ایسے ہی غیر شخصی بھی مباح ہے ۔ اور جیسا کہ غیر شخصی مرادف اس کی ہے آپ کے نزدیک واجب ہے ویسے ہی معین کہ شخصی اس کی مرادف ہے واجب ہی ہے اور حق یہی ہے کہ دونوں واجب ہیں اور اباحت دونوں میں بمعنی تخییر ارتکاب احد ہما ہے اور بس۔ اپنی ذات میں دونوں فرض ہیں تو آپ کا شبہ تو گاؤ خورد ہوا۔ اب دوسرے جملہ کو بیان کرنا بھی بطور اعتراض کے ضرور ہے ۔

قولکم " اور جو آمین بالجہر و رفع یدین الخ " لا ریب اگر موافق مسلک علماء کے یہ امور بوجہ عمل بالحدیث کے کرے گا اس سے لڑنا حرام ہے مگر جو بوجہ تلہی و ہوا نفسانی کرے گا اور فتنہ اندازی کی وجہ سے تو اس سے لڑنا عین دین ہے کہ رفع فساد واجب ہے یہ بھی بدیہی ہے اگر اس میں شبہ ہو ، از پس واضح ہوجائے گا۔ اب حاجت نہیں سمجھی گئی۔

قولکم " پھر تفرد عوام کے خوف سے تقلید شخصی کو الخ " عزیزا بدعت سیئہ جب ہو تاکہ شخصی بذاتہ مباح ہوتی وہ بداتہ حق تعالیٰ اور فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرض بنائی ہوئی ہے مثل غیر معین کے ۔ اگر بوجہ سہولت کے یا عدم تقرر مذاہب کے شیوع غیر معین کا رہا تو عملدرآمد قرون ثلثہ سے منصوص فرض مباح کس طرح بن گیا اور کس طرح اس کا التزام بدعت ہوگیا اور کیوں خود التزام قرون ثلثہ کا خلاف تخییر نص کے ایک فرد کو بدعت نہ ہوا اگر غیر معین کا التزام بدعت نہیں ، تو معین کا کیسے بدعت ہوا۔ اور جو معین کا بدعت ہے تو غیر معین کا کیا وجہ ہے کہ بدعت نہ ہو۔ نص میں دونوں برابر ۔ فرضیت میں دونوں مساوی عمل میں ہر دو یکساں۔ عجب العجاب ہے اگر وجوب عمل غیر معین پر اجماع ہوا ہے تو کہیں ہم کو بھی مطلع کردو۔ ہم نے آج تک دیکھا نہ سنا نہ عقل قبول کرے کہ اللہ تعالیٰ کسی کلی حکم کے ایک فرد کو التزام عملی امت لفرد دیگر حرام کردے اور عوام جو خدا تعالیٰ کے ایک حکم کلی کا ایک فرد کا التزام کریں کہ

ملتزم قرون سابقہ کے وہ نہ تھے بلکہ دوسرے فرد کے ملتزم تھے تو عوام بے چارے مبتدع ہو گئے کیونکہ خلاف قرون سابقہ کے خدا تعالیٰ کے حکم پر عمل کیا لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ بھائی اس کو اگر کوئی تم سے پوچھے کہ قرون ثلثہ کا عمل خدا تعالیٰ کے حکم فرض کا ناسخ ہے اور یہ شرک ہے یا نہیں، تو کیا جواب دو گے۔ ایسی حماقت سے مقلد معین کو غیر مقلدین مشرک بنا کر خود مشرک ہوئے اور خبر نہیں ہوئی کہ الٹا وہ طوق شرک اپنی ہی گردن میں آپڑا۔ ذرا سنبھل کر دیکھنا۔

قولکم "پس اس صورت میں عوام کو تنبیہ" الخ اقول۔ بے شک تنبیہ چاہئے کہ ایسا عقیدہ فاسد نہ کریں بلکہ دونوں کو فرض مساوی الاقدام جان کر جس کو چاہیں عمل کریں بشرطیکہ عدم تلہی وعدم فتنہ و فساد اگر ممکن ہو۔ مگر بے شک ظاہر ہے کہ فساد سے خالی نہ ہوگا۔ خواص تو کرسکتے ہیں، مگر عوام فساد سے ہرگز خالی نہ رہیں گے۔ اپنے مزے کو آج جورو حلال اور کل حرام۔ ایک روز حلال اور دوسرے روز ناپاک خبیث۔ خوب قہقہے ہوں گے کہ ہمارا دین خوب دہریوں کا مذہب ہے اب بھی نصاری ہندو اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے مذہب کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ پھر خود اہل اسلام عوام بھی ایسا کہا کریں گے۔ ذرا جزئیات کو سوچ کر دیکھنا۔ اگر شبہ رہے تو پھر لکھنا دوچار صورت لکھ دوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ قولکم "جیسے اور رسوم شادی غمی کی الخ" اقول مثال غلط ہے رسوم فی ذاتہ مباح تھی نہ فرض مخیر اس کو دوسرے سے کیا مناسبت ہے یہ آپ کی بناء فاسد علی الفاسد ہے مباح کو واجب بنانا حرام اور حرام سے منع کرنا واجب۔ واجب میں فساد کا خوف درست نہیں، اور نکاح خواہ اول ہو یا ثانی یا ثالث عند التوقان واجب اور بحدشہ زنا فرض اس کا ترک حرام باوجود قدرت کے۔ تو نکاح ثانی کا اجراء بھی واجب ہے اور واجب کا ترک بحدشہ عوام درست نہیں اور تاکید نکاح ثانی رفع فساد کے واسطے ہے کہ زنا سے۔ اور وہ مشہود ہے پس آپ کی نظر بالکل بے محل نفس و غربت کو دیکھ لیا اس کے ثمرہ لازم کو نہ دیکھا اگر نکاح میں بھی کوئی دوسرا امر قائم مقام نکاح ثانی کے ہو

کر واقع زنا ہوجاتا ہے تو اس کی بھی وہی صورت ہوتی، مگر یہاں تو سوائے نکاح کے کوئی چارہ ہی نہیں۔ لہذا نکاح کی ہر فرد واجب ہوئی۔ تقلید میں غیر معین کو چھوڑ کر دوسری فرد خرد فرض کے عمل کو موجود ہے کہ فرض بھی ادا ہو، اور فرض رفع فساد کا بھی ادا ہو۔ ہم یخ و ہم کباب سالم و بجار ہی نکاح کے مقابل قائم مقام بتاؤ کیا ہے بجز قطع اعضاء تناسل کے کہ وہ حرام ہی ہے۔ فافہم۔

قولکم " البتہ کوئی مثال ایسی قرون خیر میں الخ" اقول یہ کلام آپ کی تو بس عجب اور عجب ہے۔ سنو خاتم بائیں ہاتھ میں مباح تھی۔ پیچھے بوجہ مشابہت روافض کے کہ یہ بھی فتنہ ہے بقولہ من تشبہ بقوم فھو منھم مکروہ تحریمی ہوئی۔ ہدایہ دیکھ لو۔ پس یسار کا تختم اور یمین کا تختم دونوں جائز اور قرون ثلثہ میں یمین کا مباح رہا۔ اور پھر یسار کا مکروہ ہوا۔ تو ترک تختم یسار واجب ہوا کہ ترک مکروہ واجب ہے۔ بحث فلاں کہتا اول مباح تھا۔ فقہاء نے ترک کے اس کو واجب کیا بسبب فتنہ عوام اور شیوع مذہب معتزلہ کے کہ ان کے نزدیک حق علی اللہ ہے۔ ثواب مطیع و عذاب عاصی دو مثال سے اگر تسلی نہ ہو تو پھر دیکھا جائے گا اور تم تو خود ہی بول رہے ہو کہ رسوم مباح اور اب بسب فتنہ کے حرام اور نکاح ثانی مباح اور اب بسبب خوف زنا واجب ہوا۔ مجھ سے کیا پوچھتے ہو تمام دنیا کے عالم تو فعل و قول رسولؐ کو حجت گردانتے ہیں کہ اصل مقیس علیہ وہی ہے اور آپ لکھتے ہیں کہ وہ خود شارع تھے ماشاء اللہ، اگر شارع کے فعل پر قیاس نہ ہوگا تو قیاس کی اصل کہاں سے آوے گی یہ تو تم نے ایسی کہی کہ دنیا میں کوئی نہیں کہہ سکتا۔ قیاس قرآن و حدیث پر اول ہے اس کے بعد کوئی امر دلیل ہوتا ہے تو اب بولو کہ کیا تم نے لکھ دیا ہے اور صحابہ کا قول بھی خود حجت ہے۔ جیسا کہ صحابہ مامور باتباع ہیں متبع بالکسر رسولؐ کے اور متبع بالفتح من بعد کے ایسا ہی دیگر قرون میں ہے۔ نہ معلوم یہ فرق کہاں سے نقل کیا ہے صحابہ کا فعل حجت اور مقیس علیہ ہوتا ہے۔ اگر قیاس صحابہ کا نہ ہو۔ اصول کو دیکھ لو، فخر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر قریش کی زبان

میں قرآن کو مباح کیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کو حرام اور ترک کرنا اس کا واجب کردیا۔ شورش عوام کی وجہ سے یہ عین حجت ہے نہ یہ کہ اس کو مقیس علیہ بنانا درست نہیں کہ یہ قول محض غلط اور خطا ہے اور اب دوسری قسم کی مثال آپ کی محض خلاف فہم ہے کیونکہ قرون ثلثہ میں عمل نہ ہونے سے فرض منصوص بدعت نہیں ہوسکتا اور جو بدعت ہے وہ جائز نہیں ہوسکتی۔ یہ آپ کی فہم غلط سے پیدا ہوا ہے۔

فاسئلوا اهل الذکر میں مجتہدین بھی داخل ہیں۔ نہ جانیں تو دوسرے سے پوچھیں حکم عام ہے کوئی مخصوص نہیں۔ احادیث صحیحہ وغیر منسوخہ کا جاننا ہی تو مشکل ہے اس کے لئے تقلید کی جاتی ہے اگر کسی کو معلوم ہوجاوے تو حاجت تقلید نہ ہو۔ مگر کیوں کر معلوم ہو خود یہ بھی تقلید ہی ہے۔ دو حدیث متعارض کہ نسخ کسی کا معلوم نہیں پھر کسی سے پوچھ کر کسی کو مرجح کرے گا ورنہ تذبذب میں رہا۔ اور احتمال ائمہ کے حدیث نہ ملنے کا ایک لغو امر ہے جب مصرح اس کی تحقیق موجود ہے پھر یہ احتمال محض ہوائے نفس ہوائے نفسانی ہے۔

جیسا احادیث جہر اور رفع یدین وغیرہ میں صحیح ہیں۔ دوسری جانب بھی احادیث ہیں۔ ترجیح معارضہ کے وقت ہوتی ہے۔ یہاں معارضہ ہی نہیں۔ امام صاحب بھی وجود ان افعال کے مقر ہیں مگر آخر فعل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ تعارض میں وحدت زمان شرط ہے۔ دو وقت میں دو فعل کے ناسخ کا حال اور منسوخ کا محقق نہیں، ہر ایک نے ترجیح ایک جانب کو اجتہاد سے دی ہے جس کو چاہے قبول کرلے۔ اگر سمجھ جاؤ تو مطلع کردینا ورنہ پھر لکھنا کہ تمہاری اصلاح ضروری ہے۔ تم تو ایک ہی بحث میں بہک کر آل پتال کہنے لگے۔ اور شرم مت کرنا صاف صاف لکھنا کہ دین کی بات ہے۔ لغزش عالم کی خلق کو تباہ ہی کرتی ہے غیر مقلدین انہی دو تین قاعدہ کے خبط سے خراب ہوگئے ہیں۔ براہین قاطعہ کو سمجھ لیتے تو ان خدشات سے محفوظ رہتے، مگر سرسری نظر سے دیکھا۔

(بندہ رشید احمد از گنگوہ)

وقت کا تقاضا کیا ہے؟

ذرا گردو پیش کی رسوم اور سہولت پسندی عیش پرستی کے جذبات سے الگ ہٹ کر غور کیجیئے تو آپ کو یقین ہوجائے گا کہ وقت بے چارا نہ کسی کو شراب پینے کے لئے پکارتا ہے نہ عیاشی اور بے حیائی کی دعوت دیتا ہے نہ عورت کو گھر کی ملکہ بننے کے بجائے دفتر کی کلرک بننے پر مجبور کرتا ہے اور نہ وقت کسی حال عورت کو ننگے رہنے، ننگے پھرنے اور غیر محرموں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے پر مجبور کرتا ہے نہ وقت نے کسی سے یہ کہا ہے کہ سینما کی لعنت اختیار نہ کی تو تیرا گلا گھونٹ دوں گا یا یورپ والوں کی معاشرت اختیار نہ کی اور فضول خرچی اور اسراف کے بے شمار مداتِ خرچ خود پیدا کر کے ان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے سود، قمار، رشوت اور حرام مال نہ کمایا تو تمہیں زندہ نہ رہنے دوں گا۔

ذرا اپنے دلوں کو ٹٹولیں تو یہ تقاضا ہمارے دلوں میں شیطان نے پیدا کئے۔ وقت بے چارے کے ذمہ ہم نے ناحق بہتان باندھا ہے۔ آج بھی دنیا میں کروڑوں انسان ہیں جو ان سب چیزوں سے دور ہیں اور اسی بیسویں صدی عیسوی کے وقت اور زمانہ میں زندہ ہیں اور زندہ ہی نہیں، بلکہ نظر حقیقت شناس سے دیکھو تو ان کی زندگیاں ہر حیثیت سے ان تقاضوں کی پیروی کرنے والوں کی زندگیوں سے زیادہ پُر سکون اور پاکیزہ ہیں۔

ایک لمحہ فکریہ یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ یہ تقاضے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اچھے ہوں یا بُرے لیکن بہرحال دنیا کا بڑا حصہ ان تقاضوں کو پورا کررہا ہے اور یورپ کے وہ لوگ جو اس تہذیب نما بے تہذیبی کے موجد ہیں وہ تو کم از کم ان سب کاموں میں پورے پورے ڈھلے ہوئے ہیں اور ہمارے عام لکھے پڑھے طبقہ نے بھی ان کی نقل

اتارنے میں اپنی مقدور کی حد تک کوئی کمی نہیں کر رکھی۔ اس کے ساتھ قانون کے ذریعہ دنیا میں امن و امان قائم کرنے جرائم کو مٹانے کے لئے جو نئے سے نئے طریقے پہلے تصور میں بھی نہ آسکتے تھے وہ آج رائج ہیں۔ قانونی مشینری کو کامیاب بنانے کے لئے سینکڑوں ادارے اور محکمے کروڑوں روپے کے خرچ سے کام کر رہے ہیں۔ انسانوں کی صحت و تندرستی کے لئے جو طرح طرح کی دوائیں سائنٹیفک آلات اور شفاخانوں کی بھرمار اور بڑے بڑے اسپیشلسٹ ڈاکٹروں کی بہتات جو آج ہے وہ آج سے پچاس سال پہلے کسی کے وہم و گمان میں نہ تھی۔ ضروریات زندگی کی ارزانی اور فراوانی کے لئے جتنی ملیں، کارخانے، زراعت کے جدید آلات، بیج اور کھاد کے نئے تجربات آج کام میں لائے جارہے ہیں۔ پچاس سال پہلے ان کا کہیں وجود نہ تھا۔ سائنس جدید اب زمین سے فارغ ہوکر آسمان کی طرف جاری اور خلاء کے سفر کی راہیں نکال لی ہیں۔

غرض یہ مکر چاندنی جس کو آج ترقی کا نام دیا جاتا ہے اپنے منصوبوں اور پروگراموں اور اسباب و آلات کے ساتھ آج پورے عروج و شباب پر ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ اس کے حیرت انگیز کارنامے انسانی دماغوں کو مسحور کرنے میں کامیاب ہیں۔ لیکن یہاں دیکھنے اور سوچنے کی بات اہل عقل و بصیرت کے لئے یہ ہے کہ زمین و آسمان کے قلابے ملانے اور قانون اور اس کی مشینریوں کو انتہائی عروج پر پہنچانے کے نتیجے میں انسان اور انسانیت کو کیا ملا۔ افراد و رجال کی بحث نہیں۔ مجموعہ انسانیت کو دیکھنا ہے کہ کیا اس کو اپنے کسی شعبہ زندگی میں چین و آرام ملا۔ کیا ضروریات زندگی سستی اور ان کی تحصیل آسان ہوگئی۔ کیا بیماریوں میں کچھ کمی آئی اور بیماروں میں شفایاب ہونے والوں کی تعداد بڑھ گئی۔ کیا جرائم کا انسداد ہوگیا۔ کیا قتل و غارت گری کم ہوگئی یا محکموں میں رشوت ستانی کا بازار کچھ سرد ہوگیا۔ کیا انسان کو عدالتوں سے انصاف حاصل کرنا آسان ہوگیا۔ کیا دنیا کے کسی حصہ میں جہاں ان نئے طریقوں کی حکومت ہے کہیں امن و امان حاصل ہوگیا۔ ان سوالات کا جواب واقعات و مشاہدات کی زبان دے گی اور یہی نہیں کہ

ایک ایک چیز کلی نفی میں جواب دے گی ، بلکہ حالات و مشاہدات یہ پکاریں گے کہ

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اب سوچئے کہ وقت اور زمانہ کا تقاضا کیا یہی ہے کہ عالم میں امن و امان قائم کرنے والے عالم انسان کو راحت و سکون کی زندگی بخشنے کے لئے جن طریقوں اور جن اسباب و آلات کا فیل اور ناکام ہونا ہر روز مشاہدہ میں آتا رہتا ہے انہی کی پرستش کئے چلے جائیں یا کوئی دوسرا راستہ ڈھونڈھیں اور کوئی نیا تجربہ کریں ۔ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں دو رائیں نہ ہونی چاہئیں ، بلکہ سب کا متفقہ فیصلہ یہی ہونا چاہئے کہ کوئی اور راستہ تلاش کرنا چاہئے ۔ اب وقت کا تقاضا قرآن کی زبان اور اسی کے الفاظ میں سنئے ۔

الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ وما انزل من الحق

"کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ اہل ایمان کے دل اللہ کی یاد اور ان کی طرف نازل کئے ہوئے حق کی طرف جھک جائیں"

اس آیت کے مفہوم کے مطابق اللہ پر ایمان اور آخرت پر یقین ہی وہ چیز ہے جو انسان کو انسان بناتی ہے ۔ اور یہ معلوم ہے کہ جب تک انسان انسان نہیں بنے گا کوئی قانون اور قانونی مشینری دنیا میں امن و امان قائم نہیں کر سکتی۔ کیونکہ قانون کوئی آٹومیٹک مشین نہیں ، جو خود کام کرے گی اس کو انسان ہی چلائیں گے ۔ جب انسان کے اعمال و اخلاق اور نیت فاسد ہوجائے تو سارے قانون بیکار ہوتے ہیں۔ اور قانون ایک قابل فروخت مال بن کر سربازار اس کی رسوائی مشاہدہ میں آتی ہے اس لئے دنیا میں امن و امان قائم کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے کہ انسان کو اللہ پر ایمان اور آخرت پر یقین سکھانے اور اس رنگ میں رنگنے کے لئے پوری قوت و توانائی خرچ کی جانے اور کسی کو کوئی عہدہ و منصب سپرد کرنے کے لئے جیسے اس کی قابلیت کار کو دیکھا جاتا ہے اس سے بھی زیادہ اس پر نظر کی جائے کہ اس کے دل میں ایمان اور خوف آخرت کتنا ہے ۔

دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی انسانی معاشرہ ان اوصاف کا حامل ہوا دنیا میں

امن و امان اور چین و سکون پایا گیا اور جب اس سے ہٹا تو بدامنی اور ہزاروں آفات و مصائب کا شکار ہوگیا۔

یورپ کے نکالے ہوئے مختلف ازموں اور نظموں کا تجربہ ہوچکا نہ سرمایہ داری کے نظام نے دنیا کو امن و راحت بخشی نہ اشتراکی نظام نے۔ اس لئے اب خدا کے لئے اہل عقل و بصیرت اس دنیا پر رحم کرکے ایک تجربہ اسلامی نظام کا بھی کرلیں۔ شرط یہ ہے کہ وہ ماڈرن خود ساختہ اسلام کا نیا ایڈیشن نہ ہو۔ بلکہ قرآن و سنت کی اصلی اور صحیح ہدایات پر مبنی ہو جو عہد رسالت سے آج تک مسلسل سمجھا جاتا رہا ہے واللہ المستعان و علیہ التکلان۔ بندہ محمد شفیع ۵ جمادی الثانی ۱۳۸۲ھ

امن عالم کیلئے صرف قانون کافی نہیں

اللہ پر ایمان اور آخرت پر یقین کے بغیر امن قائم نہیں ہوسکتا

مہذب ممالک میں جرائم کا طوفان

لکھے گا کلک حسرت دنیا کی ہسٹری میں
اندھیر ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں

کل تک مسلمانوں کی حیرت انگیز ترقیات نے غیر قوموں کو بھی اس اقرار پر مجبور کردیا تھا کہ دنیا کا امن و امان اور نظام سیاسی اور تمام ترقیات مذہب کے ساتھ وابستہ ہیں اور مذہب ہی وہ چیز ہے جو امن عالم کا صحیح معنی میں ذمہ دار ہوسکتا ہے۔ عہدِ فاروقی کا وہ واقعہ صفحات تاریخ سے ابھی تک نہیں مٹا، جبکہ مسلمانوں کی ایک مٹھی بھر بے سرو سامان جماعت نے فارس کی ٹڈی دل فوجوں سے ٹکرا کر ان کے فوجی کمانڈر کو دربارِ شاہی میں یہ عرض کرنے پر مجبور کردیا تھا کہ ہم اس جماعت سے کیسے عہدہ برآ ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ ان کا ہر سپاہی صبح سے شام تک اگر گھوڑے کی پشت پر بیٹھا ہوا میدان کارزار میں

سرفروشی کرتا ہے تو شام ہوتے ہی کسی نرم گدے اور آرام کی خواب گاہ کے بجائے اس کی شب باشی کی جگہ ایک مصلی ہوتا ہے اور جس وقت ہماری فوج خوابِ غفلت میں سرشار ہوکر اپنے وجود سے بے خبر ہوتی ہے ان کا سرنیاز اپنے مالک کے سامنے زمین پر رکھا ہوتا ہے اور وہ رو رو کر شہنشاہِ عالم کو پکارتے ہوئے شام سے صبح کر دیتے ہیں۔

ہم رات کو رویا کرتے ہیں جب سارا عالم سوتا ہے
ایک ٹیس جگر میں اٹھتی ہے ایک درد سا دل میں ہوتا ہے

اس لئے وہ جس طرف بڑھتے ہیں خدا تعالیٰ کی قدرت ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ الغرض مسلمانوں کی حیرت انگیز ترقی کا راز غیر مسلموں کے نزدیک بھی ان کا اسلام اور مذہبی پابندی تھی اور مسلمانوں کا تو یہ عقیدہ تھا ہی کہ مذہب ہی ہمارے انتہائی معراج کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے ایک عامل (گورنر) کو اسی حقیقت پر آگاہ کرنے کے لئے جو کلمات لکھے تھے وہ ہر مسلمان حکمران کو ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے رکھنے اور لوحِ دل پر نقش کرنے کے قابل اور مسلمانوں کی ہر دینی و دنیوی صلاح و فلاح کے ضامن ہیں وہ الفاظ یہ ہیں۔

کنتم اقلّ الناسِ فکثّرکم اللّٰہ بالاسلام و کنتم اذلّ الناس فاعزّکم اللّٰہ بالاسلام وکنتم افقر الناس فاغناکم اللّٰہ بالاسلام	"تم دنیا میں سب سے کم تھے تعداد میں اللہ نے اسلام کی وجہ سے تمہاری تعداد زیادہ کردی۔ تم سب سے زیادہ ذلیل تھے اللہ نے اسلام کی وجہ سے تمہیں عزت دی تم سب سے زیادہ غریب بے کس تھے اللہ نے اسلام کی وجہ سے تمہیں غنی کردیا۔

یہ لکھ کر پھر فرمایا کہ یاد رکھو اگر اب بھی تم نے اسلام اور اس کے احکام سے منہ موڑا تو تم پھر اسی گڑھے میں جا گرو گے جس میں پہلے تھے۔ لیکن ہمارے اعمال اور مسلمانوں کی قسمت سے آج وہ دن بھی دیکھنے پڑے جبکہ مسلمانوں کی عزت و شوکت کا

خاتمہ ہوا۔ ان کی علمی، عملی، اخلاقی حالت تباہ ہوئی اور وہ خواب غفلت میں مزے لیتے رہے اور جب آنکھ کھلی تو مرض کو دوا سمجھ کر الٹی تدبیریں شروع کردیں اور ترقی کی سب سے پہلی قسط اس کو سمجھا کہ مذہب کا گلا گھونٹا جائے۔ اسلام اور اسلامی شعائر کو مٹایا جائے۔ حسرت و افسوس کی انتہاء نہیں رہتی، جب یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی قومیت کا آخری سہارا اور ان کی رہی سہی موجودہ حکومتیں جن کی حرکت کو ان کی قسمت کا فیصلہ سمجھا جاتا تھا۔ آج جبکہ میدان ترقی میں قدم رکھنے کا ارادہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے جس چیز کو اس راستہ کا کانٹا سمجھ کر علیحدہ کیا جاتا ہے وہ مذہب اور شعائر مذہب ہیں۔

آہ! اگر ان کو اپنے اسلاف کے نشانِ قدم اور ان کے اتباع میں ترقی کے آثار نظر نہیں آتے تھے، بلکہ ترقی کے لئے یورپ کی چوکھٹ پر ہی جبہ سائی کی ضرورت تھی تو کاش وہ یورپ ہی کی پوری تقلید کرتے اور پہلے فنون حرب سیکھنے اور آلاتِ حرب پیدا کرنے میں وہ کمال حاصل کرتے، جو یورپ نے کیا۔ اپنے ملک کی صنعت و تجارت اور ایجاد و زراعت کو ترقی دینے میں یورپ کی نقل اتارتے اور جب وہ یہ سب کچھ حاصل کرچکتے تو پھر اگر ترک مذہب اور ان کی خاص عیش پستی اور وضع و تمدن میں بھی تقلید کرلیتے تو شاید کسی درجہ میں معذور سمجھے جاتے۔ لیکن یہاں تو ترقی کی ابتداء ہی اس سے ہوئی ہے۔ گویا ترقی کا مفہوم ان کے نزدیک صرف فیشن اور یورپین وضع اور عیش پرستی میں منحصر ہے۔

کاش! کوئی اس مزعومہ ترقی یافتہ قوم سے پوچھ لیتا کہ اگر تم انگریزوں کی طرح کھڑے ہوکر پیشاب نہ کرتے تو ترقی کا کون سا قلعہ فتح کرنے سے رہ جاتا یا انگریزی ہیٹ، بوٹ اور چھری کانٹا استعمال نہ کرتے تو دنیا کی کون سی ترقی اس پر موقوف تھی جس کا حاصل ہونا محال ہوجاتا۔ یورپ کی بے حیائی اگر اختیار نہ کی جاتی تو مسلمانوں کی قومی ترقی میں کیا نقصان باقی رہ جاتا۔ اور بالآخر ملکہ ثریا جاہ کی وہ نیم برہنہ تصویر جو عام

اخبارات میں شائع کی گئی ہے جس کی نسبت ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس کو واقعیت سے کتنا تعلق ہے۔ اگر منظر عام پر نہ آتی تو مسلمانوں کی قومیت اور قومی ترقی کو کیا ٹھیس لگ جاتی جس کے رفع کرنے کے لئے خود نیم برہنہ ہو کر تمام مسلمان خواتین میں بے حیائی اور بے پردگی کا ایک عام طوفان برپا کردیا گیا ہے ؟ سچ ہے جب کسی قوم یا شخص کے برے دن آتے ہیں تو عقل اندھی ہوجاتی ہے ۔

جو حضرات مذہب ہی کو ترقی کے لئے سنگ راہ سمجھ کر تمام سیاسی انتظامات کی تکمیل اس پر موقوف کرتے ہیں کہ مذہب کو الوداع کہہ دیا جائے ۔ میں اس وقت ان کی خدمت میں ان اقوام و ممالک کے سیاسی انتظام اور اس کی کامیابی کے متعلق ایک مختصر نقشہ موازنہ کے لئے پیش کرتا ہوں۔ جس کے دیکھنے سے یہ یقین کرلینا پڑتا ہے کہ دنیا کا انتظام بھی صرف مذہب سے قائم ہوسکتا ہے ۔ مذہب کو چھوڑ کر کوئی سیاسی قانون امن عالم کا ہرگز کفیل نہیں ہوسکتا۔

یورپین شہروں میں جرائم قتل:۔ معزز ہمعصر " سچ " لکھنو جلد ۴ نمبر ۲۵ اپنی اشاعت مورخہ ۱۲ جولائی ۱۹۲۸ء میں بحوالہ اخبار خلافت لکھتا ہے ۔ حسب ذیل الفاظ میں ڈاکٹر موف مین نے امریکہ کی جدید تہذیب پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ۔

> "سال بسال قتل کی جو خوفناک وارداتیں سرعت کے ساتھ ترقی کررہی ہیں۔ وہ ہماری امریکی تہذیب پر بدنما داغ ہیں ۔ جو جرائم کی نوعیت روز بروز اتنی پیچیدہ ہوتی گئی ہے جس سے سراغرسانی مشکل ہوتی جاتی ہے ۔ ۱۹۲۷ء میں تو بعض قتل اتنے خوفناک ہوئے تھے ۔ جس کی نظیر تاریخ جرائم میں ملنی محال ہے ۔ تیئس سال کے جرائم حسب ذیل نقشہ سے معلوم ہوں گے ۔

سال	تعدادِ شہر	آبادی	قتل	شرح فی لاکھ
۱۹۰۰ء	۳۱	۱۱۹۸۱۰۳۴	۶۰۹	۵٫۱
۱۹۰۵ء	۳۱	۱۴۰۲۴۴۴۴	۶۶۰	۶٫۶
۱۹۱۰ء	۳۱	۱۶۸۷۴۴۴۳	۱۳۶۵	۸٫۱
۱۹۱۵ء	۳۱	۱۸۷۴۴۷۶۴	۱۶۱۴	۸٫۶
۱۹۲۰ء	۳۱	۲۰۵۷۱۸۹۷	۱۷۵۶	۸٫۵
۱۹۲۵ء	۲۸	۲۱۵۸۸۴۷۴	۲۳۹۷	۱۱٫۱
۱۹۲۶ء	۳۰	۲۲۹۱۳۵۰۰	۲۳۰۲	۱۰٫۶
۱۹۲۷ء	۳۰	۲۲۱۹۷۴۰۳	۲۳۰۴	۱۰٫۱

لندن کا مشہور روزنامہ ڈیلی ٹیلی گراف اپنی اشاعت مورخہ ۴ اگست میں اس کمیشن کی رپورٹ کے ذیل میں لکھتا ہے جس کو امریکہ کے لئے بٹھایا تھا کہ انگلستان و ویلز میں تعلیم کے باوجود قتلِ عمد کے کل واقعات کی تعداد سالانہ ۱۵۴ رہی۔ جس کے مقابلہ میں اتنی ہی مدت کے اندر سارے ملک امریکہ میں نہیں، بلکہ اس کے صرف ایک شہر نیو یارک میں ان واقعات کی گنتی ۲۲۱ تک پہنچی۔ (سچ لکھنو ۱۴ ستمبر ۱۹۲۸ء)

خدا کی پناہ اس دو کروڑ کی مختصر آبادی میں سال بھر کے عرصہ میں دو ہزار ۲۹۷ قتل کے واقعات ان شہروں میں پیش آئے ہیں جنہیں نہ اپنے آپ کو مہذب و متمدن کہتے ہوئے شرم آتی ہے اور نہ دوسرے ممالک کو وحشی کہتے ہوئے حیاء دامنگیر ہوتی ہے۔ اگر یہی تہذیب و تمدن ہے تو ایسی تہذیب کو ہمارا سلام۔

اس کے بالمقابل جب ہم اپنے غیر مہذب ہندوستان کے طول و عرض میں یہ دیکھتے ہیں کہ ۲۸ کروڑ کی کثیر التعداد آبادی میں اس قسم کے سالانہ واقعات ایسے گنے چنے ہوتے ہیں کہ فی لاکھ آدھے کا اوسط بھی یقینی طور سے نہیں ہوتا تو بلا تامل کہنا پڑتا ہے کہ ایسی

تہذیب سے ہماری بربریت ہزاروں درجہ بہتر ہے۔

پولیس کا خرچ اٹھائیس ارب روپیہ:- اور حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی جب اس کے ساتھ ہی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ۱۹۲۷ء میں (جس میں قتل عمد کی تعداد ۲۲۴۰ دکھلائی گئی ہے) امریکہ میں محکمہ جرائم پر جو کچھ صرف ہوا۔ اس کی میزان دس بیس کروڑ نہیں۔ اٹھائیس ارب روپیہ تک پہنچتی ہے اس پر بھی پولیس کی تعداد ناکافی خیال کی جاتی ہے۔ چنانچہ اب پولیس میں اضافہ کی تجویز ہے اس کے مقابل جب بے چارے غیر مہذب ایشیائی ممالک پر نظر ڈالی جاتی ہے تو ان کے محکمہ پولیس کے مصارف کو اس سے کوئی بھی نسبت نہیں۔

یہ بیانات کسی مخالف کے الزامات نہیں، بلکہ خود امریکہ نے اپنے یہاں تحقیقات جرائم کے لئے جو کمیشن بٹھایا تھا اس کے قلم سے نکلے ہوئے اعترافات ہیں جو روزنامہ ڈیلی ٹیلی گراف ۴ اگست کے ذریعہ ہندوستان تک پہنچے ہیں۔ جب جرائم کا مقابلہ جرائم سے اور اس کے ساتھ محکمہ پولیس کے مصارف کا موازنہ یہاں کے مصارف سے کیا جاتا ہے اور اس میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اٹھائیس ارب روپیہ خرچ کرنے والی پولیس کے زیر نگرانی ایک سال میں ۲۲۴۰ قتل عمد کی وارداتیں ایک تعلیم یافتہ ملک میں پیش آتی ہیں اور اس کے مقابل ہندوستان جیسے غیر تعلیم یافتہ ملک میں باوجود یہ کہ نہ پولیس کا کوئی انتظام ہے اور اس رقم کا کوئی معتدبہ جزو یہاں کی پولیس پر خرچ ہوتا ہے مگر اس قسم کے جرائم کالعدم ہیں تو ایک بصیر انسان یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ اس عظیم الشان فرق کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہندوستان میں اب تک کچھ نہ کچھ مذہبی روح باقی ہے اور یورپ اس سے بالکل محروم ہوچکا ہے اور صرف یہی وہ چیز ہے جو بلا نگرانی پولیس بھی انسان کو جرائم سے باز رکھ سکتی ہے۔

حرام کاری اور بے حیائی:- انگلستانی تعلیم و تہذیب اور قانونی سیاست کی برکات کا

خاکہ مندرجہ ذیل نقشہ سے ظاہر ہوسکتا ہے جو انگلستان میں صرف ایک سال کے عرصہ میں رونما ہوئے۔

جرم	گرفتار	سزایاب	جرم	گرفتار	سزایاب
بے حیائی	۳۲۵	۲۵۸	دلالی	۲	۲
حرامکاری	۳۶۹	۲۴۳	برہنگی	۱	۱
اعانت جرم بالا	۳۶	۳۶			

اس میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ جس حرام کاری کو انگلش قانون نے جرم قرار دے کر سزا کا مستحق بنایا ہے وہ عام زنا کاری نہیں، بلکہ اس کا صرف ایک شعبہ ہے یعنی زنا بالجبر۔ ورنہ مطلق زنا تو یورپین شریعت میں تہذیب کا رکن اعظم ہے۔

ہائیڈ پارک لندن کا مشہور پارک ہے اس میں واقع ہونے والے بعض جرائم کے متعلق ہوم سیکرٹری (وزیر داخلہ) نے جو اعداد پارلیمینٹ کے سامنے حال میں پیش کئے ہیں۔ ان کا خلاصہ ۳۱ مارچ ۱۹۲۸ء تک ایک سال کے لئے حسب ذیل ہے۔

جرم	گرفتار	سزایاب
زنا بالجبر	۱	۱
توہین	۵۶	۴۰
حملہ مجرمانہ	۲	۰

یہ اعداد و شمار تقریباً روزانہ کسی چھپے چھپائے مقام جو کسی بدمعاشوں کے اڈے یا تہہ خانہ کے نہیں، ایک کھلی تفریح گاہ کے ایک عام پبلک مقام کے ہیں جہاں ہر وقت پولیس کا پہرہ قائم ہے۔

اس کے مقابلہ میں جب ہم ان ممالک پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں جن میں ابھی تک مذہب کے بقیہ اثرات موجود ہیں تو اس طوفان بے تمیزی سے ان کو تقریباً مامون پاتے ہیں اور جوں جوں ان میں سے مذہبی روح نکلتی جاتی ہے اسی طرح جرائم کی تعداد

روز افزوں ترقی کرتی جاتی ہے۔

عہد فاروقی کا مشہور واقعہ ہے کہ حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک رات حسب عادت احوال رعیت کی تفتیش کے لئے گشت لگا رہے تھے۔ ایک کوچہ میں پہنچے تو اچانک ایک مکان کے اندر سے کچھ اشعار پڑھنے کی آواز آئی۔ غور سے سنا تو ایک عورت یہ اشعار پڑھ رہی تھی۔

فواللہ لولا اللہ یخشی عواقبہ لزعزع من ھذا السریر جوانبہ

یعنی بخدا اگر خدا کے عذاب کا خوف نہ ہوتا تو آج (جوانی کی امنگوں کو پورا کرنے میں) اس چارپائی کی چولیں ہلا دی جاتیں۔

یہ سن کر حضرت عمر فاروق نے تحقیق کی کہ یہ کس کا مکان ہے اور یہ کون عورت ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ ایک سپاہی کی بیوی ہے جو عرصہ سے جہاد کے لئے گیا ہوا ہے۔ اور یہ اس کی جدائی میں عفت کے ساتھ اپنا وقت گذار رہی ہے۔ اسی وقت حکم نافذ فرما دیا گیا کہ چار ماہ سے زائد کوئی سپاہی اپنے وطن سے غائب نہ رکھا جائے۔ (تاریخ الخلفاء)

یہاں کون سی پولیس حفاظت کر رہی تھی اور اس مغلوب جذبات عورت کو رات کی خموش تاریکی مین کس کا ڈر تھا۔ جواب متعین ہے کہ صرف مذہب اوراس کی تعلیمات تھیں جواس کوفسادِ عظیم سے بچا رہی تھیں اورجن ممالک میں کچھ مذہب کے آثار باقی ہیں ان میں آج بھی اس واقعہ کی بہت سی نظیریں ملتی ہیں۔ کیا ان واقعات اور احوال کے بعد بھی ہمارے تعلیم یافتہ حضرات مذہب کو سیاسی انتظام اور ترقی کے لئے الگ راہ بتائیں گے۔ فَمَالِھٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَکَادُوْنَ یَفْقَھُوْنَ حَدِیْثًا۔

تکملہ مضمون بالا

یہ مضمون احقر نے اب سے چونتیس سال پہلے مشترکہ ہندوستان میں اس وقت لکھا

تھا جبکہ انگریز اپنی پوری آب و تاب سے ہندوستان پر حکومت کررہا تھا اور خلافت و کانگریس کی جنگ آزادی تقریباً مردہ ہوچکی تھی۔ کسی اسلامی مملکت کے وجود میں آنے کا تصور دور دور نہ تھا۔ اس وقت (دارالعلوم دیوبند سے شائع ہونے والے ہفتہ وار اخبار الانصار کی اشاعت مورخہ ۸ر اکتوبر ۱۹۲۸ء میں شائع ہوا تھا۔

اتفاقاً اس وقت اس اخبار کا کٹنگ کاغذات میں سامنے آگیا تو مفید سمجھ کر اس کو ثمرات الاوراق کا جزو بنانے کا خیال ہوا۔ مگر ساتھ ہی اب سے چونتیس سال پہلے کے زمانہ اور زمانہ حال کے موازنہ کی طرف دھیان چلا گیا جس میں ہر خیر و فلاح کے انتہائی انحطاط اور ہر شر و فساد کی طوفانی رفتار سے بڑھنے کی تصویر مثالی آسامنے کھڑی ہوئی۔ چوری، ڈاکے، دھوکے، فریب، قتل و غارت گری، بدکاری، فحاشی، عریانی، بے حیائی کے وہ اعداد و شمار سامنے آگئے جن کے مقابلے میں اس مضمون سابق کے اعداد و شمار کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

سب سے زیادہ قلب و دماغ پر جس چیز نے بجلی گرائی وہ زمانہ کی یہ ستم ظریفی تھی کہ انگریزی عہد میں ہم یہ سمجھا کرتے تھے کہ یہ سب نحوستیں انگریز کی لائی ہوئی ہیں وہ جائے گا تو یہ سب نجاستیں بھی خود بخود دھل جائیں گی۔ اس لئے جب کسی سوراخ سے آزادی کی کرن نظر آئی تو اس کی طرف دوڑنے اور حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس واقعہ کے تقریباً چالیس سال بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی یہ آرزو بھی پوری فرمادی کہ انگریز سے آزادی ملی۔ ایک آزاد اسلامی مملکت پاکستان کے نام سے وجود میں آگئی۔ اس کے ساتھ اس مملکت میں خیر و صلاح، امن و سکون، غیروں کی غلامی سے نجات، اسلامی غیرت و حمیت، اسلامی معاشرت، اسلامی کردار و عمل کے وہ سب نقش ابھر کر آنکھوں میں پھرنے لگے جو اسلامی تعلیمات پر عمل کے نتیجہ میں حاصل ہونا آفتاب کی طرح یقینی ہیں۔ مگر جو کچھ آنکھوں نے پندرہ سال کے طویل عرصہ میں دیکھا وہ اس سے زیادہ نہیں کہ

بلبل ہمہ تن خون شدہ گل شد ہمہ تن چاک اے وائے بہارے گر انیست بہارے

کیا خبر تھی کہ انگریز چلا گیا، مگر لارڈ میکالے کی تعلیم کے رنگے ہوئے ایسے کالے انگریز ہم پر مسلط کر گیا جنہوں نے انگریز سے صرف اس کی برائیاں عیاشی فحاشی، شراب نوشی ہی سیکھی ہے اور سفید انگریز تو کچھ سوچ سمجھ کر بھی کوئی کام کر لیتا تھا ان کالے انگریزوں کے پاس سوچنے کا دماغ اور سمجھنے کی عقل نہیں۔ ان کے نزدیک علم و حکمت صرف یہ ہے کہ جو کچھ انگریز کر گیا ہے اس کی نقل اتاری جائے ۔ اور جہاں اسلام اس نقالی میں آڑے آنے لگے تو اسلام کی وسعت و سہولت کے سنے ہوئے الفاظ کی دھائی دے کر ایک ماڈرن اسلام کا ایسا ڈھیلا ڈھالا چولہ (جس میں انگریز کی ساری بد معاشی فحاشی کھپ سکے ۔) تیار کرنے کے لئے ثقافت اور ریسرچ کے نام پر اسی میکالے کے ڈھالے ہوئے دماغوں کو بٹھا دیں جنہوں نے اسلام کو صرف انگریز کی زبان سے سنا اور انگریز کی آنکھ سے دیکھا ہے۔ علماء امت ان کی غلطیوں پر کچھ بولیں تو ان کو اسلام کے اس خود ساختہ ایڈیشن کو اپنانے اور ان کے ہر گناہ کو جائز قرار دینے کی تلقین کی جائے اور اس کا نام رکھا جائے زمانہ شناسی اور وقت کے تقاضے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت استاذ کی ایک وصیّت اہل علم کیلئے قابلِ قدر ہدایت

احقر جب ۱۳۳۹ھ میں دارالعلوم دیوبند کے نصاب تعلیم سے فارغ ہوا تو کاٹھیا واڑ کے شہر ویراول کے ایک عربی مدرسہ میں مجھے خدمت درس کے لئے بلایا گیا۔ بعض اکابر نے اس کی موافقت فرمائی اس لئے جانے کا ارادہ کر لیا۔ پھر میرے محسن و مربی حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم نے مجھے دارالعلوم ہی میں خدمت درس کے

لئے روک لیا۔ اس لئے جانا نہیں ہوا۔ ارادہ فسخ کرنے سے پہلے جب احقر نے اپنے استاد محترم استاذ الاساتذہ مجمع العلوم و فنون حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند سے جانے کی اجازت طلب کی اور عرض کیا کہ اب تک تو اساتذہ کے زیر سایہ کوئی ذمہ داری نہ تھی وہاں کوئی ایسے بزرگ سر پر نہ ہوں گے جن سے مشکلات میں رجوع کیا جاسکے تو ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں ہر فن کی چند کتابوں کے نام بتلاتا ہوں ان کو مطالعہ میں رکھو انشاء اللہ سب مشکلات کا حل ثابت ہوں گی۔

یہ کام اسی علوم و فنون کے بحرِ ذخار کا تھا جس کی نظر علوم و فنون کے سب کتب خانوں پر پوری طرح حاوی اور خداداد حافظہ ایک ایسا خزانہ تھا جس میں جو چیز پڑگئی محفوظ ہوگئی۔ اس لئے احقر نے مجلس سے اٹھنے کے بعد جو یاد رہی ان کو تحریر کرلیا تھا۔ برادران اہل علم کے لیے پیش کرتا ہوں۔

فن حدیث میں	فتح الباری شرح بخاری
فقہ میں	بدائع اور ہدایہ
اصول فقہ میں	تحریر الاصول ابن ہمام اور اسکی تلخیصات جو بعض علماء نے کی ہیں
علم معانی و بدائع میں	شرح تلخیص المفتاح بہاء الدین
فن نحو میں	اشمونی
فن منطق میں	شرح سلم بحرالعلوم

جنّت و دوزخ کہاں ہیں

تفسیر خازن وغیرہ میں آیت کریمہ عرضھا السموات والارض کی تفسیر میں حضرت قتادہؓ سے نقل کیا ہے کہ جنت ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے اور جہنم زمین کے ساتویں طبقہ میں۔

(ص ۲۸۳)

والدین کو نصیحت امر بالمعروف کرنے کا طریقہ

فقہ کی مشہور کتاب الاحتساب میں ہے کہ اگرچہ اولاد پر ماں باپ کا ادب و احترام لازم ہے لیکن اگر وہ کسی ناجائز کام میں مبتلا ہوں تو ادب اور نرمی کے ساتھ صحیح بات بتلانا ادب و احترام پدری کے منافی نہیں، بلکہ عین خیر خواہی ہے۔

البتہ ایک مرتبہ ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی غلطی پر متنبہ کرنے کے بعد پھر ان کے درپے نہ ہو، جو ان کی اذیت کا سبب بنے، بلکہ سکوت کرے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے کہ ان کو صحیح راستہ کی ہدایت اور نیک عمل کی توفیق ہو۔

کفریات اور معاصی پر مشتمل کتابوں کا پاس رکھنا بھی گناہ ہے

شیخ ابو اسحٰق اسفرائنی کی مشہور کتاب مہذب میں ہے کہ جن کتابوں میں اسلام و ایمان کے خلاف مضامین ہوں یا ایسے مضامین جن سے گناہوں کی تحسین یا ترغیب ہوتی ہے۔ ان کو اپنے پاس محفوظ رکھنا بھی گناہ ہے کیونکہ ان کتابوں کا مطالعہ بھی گناہ ہے (مہذب ص ۲۵۰)

اور زاد المعاد میں ابن قیم نے فرمایا کہ جو کتابیں کفر و شرک پر مشتمل ہوں ان کا فروخت کرنا بھی جائز نہیں۔ (زاد ص ۲۲، ج ۲) مگر کوئی عالم تردید کے لئے ایسی کتابیں اپنے پاس رکھے اور دیکھے تو بوجہ ضرورت اس کے لئے جائز ہے۔ محمد شفیع

ابوالکلام آزاد مرحوم کا کلمہ حق

اپنے تذکرہ ص ۲۲۹ میں لکھا ہے

اصحاب حق و اقتصاد کا طریقہ ہے کہ تمام ائمہ سلف کو حق و راستی پر یقین کرتے ہیں اور تمام ائمہ مجتہدین اہلسنت کو اپنے اپنے مجتہدات میں برسرِ حق و بصیرت سمجھتے ہیں اور سب کی محبت و تعظیم اور عموم حسن ظن کو اہلسنت کے لئے ایک علامت بتلاتے ہیں سب کا علم و عمل کتاب و سنت پر تھا۔ کوئی نہیں جس نے بلا کسی دلیل و بصیرت کے اجتہاد کیا ہو۔ البتہ عصمت صرف انبیاء کے لئے ہے۔

اسلامی تاریخ کا ایک عجیب واقعہ

مسلمانوں کا ہر چھٹا امیر معزول یا مقتول

علامہ کمال الدین دمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب حیوۃ الحیوان میں اسلامی تاریخ کا ایک عجیب لطیفہ تحریر فرمایا ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں کا ہر چھٹا امیر معزول یا مقتول ہوا ہے۔ پھر اسے ثابت کرنے کے لئے صدیوں تک کی مختصر تاریخ پیش کی ہے۔ ہم اس کا خلاصہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں مسلمانوں کی خلافت کی ترتیب حسب ذیل رہی ہے۔

۱۔ مسلمانوں کے سب سے پہلے امیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔

۲۔ حضرت ابوبکر صدیق۔ ۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ ۴۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔ ۵۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ ان کے بعد چھٹے خلیفہ

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ تھے۔ چنانچہ وہ معزول ہوئے ہیں۔ پھر خلفاء کی ترتیب اس طرح رہی ہے۔

۱۔ حضرت معاویہ ۔۲۔ یزید بن معاویہ ۔۳۔ معاویہ بن یزید۔ ۴۔ مروان بن حکم۔ ۵۔ عبدالملک بن مروان ۔ ۶۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ۔ یہ چھٹے امیر تھے اور قتل کئے گئے۔ آپ کے بعد خلفاء کی ترتیب اس طرح رہی کہ

۱۔ ولید بن عبدالملک ۔ ۲۔ سلیمان بن عبدالملک ۔ ۳۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز ۔ ۴۔ یزید بن عبدالملک ۔ ۵۔ ہشام بن عبدالملک ۔۶۔ ولید بن یزید بن عبدالملک۔ یہ چھٹا امیر تھا۔ چنانچہ اسے معزول کیا گیا۔ کیونکہ یہ بڑا فاسق و فاجر تھا۔ اس کے بعد خلفاء کی ترتیب اس طرح رہی کہ

۱۔ یزید بن ولید بن عبدالملک۔ ۲۔ ابراہیم بن ولید۔ ۳۔ مروان بن محمد، اس کے بعد خلافت بنو امیہ ختم ہوگئی۔ اس لئے مندرجہ بالا تاریخی اصول کا عمل ظاہر نہ ہوسکا۔ کیونکہ ولید بن یزید کے بعد صرف تین خلفاء ہوئے اور پھر خلافت بنو عباس قائم ہوئی۔ اس میں یہی اصول اپنا عمل دکھاتا رہا ہے۔

خلافت عباسیہ:۔ ان کی ترتیب حسب ذیل ہے۔

۱۔ سفّاح ۔ ۲۔ ابو جعفر منصور ۔ ۳۔ محمد مہدی۔ ۴۔ موسیٰ الہادی۔ ۵۔ ہارون الرشید۔ ۶۔ محمد امین بن ہارون الرشید۔ یہ چھٹا خلیفہ تھا لہذا مامون رشید کے ہاتھوں معزول اور مقتول ہوا۔ اس کے بعد ترتیب اس طرح رہی۔

۱۔ مامون الرشید۔ ۲۔ ابراہیم المعتصم باللہ ۳۔ واثق باللہ ۔ ۴۔ جعفر متوکل۔ ۵۔ محمد المنتصر باللہ ۶۔ احمد المستعین باللہ۔ یہ چھٹا تھا لہذا معزول و مقتول ہوا۔ اس کے بعد حسب ذیل خلفاء آئے۔

۱۔ محمد المعتز باللہ ۔ ۲۔ جعفر المہتدی باللہ ۔ ۳۔ احمد المعتمد علی اللہ ۔ ۴۔ احمد المعتضد باللہ ۔ ۵۔ علی المکتفی باللہ ۔ ۶۔ جعفر المقتدر باللہ۔ یہ چھٹا ہے چنانچہ اسے دو

مرتبہ معزول کیا گیا اس کے بعد مندرجہ ذیل امراء آئے۔
۱۔ عبداللہ بن معتز المرتضی باللہ ۔ ۲۔ محمد القاصر باللہ ۔ ۳۔ احمد الراضی باللہ ۔ ۴
۔ ابراہیم المتقی باللہ ۔ ۵۔ عبداللہ المکتفی باللہ بن المکتفی ۔ ۶۔ ابو الفضل المطیع اللہ ۔
یہ چھٹا تھا ۔ چنانچہ معزول ہوا۔ اس کے بعد ترتیب اس طرح ہے ۔
۱۔ احمد القادر باللہ ۔ ۲۔ عبداللہ القائم بامر اللہ ۔ ۳۔ المقتدی بامر اللہ ۔ ۴۔
مستظہر باللہ ۔ ۵۔ مسترشد باللہ ۔ ۶۔ جعفر الراشد باللہ ۔ یہ چھٹا ہے ۔ معزول ہوا۔
پھر ترتیب یوں ہے ۔
۱۔ المقتفی لامر اللہ ۔ ۲۔ مستنجد باللہ ۔ ۳۔ مستضی بنور اللہ ۔ ۴۔ ناصر الدین اللہ
۔ ۵۔ الظاہر بامر اللہ ۔ ۶۔ مستعصم باللہ ۔ یہ چھٹا ہے لہذا معزول اور مقتول ہوا ۔ پھر
ترتیب اس طرح رہی۔
۱۔ مستنصر باللہ ۔ ۲۔ حاکم بامر اللہ ۔ ۳۔ مستکفی باللہ ۔ ۴۔ حاکم بامر اللہ بن
المستکفی ۔ باللہ ۔ ۵۔ معتضد باللہ ۔ ۶۔ متوکل علی اللہ ۔ ان کے بعد خلافت عباسیہ
چھ خلفاء تک نہیں پہنچ سکی۔

فاطمی خلفاء علامہ دمیریؒ نے مصر کے فاطمی خلفاء میں بھی یہی اصول بیان کیا ہے ان کی ترتیب یہ ہے ۔ ۱۔ مہد ۔ ۲۔ قائم ۔ ۳۔ منصور ۔ ۴۔ معز ۔ ۵۔ عزیز ۔ ۶
۔ حاکم یہ اپنی بہن کے ہاتھوں قتل ہوئے پھر ۔ ۱۔ ظاہر ۔ ۲۔ مستنصر ۔ ۳۔ مستعلی
۔ ۴۔ آمر ۔ ۵۔ حافظ ۔ ۶۔ ظافر ۔ یہ چھٹے تھے اور معزول ہوئے ۔ پھر ۱۔ فائز ۔ ۲
۔ عاضد ۔ یہاں یہ خلافت بھی ختم ہو گئی۔

ایوبی خلفاء ایوبی خلفاء میں بھی یہ اصول عمل دکھاتا رہا ہے ۔ ان کی ترتیب حسب ذیل تھی۔ ۱۔ صلاح الدین ایوبی ۔ ۲۔ عزیز ۔ ۳۔ افضل ۔ ۴۔ العادل
الکبیر ۔ ۵۔ کامل ۔ ۶۔ العادل الصغیر۔ یہ چھٹے تھے چنانچہ معزول ہوئے ۔ آگے چھ

خلفاء تک تعداد نہیں پہنچ سکی۔

ترکی خلفاء علامہ دمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ترکی خلفاء میں بھی یہ اصول ثابت کیا ہے۔

نمونہ کے لئے جتنا ہم نے ذکر کیا ہے وہ کافی ہے۔ (حیوۃ الحیوان ص ۲۲ تا ص ۹۶ ملخصاً)

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا ایک زرین ارشاد

کسی نے حضرت ممدوح سے حضرت علی اور معاویہ کی باہمی جنگ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا دماء ظهر الله عنها سيو فنا افلا لظهر عنها السنتنا " یعنی یہ وہ خون ہیں کہ جن سے اللہ نے ہماری تلواروں کو محفوظ رکھا ہے تو اب ہم اپنی زبانوں کو اس خون سے آلودہ کرلیں۔ " (حیوۃ الحیوان ص ۳۸۴، جلد ۱)

فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ اہل یورپ کی نظر میں

مسٹر عبداللہ یوسف علی ایم اے ایل ایل ایم نے اپنی کتاب " انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ " شائع کردہ ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کے ص ۶۳ میں لکھا ہے کہ مشہور سحر بیان مقرر اور مقنن اور اڈمنڈ برک نے فقہ حنفی کی مشہور و معروف کتاب ہدایہ کے ایک خلاصہ کے فارسی ترجمہ کا انگریزی ترجمہ دیکھ کر جو الفاظ اس کتاب پر لکھے ہیں وہ یہ ہیں۔

" اس کتاب میں دماغ کی بڑی طاقت نظر آتی ہے اور ایسا فلسفہ قانون ہے جس میں بہت باریکیاں پائی جاتی ہیں۔ "

یہ کتاب آج بھی برک کی اس تحریر کے ساتھ آکسفورڈ کی مشہور بوڈلین لائبریری کی زینت بنی ہوئی ہے۔ برک کو اصل ہدایہ پڑھنے کی تو کیا نوبت آتی۔ انگریزی ترجمہ بھی

اصل کتاب کا دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔ کسی نے فارسی زبان میں ہدایہ کا خلاصہ تیار کیا۔ اس خلاصہ فارسی کا انگریزی ترجمہ دیکھ کر برک نے یہ رائے قائم کی۔ اگر یہ برطانوی مفکر اور مقنن اصل کتاب ہدایہ کو دیکھ پاتا تو خدا جانے صاحب ہدایہ اور ہدایہ کی کتنی عظمت اس کے دل میں قائم ہوتی۔ (از صدق جدید ۱۸ اگست ۱۹۶۱ء)

امام محمد بن حسن شیبانیؒ تلمیذ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی مشہور کتاب "مبسوط" کو ایک یہودی عالم نے دیکھا تو اتنا متاثر ہوا کہ اسی پر اسلام قبول کرلیا اور کہا۔

هذا كتاب محمدكم الاصغر
فكيف بكتاب محمدكم الاكبر۔

"یعنی یہ تو تمہارے چھوٹے محمد (یعنی محمد بن حسن) کی کتاب ہے تو تمہارے بڑے محمد (صلی اللہ وآلہ وسلم) کی کتاب کا کیا حال ہوگا۔"

از سیرت محمد بن حسن شیبانی)

عربی زبان کی عجیب و غریب وسعت

کتاب المتکبر فیما یتعلق بالمونث والمذکر میں ہے کہ عربی زبان میں شہد کے لئے ۸۰ نام ہیں اور سانپ کے دو سو اور شیر کے پانچ سو اور اونٹ کے ایک ہزار تلوار اور مصیبت کے چار ہزار۔ اصمعی نے کہا کہ مجھے پتھر کے ستر نام یاد ہیں۔

اتنے وسیع لغات کو یاد رکھنے کے لئے جیسے قوی حافظہ کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ نے عربوں کو حافظہ بھی اس کے مطابق ہی عطا فرمایا تھا۔ حماد راویہ نے ایک دن خلیفہ وقت سے کہا کہ میں اسی مجلس میں آپ کو سو ۱۰۰ قصیدے سناتا ہوں جن کے اشعار بیس سے لے کر سو تک ہوں گے اور اسی وقت سنادیئے۔ (المستطرف ص ۵۶۶)

عزت وجاہ کی طبعی خواہش پر
یوسف ابن اسباط کا ارشاد

یوسف ابن اسباط متقدمین صوفیائے کرام میں ایک علی مرتبت بزرگ ہیں۔ کسی شخص نے خط لکھ کر ان سے دریافت کیا کہ میرا نفس مجھے عزت و جاہ حاصل کرنے پر مجبور کرتا ہے میں کیا کروں۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ اپنے نفس کو اس خواہش سے روکنا اس جہاد سے بہتر ہے جس میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر دشمنوں کا مقابلہ کرتا ہے۔ (روح البیان سورہ برات ۹۰۵ ، ج ۱)

حضرت قتیبہ بن مسلم کا دریائے جیحون سے گھوڑوں پر عبور

بخاری کی فتح کے لئے جب قتیبہ ابن مسلم دریائے جیحون پر پہنچے تو کفار نے تمام کشتیاں اپنے قبضہ میں کرلیں تاکہ وہ دریا عبور نہ کرسکیں۔ ان بزرگوں کی پوری زندگی کا وظیفہ یہی تھا کہ اپنی مقدور تک مادی اسباب کو جمع کرتے اور استعمال کرتے اور جہاں مادی اسباب جواب دیدیں تو پھر راہ براست مسبب الاسباب کی بارگاہ میں دعا اور اس کی طرف توجہ ان کا آخری اور کامیاب حربہ ہوتا تھا۔ قتیبہ بن مسلم نے یہ حال دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا ان الفاظ کے ساتھ کی۔

> " یااللہ اگر آپ جانتے ہیں کہ میری غرض صرف تیرے لئے
> جہاد کرنا اور تیرے دین کی عزت اور تیری ذات کے لئے لڑنا ہے تو
> مجھے اور میرے ساتھیوں کو اس دریا میں غرق نہ فرمایئے اور اگر
> میری نیت اس کے سوا کچھ اور ہے تو مجھے اس دریا میں غرق فرما

دیجئے - یہ دعا کرکے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور پورا لشکر پیادہ و سوار دریا میں اتر گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے کسی ایک سپاہی کو ذرا سا بھی نقصان نہ پہنچا۔ سب صحیح سالم ایسے دریا کو عبور کرگئے جیسے خشک زمین پر۔ "

(روح البیان)

جوانوں کی بجائے بوڑھوں کی صحبت ومجالست بہتر ہے

عمرو بن علاء کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ نوجوانوں کی مجلس میں بیٹھا تھا۔ حضرت سعید بن جبیرؒ نے مجھے تنبیہ کی کہ یہاں کیا کرتے ہو، بڑے اور مشائخ کی مجلس میں بیٹھو۔ (روضۃ العقلاء ص ۸۲)

انسان کی خوش نصیبی کیا ہے

امام حدیث ابو حاتم نے فرمایا کہ چار چیزیں انسان کی خوش بختی کی علامت ہیں۔ اول یہ کہ اس کی بیوی اس کے مزاج کے موافق ہو۔ دوسرے یہ کہ اس کی اولاد فرماں بردار ہو۔ تیسرے یہ کہ اس کے دوست احباب نیک ہوں، چوتھے یہ کہ اس کا روزگار اس کے وطن میں ہو۔ (روضۃ العقلاء ص ۸۲)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً وَاِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا

شعر و سخن

از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب

صفحہ نمبر

شعر و سخن

شعر ہر سلیم الطبع انسان کا فطری ذوق ہوتا ہے اس سے بہت سے اچھے کام بھی نکلتے ہیں جو نثر عبارت سے حاصل نہیں ہوسکتے۔ انسان کی طبیعت کو کسی خاص چیز پر آمادہ کرنے کے لئے شعر بڑا کام کرتا ہے۔ مگر وہ دو دھاری تلوار ہے اپنی حفاظت کا سامان بھی بن سکتی ہے۔ اور ہلاکت کا بھی۔

دنیا میں عام معاملات کی طرح اس میں بھی بڑی افراط و تفریط ہوتی چلی آئی ہے۔ بہت سے وہ لوگ ہیں جنھوں نے سارا علم و ہنر شعر و سخن ہی کو قرار دے کر اپنی زندگی اس کے لئے وقت کر چھوڑی ہے۔ اور پھر اس دریا میں ایسے غرق ہوئے کہ حلال و حرام اور نیک و بد کا بھی امتیاز نہ رہا۔ اور بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو اس کو شجرۂ ممنوعہ سمجھتے ہیں۔

صحیح اور معتدل وہ تعلیم ہے جو اس کے متعلق حکیم الحکماء امام النبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے دی ہے کہ شعر اپنی ذات میں اچھا ہے نہ برا بلکہ نثر کلام کی طرح اپنے مضمون اور مقصود کے اعتبار سے اچھا بھی ہوسکتا ہے برا بھی۔

جو اشعار حکمت و نصیحت یا دین کی نصرت یا کسی جائز مقصد کے لئے کہے جائیں وہ جائز، بلکہ موجب ثواب ہیں اور جن میں کوئی خلاف شرع بات ہو یا جو انسان کو کسی گناہ پر ابھاریں وہ حرام و ناجائز ہیں۔ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

ان من الشعر لحکمۃً "بعض اشعار حکمت پر مشتمل ہوتے ہیں"

ایسے اشعار کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دی خود بھی سنے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں بہت سے حضرات شعراء تھے۔ اسلام سے پہلے اور

اسلام کے بعد ان کے بہت سے اشعار و قصائد معروف ہیں۔

احقر ناکارہ نے کبھی شعر و سخن کو اپنا مشغلہ نہیں بنایا نہ اس کو کبھی سیکھنے کی باقاعدہ کوشش کی اور نہ کبھی ضروری مشاغل نے اتنی فرصت دی کہ اس کام میں دخل دیا جائے۔ قدرتی اور فطرتی ذوق نے مختلف حالات و واقعات میں کبھی کبھی کوئی کلام موزوں کردیا ہے۔ میرے نظم لکھنے کی ابتداء عربی ادب کے سلسلہ میں استاذ محترم حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کی بناء پر ہوئی جبکہ دارالعلوم کے طلباء کچھ اردو زبان کے مشاعرے جمعہ کی فرصت میں منعقد کیا کرتے تھے تو استاذ محترم نے ہم چند طلباء کو غیرت دلائی کہ اگر شعر کہنا ہے تو عربی میں کہو جو تمہارے مقصد تعلیم میں معین ہو۔ اس وقت سے عربی میں مختلف قسم کے اشعار و قصائد لکھنے کی نوبت آئی۔ اور پھر جب یہ ذوق کچھ آگے بڑھا تو ترقی معکوس یہ ہوئی کہ فارسی زبان میں اور پھر اردو زبان میں کچھ اشعار، قطعات، غزل، قصیدے لکھنے کی نوبت آئی۔ مگر نہ میں شاعر تھا نہ میرے اشعار ہی اس درجہ کے تھے کہ شعراء کے سامنے پیش کئے جائیں نہ کبھی اپنے اشعار کے متعلق یہ وہم و خیال آیا کہ ان کی اشاعت کی جائے۔

مگر احقر نے قدیم و جدید شعراء کے کلام سے بہت سے مفید اشعار کا انتخاب کر رکھا تھا۔ اس وقت جبکہ میری کتاب ثمرات الاوراق کی دوبارہ طباعت کا قصد کیا گیا تو یہ منتخب متفرق اشعار اس کتاب کے مناسب معلوم ہو کر یہ خیال آیا کہ ان کو ثمرات الاوراق کا جزو بنادیا جائے۔ اس وقت بہت سے احباب جو پہلے سے میرے اپنے اشعار کی اشاعت کے خواہشمند تھے ان کا اصرار بڑھا کہ ان کو بھی علیحدہ علیحدہ نہ سہی ثمرات کا جزو ہی بنا کر شائع کردیا جائے۔ ان کی تطییب خاطر کے لئے اردو فارسی کے اشعار کو اس کتاب میں شائع کرنے کے لئے دے دیا۔

عربی اشعار سے عام اردو خواں حضرات کو دلچسپی نہ ہوسکتی تھی اس لئے ان کے متعلق یہ ارادہ کرلیا کہ اس کو اپنے عربی رسالہ "النفحات فی فضل العربیۃ علی سائر اللغات"

کے آخر میں شامل کردیا جائے اور اشعار منتخبہ میں بھی عربی کے اشعار اس کے ساتھ شامل کئے جائیں ۔ اس لئے اب پہلے اپنے متفرق اشعار اور تمام یا نا تمام غزلیں اور قصیدے وغیرہ لکھے جاتے ہیں اس کے بعد اشعار منتخبہ کو بنام حکمۃ الا شعار درج کیا جائے گا ۔ میرے اشعار و قصائد پر کچھ عنوانات بر خوردار مولوی محمد ذکی * سلمہ ، ناظم ادارہ اسلامیات لاہور نے لگا دیئے ہیں۔ میرے اشعار شعر کی حیثیت سے خواہ کتنے ہی کمزور یا پھیکے ہوں اور شاید کہیں وزن میں بھی گڑبڑ ہو ، مگر بہت سے مواعظ و حکم پر مشتمل ہیں اس لئے نفع کی امید ہے ۔ بقول سیدی حضرت شیخ الہند قدس سرہ

بے نمک ہیں میرے اشعار مگر تلخ نہیں ۔۔۔ خالی از درد نہیں گرچہ ہیں لستم پستم

اس کے علاوہ نہ یہاں کسی سے داد سخن لینا پیش نظر ہے نہ شعراء کی صف میں کھڑا ہونا ، بلکہ اپنا دل بہلانے کا ایک مشغلہ ہے ۔

از شعر مطلب ما رد و قبول کس نیست ۔۔۔ دیوانہ وار با خود داریم گفتگوئے

اور بقول محب محترم ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی مدظلہ

لذت سوز دلم از سوا بیگانہ داشت ۔۔۔ نالہائے خویشتن دارم برائے خویشتن

بہر تسکین دل آشفتہ خود عارفی ۔۔۔ می سرایم شعر خود در نالہائے خویشتن

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۸۲ ھجری

☆ افسوس کہ اب ۱۹۷۷ء میں اس کتاب کی جدید اشاعت کے وقت احقر کے سب سے بڑے بھائی کو اس دار فانی سے کوچ کئے ہوئے پونے تین سال کے قریب ہو چکے ہیں اور ان کے انتقال سے تقریباً دو سال بعد یعنی ۱۲ شوال ۱۳۹۶ھ میں احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بھی اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (فقط محمد رضی عثمانی)

بادۂ شیراز

اشارات

....

مناجات بوقتِ دخولِ مکہ مکرّمہ

(۶ ذی الحجہ ۱۲۷۰ھ)

آمد بہ درِ تو روسیاہے | نگذاشتہ درجہاں گناہے
بر آمدہ خدمتے زدستش | ناکردہ عبادتے بگاہے
ناآوردہ زعمرِ خویش الاّ | اشکے و دلِ حزین و آہے
گر عفو کنی و گر بگیری | کس نیست بجز درت پناہے
گر نیست چومن ذلیل و رسوا | پس کیست کریم چوں تو شاہے
اے رب کریم مے ندارم | جز لطفِ تو ہیچ زاد راہے

جاں فدیہ آں نگاہ لطفت
یکبار دگر بمن نگاہے

....

جام توحید

بگذرز من کہ حالت زارم نہ دیدہ بہ | بگذار حال من کہ ہمیں ناشنیدہ بہ
ترک ہمہ مذاہب و دیدن بسوئے دوست | این ست مذہبم و ہمینم عقیدہ بہ
چشمت اگر رود بتماشائے غیر دوست | زیں گو نہ دیدہا بخدا گور دیدہ بہ
دستے کہ نارسیدہ بہ زلفش شکستہ بہ | پائے کہ سوئے او نہ رساند بریدہ بہ
ناآندنی ست در رہِ محبوب خارپا | کیں خارِ عشق در رگِ جانم خلیدہ بہ

آں مدرسہ کہ نیست در و درسگاہِ عشق — از تند باد حادثہ آتش رسیدہ بہ
چشم اگر بصبح نہ بیند جمالِ دوست — گویم کہ صبح تا بہ ابد نا دمیدہ بہ
بادِ صبا چوں نامدہ باشد زکوئے دوست — در گلستانِ دہر صبا نا وزیدہ بہ
جانے کہ رہ بجانب جاں آفریں نیافت — نابودہ نا دمیدہ و ناآفریدہ بہ
اے چارہ گر بخیز کہ بیمار عشق را — جاں سوختہ طپیدہ و ناآرمیدہ بہ
ناکردہ بہ علاج و مداوائے علتش — ہم مرہمے بزخمِ دلش نا رسیدہ بہ
ہم بخیہ سازیے نہ سزد بہرِ دامانش — کیں گل سدا بہار گریباں دریدہ بہ
ہوشش ربودہ چشم کشودہ بروئے دوست — وزجملہ دوستان و عزیزاں دمیدہ بہ
یادست و پاشکستہ فتادہ بکوئے دوست — یادست وے بگردنِ یارے خمیدہ بہ
آوارہ از خلائق و ناکارہ ازجہاں — عاشق بایں خصال و صفات حمیدہ بہ

مسکین شفیعؔ گو نہ بردنام عشق را
راحت طلب زکوئے محبت رمیدہ بہ

....

سوز و ساز

اے دل از گردشِ ایام بجاں می کوشم
کہ جنونے بکف آرم و خرد بفروشم
من بتنگ آمدم از عقل رسائی کہ نہاد
از الم ہائے جہاں بار گراں بردوشم

ترک دنیا کنم در روئے بکنجے آرم
کہ نہ بینم اثرے و زخبری نیوشم
تابہ کے ایں روشِ دہر کہ شام و پگاہ
لخت دل مے خورم و خونِ جگر می نوشم
صبر تا کے کنم و مہر بہ لب بنشینم
منکہ از سوز جہاں چوں خم مے در جوشم
جان من اشک رواں گشتہ و از دیدہ بریخت
لیک چوں شمع بسوز اندرم و خاموشم
گریہ و خندہ چو دیدم کہ نیرزد بجوئے
پس ہماں بہ کہ شکیب آورم و نہ نخروشم
شکوہ گردش ایام نہ شرط عقل است
کز دل آرام منت ایں ہمہ نیش و نوشم
صدقۂ آں نگہ لطف کہ ساقی فرمود
یک قدحے خوردم و از روز ازل مدہوشم

....

بوقت ورود تھانہ بھون

شکرِ ایزد قطرۂ دریا بدریا در رسید — بعد مدت مضطرب آخر بماویٰ در رسید
بلبل از قید قفس آمد بگلزار مراد — بستۂ زنجیر مجنونے بصحرا در رسید
در رسید اسباب عیش و روز شبہائے طرب — ساقی مہوش رسید و جام و مینا در رسید

تشنہ کام عشق را مژدہ کہ باز آمد بہار ابر و باراں در رسید و جام و صہبا در رسید
کام ناکامی بفضل ایزی آمد تمام صد ہزاراں شکر حق نخل تمنا در رسید
رخصت اے رنج والم کا مدِدل آرام جہاں رخصت اے درد و مرض انفاس عیسٰی در رسید

مژدہ اے رنجورِ غم خوش باش مایوس شفاء
بہرِ امراضِ نہانی خوش مسیحا در رسید

....

عقل و جنون

آزارِ محبت کہ نہ آزار تواں گفت
دردیست کہ درمانِ دل زار تواں گفت

ایں واعظ خودیں سر منبر چہ سراید
آں نکتہ نغرے کہ سرِدار تواں گفت

جاں در سر ایں سرِّ نہانی بتواں داد
لیکن نہ حدیثے است کہ زنہار تواں گفت

صد عقل و خرد فدیہ دیوانگی من
باطبل و علم گفتم و صدبار تواں گفت

....

گردشِ ایّام

تا بکے شکوہ ایں گردشِ ایّام کنی و اندریں فکرِ بسر کے سحر و شام کنی
اے دلِ آں بہ کہ نظر باز بر انجام کنی روزِ دنیائے دنی سوئے دل آرام کنی

این و آں را بگزاری ہمہ بر دگراں — رُو بساقی کنی و شغل مے و جام کنی
گوش برچنگ نہی نغمۂ مطرب شنوی — خاک برگردشِ دہر و غمِ ایّام کنی
مصلحت دید من آنست کہ کنج گیری — ترکِ یارانِ ریا کردہ و آرام کنی
گرد ہر دانہ دریں غم کدہ دامے ست نہاں — خوش نگر چوں دمِ پرواز سرِبام کنی
حکم عقل ست کہ چوں برسرِ خرمن گذری — پیش از دانہ نظر برطرفِ دام کنی
نیک نامی زعزیزانِ جہاں نیست امید — بہ کہ بیروں زسرت ایں ہوسِ خام کنی
طمعِ نفع و ضرر از خلق چو شرکیست خفی — شرطِ عقل ست کہ ترک ہمہ اصنام کنی

ہر کجا باشی و باہر کہ نشینی ہمہ وقت
خفیہ چشم و دل خود سوئے دل آرام کنی

....

قطعہ

(۱)

گدائے خاک نشینم از درکویش
بیاد شاہی عالم چگونہ روآریم

(۲)

چہ سود سبحہ صد دانہ بادلِ غافل
قدم بمسجد و ما در دُکان بازاریم

....

ہمّتِ مردانہ

دیوانہ خوشتر است نہ فرزانہ خوشتر است — کانرا کہ خواست جلوہ جانانہ خوشتر است

خوش فرش بوریا و گدائی و خوابِ من — کیں عیشِ من زحشمت شاہانہ خوشتر است
زاہد مبین حقیر گدایانِ عشق را — انفاس شاں زصبحۂ صددانہ خوشتر است
دیدی کہ رنج ہائے جہاں راکنارہ نیست — پس بامنے بگوشہ میخانہ خوشتر است
تنگ آمدم زصحبت یارانِ ایں زماں — بس موسم صراحیؑ و پیمانہ خوشتر است
خوش درسِ علم و شغلِ فتاویٰ بدیو بند — لیکن شبے بخانقہِ تھانہ خوشتر است
دانم کہ پاشکستہ ام و منزلم بعید — آرے قدم بہمّتِ مردانہ خوشتر است

سیرِ جہاں خوش است ولے بعد تجربہ
خلوت گہے بگوشہ کاشانہ خوشتر است

....

مرثیہ عمر رفتہ

در ۱۳۴۵ھ

اے کہ رفتہ زعمر تو سی سال — نگرفتہ برے زہیچ کمال
نہ زعلمت نصیب روشنیئے — نہ بدست تو توشۂ اعمال
آنکہ سن کمال مے نامی — ہر کمالِ ترا ست عین زوال
خواجہ مصروفِ عقدِ سالگرہ — و از گرہ رفتہ اش دگر یکسال
اے گرفتارِ فکر زید و عمر — مبتلائے تجسّسِ اعمال
اگرت فکرتے ز خویش رود — عیب کس نایدت بوہم وخیال
شیشۂ سرخ داشتی بر چشم — جملہ عالم شدہ بچشمت لال
فکر آں روز پیش گیر کہ چوں — ایستادی حضورِ ربِ جلال

ہر کس اندر حسابِ خود حیراں متفکر ومالہ من وّال
پیشِ عدلِ خیر بینی پیش خیر و شرّ تو ذرّہ و مثقال
من نگویم کہ خیر کن یا شر ہرچہ گیری بیگر و زود تعال

چوں محمد شفیع شد مارا
غفرلہ زعمرم آمد فال

سال ولادت *

۱۳۱۵ھ

میرا سن ولادت دراصل شعبان ۱۳۱۴ھ ہے چند مہینوں کی کسر کو نظرانداز کرکے ۱۳۱۵ھ بنتا ہے ومن غرائب ھذا التاریخ ان ستہ وفاۃ والدی الماجد مولانا محمد یٰسین غفرلھم ۱۳۵۵ھ فانہ رحمہ اللہ توفی علی راس اربعین ستہ عن عمری

بیادِ شیخ

تا دوست بدل گرفتہ را ہے ہر خویش و عزیز اجنبی شد
عالم ہمہ فقراست جزاں کز فقر بسوئے او غنی شد
اے آنکہ بحد تش رسیدن سرمایہ فخرِ ہر ولی شد
اے آنکہ ز کیمیائے فیضش قلبے بقلوب آہنی شد

فلس دغل شفیع مسکین
چوں برتو رسید اشرفی شد

---

* سال وفات شوال ۱۳۹۶ھ (محمد رضی عثمانی)

قطعہ

آرزوئے دل کہ ہر دم شاد باید زیستن دہری خواہد ہمیں ناشاد باید زیستن
مصلحت دید نست ارشاد شیخ تھانویؒ ہیں بروزیں ہر دو غم آزاد باید زیستن

مرثیہ حکیم الامۃ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

من وارفتہ در محفل مثال شمع سوزانم کہ جاں آب رواں گشتہ ہمی ریزد زمژگانم
بوئے گل عشوہ گری بادیگراں فرما کہ من بیزارم از جان و دل افگار و پریشانم
ز دل می خیزد و بردل ہمی ریزد سحابِ غم دمید از اندرونِ کشتیِ من موجِ طوفانم
ندارم ذوق با صحرا گزینی صورتِ مجنوں کہ از فیضِ جنوں کاشانہ ام گشتہ بیابانم
فضائے گلشن و ابرو بہار و مطرب و مینا ہمہ شد بعد آں ساقی مہوش دشمنِ جانم
مبرُ نام گل و گلزار و ذکرِ جام دَمے بگذار کہ ہست اینہا ہمہ گلدستہ یک طاق نسیانم
مپُرس افسانۂ ما و حدیث دردِ ما مشغو اکہ اے چارہ گر بیمار نتوانی و نتوانم
حکیم امتِ وُسطیٰ سراجِ ملتِ بیضاء امامِ و حجّتِ کبریٰ پناہِ دین و ایمانم
امامِ فقہ و تفسیر و حدیث و معرفت بنگر عیاں بر صفحۂ ہستی فیوضِ شاہِ شاہانم
جُنیدِ دہر شیبانیٔ عصر و حبر و نقش خواں کہ شد تجدید جملہ شعب ہائے دین زسلطانم
فغاں از دستِ بیداد زماں کاں جانِ عالم را نمی بینم نمی یابم لبے جو یا وحیرانم
حکیم امتم رفت و من وا رفتہ حیرانم کہ نتواں پیش کس بردن چنیں حالِ پریشانم
مریضم مبتلائے دل کجا جوئیم دواءِ دل کجا یابم شفائے دل ز علتہائے پنہانم
کجا آں شمعِ ہر محفل کجا آں رہبرِ منزل کجا آں حل ہر مشکل برائے فکر حیرانم
کجا آں اشرف عیسیٰ نفس خضرِ طریق ایدل کجا آں سایۂ رحمت سحابِ گوہر افشانم
مریض مبتلا اکنوں کجا یابد دوائے دل کجا گیرد قرار ایں قلبِ مضطر چشمِ گریانم

من تنگ آمدہ از رزم و بزم دشمن و یاراں
کجا باشم، کجا میرم، کرا بینم، کرا خوانم

نہ با بزم طرب شوقے نہ با احباب خود ذوقے
نہ در صحرا گذر دارم نہ گنجائش بعمرانم

غمش ہم غیرتے دارد ز دستِ چارہ گر شاید
نہ شد منّت پذیر بخیہ سازاں چاک دامانم

بحمد اللہ غبارِ کوئے جانا نست جانِ من
چہ آید در نظر اے ہمنشین کحلِ صفاہانم

بیا داروئے ہر درد ست دحلِ جملہ مشکلہا
بامدادِ الٰہی روئے نورانی جانانم

ولی دارم جواہر خانہ عشق ست تحویلش
غلامیّ درِ اشرف چو گشتہ میر سامانم

دریں درد و الم باصد ہزاراں غم بحمد اللہ
زفیضِ او صباء ہست کز حالست پرسانم

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں و من چناں حیراں
فغاں از ہمتم فریاد از تنگی دامانم

تعجب چیست ار ترتیب در شعرم نمی بینی
پریشانست سلک نظم چوں حالِ پریشانم

بخواں اے ابن یاسین سالِ وصل از سورہ یٰسین
سلام* حضرت رب رحیم از قلبِ قرآنم

بیت

فضائے گلشن و باد صبا و ابر بہار
ولی چہ سود چو ساقی و بزم و مینا نیست

عمرِ رفتہ در ۱۳۵۰ھ

سی و پنج تو رفت در غفلت
پنج باقی نگر نگہداری

کار کے برنیامد از دستت
اے زِ ہر علم و عمل عاری

جملہ عالم بخدمت مشغول
وائے برحالِ تو کہ بیکاری

* یعنی آیت لھم فیھا فاکھۃ ولھم ما یدعون سلام قولاً من ربّ رّحیم

تابکے شکوہ ہائے خوابِ گراں اے کہ خوابِ تو بہ زبیداری
راحت از تو بہ ہیچ کس نہ رسید حیف باشد کہ مردم آزاری
اے سلامت روندہ بر ساحل ہیچ از حالِ ماخبر داری

....

قطعہ

بعد واپسی از تھانہ بھون در آخر رمضان

اے کہ دیدِ تو بچشمِ عارفاں ہر زماں ہر لحظہ یک عہدِ جدید
التفاتے سوئے آں ہجراں نصیب کز تو دور افگندہ شد و روز عید

....

مرثیہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب غوریؒ

خلیفہ خاص حضرت حکیم الامتؒ

مارا سرِ بگلشن و سیر و چمن نماند — در دل ہوائے گلبن و سیر و سمن نماند

فریاد زیں خزاں کہ بہ بستانِ ما رسید — بُو در گلے و برگ گلے در چمن نماند

صبر از دلم رمیدہ و دل از منِ حزیں — گفتار در زباں و زباں در دہن نماند

فریاد اے کریم زغمہائے پے بہ پے — در جانِ خستہ طاقتِ رنج و محن نماند

دانی کہ زخمِ فرقتِ اشرف بماچہ کرد — زخمِ دگر رسید و سرجان و تن نماند

یارب بخواب می شنوم یا حقیقت است — ایں نا شنیدنی کہ عزیزؔ الحسن نماند

آں یادگارِ اشرفِ ماہم ز ما برفت — گم کردہ ایم یوسف و ہم پیرہن نماند

ایں زخمہائے تازہ کہ بر زخمہا رسید — اشکے بچشم و قطرۂ خوں در بدن نماند

جُز نالہائے نیم شب و گریۂ سحر — ہیچم انیس وحشت بیت الحزن نماند

جز یاس و حسرت و غم و آہ و بکا مگر — چیزے بخانقاہ و بہ تھانہ بھون نماند

ہر روز بر یگانۂ اشرف چو سال بود — بعدش فزوں ز سال دم زیستن نماند

ایامِ سالِ فرقت اشرف فزودہ گو — سالِ وفات خواجہ عزیز الحسن نماند

عمر رفتہ در ۱۳۷۷ھ

اے خدائے پاک اے رب جلیل — بر در آمد بندۂ خوارِ و ذلیل

باسیہ رُو آمد و موئے سفید — اے کریم از در مرانش نا امید

ہفت و ہفتاد آمد از عمر عزیز — من ہمانا بے شعور و بے تمیز

در ملاہی و مناہی شصت سال — در تغافل بردہ بے فکرِ مآل

کردہ ضائع ہر متاعِ سُود را — در تغافل داد ہر بہبود را

مغفرت* دارم امید از لطفِ تو — زانکہ خود فرمودۂ لا تقنطوا

★ نوٹ: یہ آخری شعر خواجہ فرید الدین عطار کا ہے، تبرکاً تضمین کی گئی۔

کلامِ اردو

ترتیب

دو قطعے

من چہ باشم کہ بکارے سر آغاز کنم
تا بانجام چہ گویم کہ رہے باز کنم
پس ہماں بہ کہ توکل دم پرواز کنم
نامِ حق بہر ہمہ ہمدم وہم ساز کنم

من کہ باشم کہ بر آید ز وجودم کارے
کار ہر مردے و ہر مرد برائے کارے
مددِ حضرت حق دست دہد گر آرے
کاہ پر کوہ شود تار شود و ستارے

جامِ توحید

محرّم ۱۳۹۰ھ

تیرا آئینہ عالمِ رنگ و بو ہے
جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے
ہزاروں حجاب اور اس پر یہ عالم
کہ چرچا ترا جا بجا کو بہ کو ہے
ثناء خواں ترا دہر کا ذرہ ذرہ
سبھی کی زباں پر تیری گفتگو ہے
جمالِ ازل، قدرت مطلقہ کی
شہادت سے معمور ہر چار سو ہے
ترے فضل و رحمت نے بخشا ہے سب کچھ
بس اب تو مری ایک ہی آرزو ہے

کہ کردے مجھے ایسے بندوں میں شامل کہ اشک سحر گاہ جن کا وضو ہے
بجاہِ شفیعِ حبیبِ دو عالم کہ جو عالمِ کون کی آبرو ہے
شفیعِ گنہگار و خستہ بھی حاضر
بامیدِ عفو و کرم رو برو ہے

چند اشعار (ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ)

ترے دیکھنے کی جو آس ہے یہی زندگی کی اساس ہے
میں ہزار تجھ سے بعید ہوں یہ عجب کہ تو مرے پاس ہے
تری ذات پاک ہے لازوال تری سب صفات ہیں بے مثال
تو برون وہم و خیال ہے تو ورائے عقل و قیاس ہے
کسی انجمن میں قرارِ دل نہ کسی چمن میں بہارِ دل
کہوں کس سے حالتِ زارِ دل کہ وہ ہر جگہ میں اداس ہے
ترا کچھ پتہ بھی جو پاگیا وہ تمام جہان پہ چھا گیا
اسے اب کسی سے امید ہے نہ کسی سے خوف و ہراس ہے

ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ

چند اشعار نعتیہ

جو رجب ۱۳۹۵ھ میں شعروشاعری کا سب ذوق ختم ہونے کے بعد اچانک لکھے گئے

وہ حضرت سرور کونین فخر نوع انسانی رسول اِنس و جن آئینہ اخلاقِ ربّانی

فرشتوں پر شرف جس کے سبب ہے ابن آدم کو ہوا جس کے سبب رشکِ جناں یہ عالم فانی
وہ جس نے نوعِ انساں کو فرشتوں پر شرف بخشا ہوا جس سے منوّر عالمِ ناسوت ظلمانی
وہ جس نے امیوں کو علم و حکمت کی امامت دی سکھائے جس نے چرواہوں کو آداب جہاں بانی
نظر وہ کیمیا، کایا پلٹ دی جس نے قوموں کی ہوئے شیر و شکر جو کل تلک تھے آگ اور پانی
قبائلِ اوس و خزرج کے جو صدیوں سے محارب تھے ہوئے سب بھائی بھائی، تھے جو کل تک دشمنِ جانی

لقب امّی علومِ اولین و اخریں در دل
امام انبیاء و مرسلین از فضلِ یزدانی

تمنّائے حرم

۵ ربیع الاوّل ۱۳۹۵ھ اس وقت جبکہ مسلسل بیماریوں کے سبب چند قدم کے فاصلہ پر مسجد تک جانا دشوار تھا۔

اے کاش پھر مدینہ* میں اپنا قیام ہو دن رات پھر لبوں پہ درود و سلام ہو
پھر ذکر لا الہ میرا حرزِ جان ہو اور وقت واپسیں یہی میرا کلام ہو
محرابِ مصطفیؐ میں ہو معراج سر نصیب پھر سامنے وہ روضۂ خیر الانامؐ ہو
پھر بھی مواجہہ میں درود و سلام کا پُر کیف وہ نظارہ ہر خاص و عام ہو
پھر کاش میں مکینِ حرم مصطفیؐ میں ہوں فضلِ خدا سے روضہ جنّت مقام ہو
پھر ذکر لا الہ بنے حرزِ جاں مرا دوزخ کی آنچ مجھ پر الٰہی حرام ہو

کتنا بلند اس عجمی کا مقام ہے
جس کو وہ خود یہ کہہ دیں کہ میرا غلام ہے

---

* الحمدللہ کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے یہ دعا قبول فرمائی اور مسلسل بیماری، کمزوری اور ہزاروں موانع رفع فرما کر ۱۱ رمضان ۱۳۹۵ھ میں عمرہ رمضان اور زیارت روضہ اقدس نصیب فرمائی۔ ۱۲ منہ

دعا پسند فرمودۂ مجذوب صاحب مرحوم

دلے بے حس کو یارب اب تو کچھ درد آشنا کردے
عطا وہ درد کر جو سارے دردوں کی دوا کردے
مٹا دے یا الٰہی لوحِ دل سے نقش باطل کو
مجھے اب این و آں کے غم سے اے مولا رہا کردے

جامِ توحید

وہ علم جہل ہے جو دکھائے نہ راہ دوست
ہے ذخیرہ جاہلیت اولیٰ وہ مکتبہ
پھوٹے وہ آنکھ جس سے نہ دیکھیں جمالِ دوست
جل جائے وہ کتاب نہ ہو جس میں درسِ عشق

مجلس وہ ہے وبال جہاں یادِ حق نہ ہو
جس میں کتاب عشق کا کوئی ورق نہ ہو
شق ہو وہ دل جو تیری محبت سے شق نہ ہو
مجلس وبال ہے وہ جہاں یادِ حق نہ ہو

قطعہ بعد وفات حکیم الامت رح

ان کی وہ بزم کا سماں ان کا وہ لطفِ بے کراں
ان کی وہ مہر بانیاں دل میں بنی ہیں بجلیاں
اے جلوہ مست جانِ جاں ملتا نہیں ترا نشاں
تو زیر زمین ہے ضوفشاں یا تیرا مقر ہے آسماں

حرم نبوی میں داخلے کے وقت چند اشعار

۱۳۸۴ھ سفرِ حج و زیارت سے پہلے میرے محترم دوست مولانا عبدالعزیز صاحب شرقیؔ نے ایک ملاقات میں اپنے بہت سے مشتاقانہ اشعار سنائے ان کے ایک مصرع نے مجھے بھی شعر گوئی کا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا۔ مصرع یہ تھا۔ "یہ ان کا کرم ان کا کرم ان کا کرم ہے" اور حاضری کے وقت چند اشعار موزوں ہوگئے۔

بندہ محمد شفیع

....

پھر پیشِ نظر گنبدِ خضرا ہے حرم ہے — پھر نامِ خدا روضۂ جنت میں قدم ہے

پھر شکرِ خدا سامنے محرابِ نبیؐ ہے — پھر سر ہے مرا اور ترا نقشِ قدم ہے

محراب نبیؐ ہے کہ کوئی طورِ تجلّیٰ — دل شوق سے لبریز ہے اور آنکھ بھی نم ہے

پھر منّتِ دربان کا اعزاز ملا ہے — اب ڈر ہے کسی کا نہ کسی چیز کا غم ہے

پھر بارگاہِ سیّدِ کونین میں پہنچا — یہ ان کا کرم ان کا کرم ان کا کرم ہے

یہ ذرہ ناچیز ہے خورشید بداماں — دیکھ ان کے غلاموں کا بھی کیا جاہ و حشم ہے

ہر موۓ بدن بھی جو زباں بن کے کرے شکر — کم ہے بخدا ان کی عنایات سے کم ہے

رگ رگ میں محبت ہو رسولِؐ عربی کی — جنّت کے خزائن کی یہی بیعِ سلم ہے

وہ رحمتِ عالم ہے شہِ اسود و احمر — وہ سیّدِ کونین ہے آقائے امم ہے

وہ عالمِ توحید کا مظہر ہے کہ جس میں — مشرق ہے نہ مغرب ہے، عرب ہے نہ عجم ہے

دل نعتِ رسولِ عربی کہنے کو بے چین
عالم ہے تحیّر کا زباں ہے نہ قلم ہے

رازِ کائنات

یہ زمیں میرے لئے ہے آسماں میرے لئے — اور ہے مصروف خدمت کُل جہاں میرے لئے

برگ و بر میرے لئے ہے ہر ثمر میرے لئے ہر چمن میرے لئے ، ہر گلستان میرے لئے
ایک میرے دم سے ہے اس بزمِ عالم کا فروغ وقفِ خدمت ہے یہ سب کون و مکان میرے لئے
حرکتِ افلاک و انجم دورِ شمسی کا نظام چل رہا ہے دیر سے یہ کارواں میرے لئے
جستجو میں ہے مرا بادِ صبا مستانہ وار سر پٹکتا ہے سدا آبِ رواں میرے لئے
میری ہستی میں ہے مضمر ہستیٔ عالم کا راز ہے یہ سب ایجاد و شورِ کن فکاں میرے لئے
کیوں نہ ہو روزِ ازل میں ہوچکی تقسیم کار
میں ہوں مالک کے لئے اور کل جہاں میرے لئے

(تھانہ بھون ۵۸ھ)

حسنِ ازل

یہ رازِ عشق دیکھ اے چشمِ تر افشانہ ہوجائے ذرا تھم جا کہیں یہ پارسا رسوا نہ ہوجائے
تصوّر سے کسی کے رات دن کرتا ہوں سرگوشی الٰہی خیر الفت میں مجھے سودا نہ ہوجائے
طبیبِ مہرباں سن لے مرض ہی روح ہے اس کی یہ بیمارِ محبت دیکھنا اچھا نہ ہوجائے
وہ جانِ جان جو اپنا ہو تو میں سو جان سے خوش ہوں ہر اپنا غیر اور ہر آشنا بیگانہ ہوجائے
مسافت دو جہاں کی اک قدم ہے مردِ مومن کا عطا جب اس کو ساز ہمّت مردانہ ہوجائے
یہ سب نیرنگیاں حسنِ ازل ہی کے کرشمے ہیں کہ کوئی شمع بن جائے کوئی پروانہ ہوجائے
چھپا ہے پردہ اسباب میں کیسی نظافت سے یدِ قدرت، کہ کا سب محض پروانہ ہوجائے
یہ دنیا جلوہ گاہِ ناز اک حسن آفریں کی ہے کوئی فرزانہ بن جائے کوئی دیوانہ ہوجائے
لگا رکھی* ہیں ہندو مت سے کیسی کیسی امیدیں تمہارا خواب دیکھو شیخ جی الٹا نہ ہوجائے
الٰہی** خیر مفتی آج مے خانے کو جاتا ہے
کہیں نذرِ مے و ساقی ترا فتوی نہ ہوجائے

---

* بعض کانگریس میں شریک ہونے والے علماء کے متعلق کہا گیا۔ ۱۲ منہ

** پاکستان بننے کے بعد دستور ساز اسمبلی میں بورڈ آف تعلیمات اسلام کی ممبری قبول کرنے کے وقت کہا گیا۔ ۱۲ منہ

قطعات

۱۳۶۳ھ
(امرتسر میں)

کھودیا کھیل میں بچپن کو جوانی کو سیہ کاری میں
اب بڑھاپا ترا مصروف ہے مکّاری میں
آخرت کے لئے کچھ سوچ بھی رکھا ہے جواب
یوں تو معلوم ہے درجہ ترا ہشیاری میں

....

مشکِ ختن میں تھی نہ گل و نسترن میں تھی
خوشبو جو تیری زلف شکن در شکن میں تھی
اس سے نکل کے پھر نہ ہوئی ایک دن نصیب
آسودگی کی روح جو تھانہ بھون میں تھی

....

وہ بزم اب کہاں وہ طرب کا سماں کہاں
ساقی کہاں وہ جام مئے ارغوان کہاں
ڈھونڈیں ہم آج نقش سبک رفتگاں کہاں
اب گرد کارواں بھی نہیں کاروان کہاں

....

روک لی آہ وفغاں سے تو زباں
کیا کریں دیدہ نمناک کو ہم
اپنی حالت نہ بدلنے پائی
جانیں کیا گردش افلاک کو ہم

....

(۱)

دل میں الفت کا داغ رکھتے ہیں
ظلمتوں میں چراغ رکھتے ہیں

(۲)

شکر صد شکر ہم بفیضِ جنوں
الجھنوں سے فراغ رکھتے ہیں

(۳)

ہیں کسی مہرباں کے الطاف
دل کو جو باغ باغ رکھتے ہیں

غزل

دیوبند میں ایک طرحی مصرعہ پر

دل میں کسکی بزم عشرت کا سماں رکھتا ہوں میں — اپنی نظروں میں جمال دو جہاں رکھتا ہوں میں
عشق سے دل میں نیا سا اک جہاں رکھتا ہوں میں — کچھ نرالے سے زمین و آسماں رکھتا ہوں میں
میرِ ساماں اپنا جب سے عشق ساماں سوز ہے — فقر میں بھی حشمت شاہنشہاں رکھتا ہوں میں
شادباش اے عشق خوش سودائے من عمرت دراز — تیرے دم سے یہ بلند آہنگیاں رکھتا ہوں میں
شاخ طوبٰی پر ہوئی پرواز جب ٹوٹا قفس — مرغِ قدسی ہوں مکاں در لامکاں رکھتا ہوں میں
دل میں حسرت اور جگر میں درد پہلو میں شرر — شامِ تنہائی میں سازِ کارواں رکھتا ہوں میں
کہہ نہیں سکتا زباں سے دیکھتی ہے جس کو آنکھ — چشمِ نرگس کی تو سوسن کی زباں رکھتا ہوں میں
کنج تنہائی کی مونس شام غربت کی رفیق — ایک تصویر خیالی حرز جاں رکھتا ہوں میں
کسکی ہمّت ہے مجھے مایوس وبیدل کرسکے — گوش بر آوازہائے کن فکاں رکھتا ہوں میں

کچھ جنوں میں میرے آمیزش ہے دانائی کی کیا
جیب و داماں کی ابھی کچھ دھجیاں رکھتا ہوں میں

تھانہ بھون ۱۳۶۲ھ

اطاف جب سے مجھ پہ کسی مہرباں کے ہیں
انداز اب نئے مری طرز بیان کے ہیں

اک بندہ حقیر کے یہ کبر و ناز دیکھ
اعزاز سب کے سب یہ کسی آستاں کے ہیں

دنیا سے مجھ کو بے غم و آزاد کردیا
احسان سب یہ صحبت پیر مغاں کے ہیں

....

۱۹۴۷ء کے انقلاب ہند میں

پھر اپنی غفلتوں سے بتوں کا ہوا عروج
ہندوستان کو پھر کوئی محمودؔ چاہئے

جرأت ہوئی پٹیل کو تلوار و تیر کی
پھر اک شہاب دین پے نمرود چاہئے

برخوردار محمد ولی سلمہ کی شادی مورخہ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۷۸ھ بمطابق ۲ اکتوبر ۱۹۵۸ء
پر ان کے بڑے بھائی مولوی محمد ذکی کیفیؔ نے ایک سہرہ سہروں کے طرز پر لکھا تھا۔
اسی سہرہ کے زمین و قافیہ پر مندرجہ ذیل چند اشعار موزوں ہوگئے۔

سازِ طرب اٹھاؤ کہ شادی ولی کی ہے
شرعی خوشی مناؤ کہ شادی ولی کی ہے

چنگ و رباب و ساغر و مینا و رقص و رنگ
ان سب کو بھول جاؤ کہ شادی ولی کی ہے

اللہ نے اس کو دی ہیں حقیقی مسرّتیں
لہو و لعب ہٹاؤ کہ شادی ولی کی ہے

ذکرِ خدا و شکرِ خدا سجدہ ہائے شکر
بس یہ کرو کراؤ کہ شادی ولی کی ہے

سہرہ ولی کے سر پہ نور خدا کا ہے
یہ رسم اب مٹاؤ کہ شادی ولی کی ہے

احباب گا رہے ہیں جو سہرے کے گیت آج
ان کو ادب سکھاؤ کہ شادی ولی کی ہے

ہر رسم جاہلیت و نخوت کو توڑ دو
اس کی ہنسی اڑاؤ کہ شادی ولی کی ہے

دو راہِ حیات پہ نورِ نظر ہے آج
یوم دعاء مناؤ کہ شادی ولی کی ہے

پہلا قدم ہے منزلِ رنگین کی طرف
شر سے بچو بچاؤ کہ شادی ولی کی ہے

پیشِ نظر رہے مدام اسوۂ رسولؐ
مقصد اسے بناؤ کہ شادی ولی کی ہے

....

حقائق

صفحہ

مناجات بدرگاہِ قاضی الحاجات

....

عمر گذری ہوا پرستی میں کیا مرا دین کیا مرا اسلام
تونے اسلام کو بھی اے رسوا اپنے اعمال سے کیا بدنام
تیرے اسلاف کا تھا کیا اسوہ تونے کیسے غلط کیا اقدام

کٹ گئی عمر ہوگئی آخر ہر مصیبت بھی اور ہر آرام
اب تو یارب تو دستگیری کر تاکہ میرا بخیر ہو انجام
دل میں ہر وقت ہو خیال ترا اور ہر دم ہو لب پہ تیرا نام

میرا آغاز کیا ہے کیا انجام
تیرے ہی لطف کے ہیں دونوں نام

....

یورپ کی اندھی تقلید پر

سر تسلیم خم ہے ہر نئے فیشن پہ کیوں تیرا
کہاں جاتی رہی مسلم وہ تیری وضعِ خودداری

زمانہ نقل کرتا تھا تری وضع و ہیئت کی
مسلّم تھی جہاں میں تیری دانائی و ہشیاری

تیرے قانونِ فطرت میں گدا و شاہ یکساں تھے
نرالا تھا جہاں سے تیرا آئینِ جہانداری

تیری ہمت کے آگے کوہ و دریا سب برابر تھے
ترا عزم اور استقلال کل عالم پہ تھا بھاری

ستم ہے نام لیتے ہیں نصاریٰ کی عداوت کا
مگر نصرانیت اور مغربیت دل سے ہے پیاری

....

اُسوۂ اسلاف

نام لیتے ہیں ہم بزرگوں کا
اور ہر بات میں ہیں اِن کے خلاف

ان کے اخلاق کا مٹایا نام
ہاتھ سے دیدئے وہ سب اوصاف

شکل و صورت میں ان کی ضد ہیں ہم
جانشینی کی اس پہ لاف و گزاف

سب کی نظروں میں ہم اگر ہیں ذلیل
تو خطا کیا ہے پھر قصور معاف

تم ہی انصاف سے ذرا کہہ دو
انہی اسلاف کے ہو تم اخلاف

نام سے جن کے تھا جہاں روشن
جن کے عالم پہ عام تھے الطاف

نقل کو جن کی جانتے تھے شرف　　اہلِ عالم کے خود پسند اشراف

ان کا قرآن و لحن داؤدی !　　اپنا لہو و لعب و شغل گراف

آج بھی ذلتوں سے جائے پناہ

ہے اگر کچھ تو اُسوہ اسلاف

....

دنیا کا عروج ونزول

یہ دنیا اے عزیزو ایک جھولے کی سواری ہے　　اترنا اور چڑھنا سب کا اس میں باری باری ہے

یہاں کی ہر خوشی ہر غم ہر اک آفت ہر اک راحت　　بصیرت سے اگر دیکھو تو امر اعتباری ہے

کہ ہر غم میں خوشی اور ہر خوشی کی تہ میں غم پنہاں

قرینِ مہر کوئی قہر اور ہر قہر میں لطف و کرم پنہاں

حقیقت حق نے ہر اک آنکھ والے کو دکھادی ہے　　کسی کا غم کسی کے واسطے پیغام شادی ہے

مَرے پہلے تو پچھلوں نے کہیں ان کی جگہ پائی　　ہیولی سب مرادوں کا کسی کی نامرادی ہے

نظر اونچی کرو دنیا کے فانی رنج و راحت سے

لگاؤ لو فقط اک ذات سے اور اس کی رحمت سے

(کوہ کسولی رجب ۶۲ھ)

....

گرانقدر عمر کے لمحات

کہاں کا ذکر گذشتہ و فکر استقبال　　عزیز من یہ چلی جارہی ہے فرصتِ حال

نفس کی آمد وشد کہہ رہی ہے غفلت کیش　　کہ مثلِ برف بہہ رہا ہے ترا راس المال

یہ دن نصیب نہ ہوگا کسی کو آج کے بعد　　یہ رات پھر کہ نہ آئے گی مسنوال

جواہرات ہیں تیرے یہ وقت کے لمحات
انہیں۔ تو غفلت و نسیان کے طاق میں مت ڈال

....

مسلمانوں کا دور انحطاط

ناتمام

تو اے فخرِ دو عالم آج رسواء جہاں کیوں ہے
زمیں کیوں تیری دشمن ہے مخالف آسماں کیوں ہے
ذلیل و خوار کیوں ہے آج تو اقوامِ عالم میں
جہاں میں ہر طرف تیری ہلاکت کا سماں کیوں ہے
کبھی اسباب پر اس کے نظر بھی تونے ڈالی ہے
کہ غفلت کیش اب تجھ پر قیامت آنے والی ہے

فرقتِ احباب

حسرتوں کا ہے مرقع جس کا دنیا نام ہے
حاصل ہر رنج و غم مجموعۂ آلام ہے
فرقت احباب روح گردش ایام ہے
اس میں ہر آغاز کا آخر یہی۔ انجام ہے
جشن احباب و گل و گلبن خیال خام ہے
دائم و قائم بس اک مالک اور اس کا نام ہے
وصل و فرقت رنج و راحت اور ہر ایک شادی و غم
ہیں یہ سب اک طرہ محبوب کے ہی پیچ و خم
ہر تغیّر میں اگر دیکھو ہزاروں ہیں حِکم
چرخ و گردوں دہر و دوراں کا نہیں کوئی ستم
انقلاباتِ جہاں کیا جانیں کس کا نام ہے
آسمانِ ناحق زبان خلق پر بدنام ہے

بارش کی علامت ہے کہ ہوتی ہے ہوا بند

مصرعہ طرح پر

انگلش کی حکومت ہے بڑا ظلم ہے انصاف
سچ بولنا ممنوع رہِ صدق و صفا بند

تھیٹر ہیں سینما ہے بتوں کی ہے نمائش
آزادیِ نسواں سے یہ کیا خوب اٹھا بند

مفتوح ہیں ہر سمت شیاطین کی راہیں
محبوسِ دیانت ہے رہ اہل صفا بند

جب* اڑنے کے قابل نہ رہا خود پرو بازو
صیّاد نے احسان کیا کھول دیا بند

مسدود ہیں گو ساری تدابیر کی راہیں
خوش ہو کہ نہیں تجھ پہ ابھی بابِ دعا بند

تمہید ہیں رحمت کی یہ دنیا کے مصائب
بارش کی علامت ہے کہ ہوتی ہے ہوا بند

عمر رفتہ کا مرثیہ ۱۳۶۳ھ میں

دیکھ موئے زریر آپہنچا
تیرے سر پر نذیر آپہنچا

بہرِ حق اب تو ذکر حق کر لے
یاد اب تو یہی سبق کر لے

دیر سے بج رہا ہے کوسِ رحیل
تو پڑا سو رہا ہے خوار و ذلیل

قافلہ جاچکا ہے، حال تباہ
کیسا غافل ہے تو بوقت پگاہ

ذکر ماضی و فکرِ استقبال
کھو نہ دیں دیکھ تیرا لمحہ حال

گن غنیمت یہ عمر کی ساعات
جوہرِ بے بہا ہیں یہ اوقات

لہو و غفلت میں کھو چکا ہے پچاس
قدر کر، رہ گئے ہیں جو انفاس

تھام مضبوط رشتۂ حق کو
اور رضائے قدیر مطلق کو

---

* ۱۹۴۵ء میں جب لارڈ ویول گورنر ہند نے ہندوستان کو آزادی دینے کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ بھر ہندو مسلم اختلافات کی بناء پر وہ ملتوی رہا، تو اس موقع پر کہا گیا۔ ۱۲ منہ

کار کن کار و بگذر از گفتار
کاندریں راہ کار باید کار

....

بدفالی کا خیالِ خام

تعجب ہے کہ ہو مومن رہینِ فال و بدفالی — کہ جس کی قوت قلبی نے سب فالیں بدل ڈالیں
قدم اس کا جدھر اٹھا تو نحس و سعد یکساں تھے — ہُوا وہ جلوہ آرا جس طرف میداں ہوا خالی

دلِ مومن سمجھ لو کیمیا تاثیر رکھتا ہے
یہ خستہ اپنے پہلو میں کوئی اکسیر رکھتا ہے

وفات مرشد کے بعد

بدلی ہوئی رُت ہے ہر چمن کی — چھائی ہوئی سب پہ مُردنی ہے
کیسا ہے یہ درد جان و تن میں — کیسی یہ غضب کی بے کلی ہے
کہہ سکتی نہیں زبان اس کو — جو چیز کہ آنکھ دیکھتی ہے
ہیں سرد و خموش محفلیں سب — سردی یہ مزاج موت کی ہے
تلقین و ہدایتِ غزالیؒ — ہے اب نہ وہ درسِ قرطبی ہے
اب خانقاہ و مدرسہ کی — اک رسم سی رہ گئی ہے
لے جلد خبر کہ ہاں ابھی تک — سینہ میں اک آگ سی دبی ہے
آجا کہ ناخدای امت — کشتی یہ بھنور میں آپھنسی ہے
اے جس کی اطاعت و غلامی — سرمایہ فخرِ آدمی ہے

لے جلد خبر مریضِ غم کی
اب اس کا یہ سانس آخری ہے

....

یہ جگہ

ذی قعدہ ۱۳۶۵ھ میں تھانہ بھون حاضر ہوا۔ خانقاہ پر نظر پڑتے ہی اشعار ذیل زبان پر آئے۔

کبھی یہ جگہ منزلِ اولیاء تھی — فرشتوں کی محفل تھی بزمِ ہدیٰ تھی
یہ مسکن تھی اک دن حکیم امم کا — ہوا اس کی ہر اک مرض کی دوا تھی
تسلّی غمگین مداوائے ہر غم — بلا شک شفاءِ دلِ مبتلا تھی
یہ چھوٹی سی بستی یہ چھوٹی سی مسجد — یہ چھوٹی سی مجلس خدا جانے کیا تھی
منوّر ہوا جس سے عالم دوبارہ — مجدّد کی مجلس تھی نورِ خدا تھی

حکیم الامّت

وہ اشرفِ حق حکیم الامّت — بے شبہ جو وارثِ نبیؐ ہے
وہ جس کی نگاہِ لطف کو اک — تقدیر سے کیمیاء ملی ہے
دربار ہے فیض عام جس کا — ہر سکّہ جہاں کا اشرفی ہے
جس فیضِ نظر سے سینکڑوں کی — بگڑی ہوئی یک بیک بنی ہے

رحمت سے امیدوار اس کا
بیچارہ حزیںؔ شفیع بھی ہے

....

مقبرہ کی آواز

یہ مضمون حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایک کلام سے ماخوذ ہے جس کو اردو میں نظم کر دیا گیا

مقبرہ میں اترنے والے سن
ٹھہر ہم پر گذرنے والے سن

عاجزوں کی ذرا صدا سن لے — زیر دستوں کی التجا سن لے
ہم بھی اک دن زمین پہ چلتے تھے — باتوں باتوں میں ہم مچلتے تھے
ہم بھی اک دن زمیں کے مالک تھے — ہم بھی کل رونق ممالک تھے
مالک نقد و جائیداد تھے ہم — بزم عالم میں بامراد تھے ہم
ہم بھی رکھتے تھے قصرِ عالیشان — ہم بھی تھے مالک زمین و مکان
ہم بھی رکھتے تھے کچھ زن و فرزند — تھے جو دل پارہ جگر پیوند
ہم بھی رکھتے تھے دوست و احباب — تھے ہمارے بھی خادم و نوّاب

کچھ بتادو یہ سب کہاں ہیں آج
یک بیک سب کے سب نہاں ہیں آج

جن کو مر مر کے میں نے پالا تھا — جن کے گھر کا میں اک اُجالا تھا
جن کے ہر کام کا مدار تھا میں — جن کی بگڑی کا سازگار تھا میں
دین و دنیا کی ساری مکروہات — جن کی خاطر تھی میرے سر دن رات
ہے کہاں آج وہ مری اولاد — کہ نہیں کرتی بھول کر بھی یاد
جس پہ تھا کل مدار راحت کا — جس کو دعویٰ تھا کل محبت کا
جس کی الفت کا دل میں تھا اک داغ — کیا کسی گھر کا بن گئی وہ چراغ
آج وہ زینت حرم ہیں کہاں — مہبط الفت و کرم ہیں کہاں
کون آباد ہے مرے گھر میں — ملک کس کی ہے نقد و زیور میں

کوئی کرتا نہیں ہے یاد مجھے
سب نے چھوڑا ہے نامراد مجھے

ہم ہر اک رہگذر کو تکتے ہیں فاتحہ کے لئے ترستے ہیں
کہ کوئی بندہ خدا آجائے فاتحہ بیکسوں پہ پڑھتا جائے

اے زمیں پہ مچلنے والے دیکھ
کبر و نخوت سے چلنے والے دیکھ

ہم سے عبرت پکڑ لے غفلت کیش یہی منزل تجھے بھی ہے درپیش
بھیج اس کے لئے کوئی سامان جس میں ہونا ہے کل تجھے مہمان
اپنا سامان اپنے ہاتھ سے باندھ صبح چلنا ہے تجھ کو رات سے باندھ
کل نہ بھیجے گا کوئی خویش و عزیز اپنے ہاتھوں سے بھیج اپنی چیز
چیزیاں کوئی بھی مفید نہیں لیک رحمت سے کچھ بعید نہیں
زاد تقویٰ ہے بس یہاں تو ضرور ظلمتِ قبر میں یہی ہے نور

اس کو افسانہ و خیال نہ جان
بات حق کہہ رہا ہوں مان نہ مان

وعظ ہے قبر ہے نشان میری گرچہ خاموش ہے زبان میری
دل کے کانوں سے سن فغاں میری درس عبرت ہے داستاں میری

جانے والے تو جاکے پھیلادے
میری آواز سب کو پہنچا دے

....

ہمارا ماضی و حال !

یاد ایام کہ آباد یہ میخانہ تھا | بزمِ جمشید ہر اک گوشۂ کاشانہ تھا
قصرِ قیصر تھا ہر اک حجرۂ خام اپنے لئے | جامِ جم اپنا سفالیں خُم و پیمانہ تھا

بوریا اپنے لئے تختِ سلیمانی تھا
جامہ فقر میں بھی جلوہ سلطانی تھا

گردشِ جام تھی یاں گردشِ ایام نہ تھی | مال و دولت کی سروں میں ہوسِ خام نہ تھی
عام تھے ساقی مہوش کے وہ الطاف و کرم | صبح سے کم کسی حالت میں مری شام نہ تھی

اب وہ میخانہ وہ میخوار وہ ساقی نہ رہا
رونے والا بھی میرے حال پہ باقی نہ رہا

جس نے ہر رسم ضلالت کو مسل ڈالا تھا | جسنے طاغوت کو پیروں میں کچل ڈالا تھا
جس نے تہذیب سکھائی تھی جہاں والوں کو | علم و حکمت کے خزانوں کو اگل ڈالا تھا

آج وہ مصلح اقوام وہ دین کا معیار
انقلاباتِ زمانہ کا ہوا خود ہی شکار

چھوڑ کر اپنی روش ہم ہوئے جدّت کے شکار | نقد گم ہوگیا پایا نہیں موہوم اُدھار
نقل غیروں کی اتاری تھی وہ حاصل نہ ہوئی | ہنس کی چال چلے اپنی بھی بھولے رفتار

نہ وہ تقوی نہ دیانت نہ وہ وضعِ اسلاف
نہ وہ سیرت نہ وہ صورت نہ وہ پچھلے اوصاف

اب نہ وہ خود ادب داں نہ بزرگ اپنے شفیق | نہ وہ اخلاص نہ وہ صدق نہ وہ غیبی توفیق
نہ کوئی نظم نہ ناظم نہ امیر و مامور | جتنے افراد ہیں مجمع کے ہیں اتنے ہی طریق

خانہ خالی ہے بس اب خانہ پُری باقی ہے
یہی اک رسم بھلی یا کہ بری باقی ہے

ہم میں وہ سیرت اسلاف وہ صورت نہ رہی
کفر سے ہم کو وہ نفرت وہ کدورت نہ رہی

ہے ہر اک لغو کی دنیا میں ضرورت ہم کو
مگر افسوس کہ سنت کی ضرورت نہ رہی

قبلہ ہے حرص و ہوا شاہد مغرب ہے امام
بار خاطر نہ ہو کیوں بحث حلال اور حرام

ہم سب ہی کچھ تھے مگر جبکہ مسلمان تھے ہم
پیروِ دینِ نبیؐ حاملِ قرآن تھے ہم

ہم میں اخلاقِ رسل جلوہ نما تھے جب تک
اسوۂ احمدِ مختار پہ قربان تھے ہم

ایک در چھوڑ کے ہم ہوگئے لاکھوں کے غلام
ہم نے آزادیٔ عرفی کا نہ سوچا انجام

دینِ فطرت پہ فدا حق کے پرستار تھے ہم
سب فضائل کے کمالات کے معیار تھے ہم

نقل کرتی تھیں سب اقوام ہماری ہئیت
فخر عالم تھے کبھی غیرتِ اغیار تھے ہم

آج افسوس کہ ہر قوم کے پامال ہیں ہم
کبھی ہندو کبھی انگریز کے نقال ہیں ہم

تھا کبھی ذوق عبادت کا مسلمانوں میں
اور سلیقہ تھا اطاعت کا کچھ انسانوں میں

فکر دنیا ہی فقط قبلہ مقصود نہ تھا
ذکر حق ساتھ تھا بازاروں میں دکانوں میں

ایک محفل تھی فرشتوں کی جو برخاست ہوئی
اب ہر اک عیب و خطا اپنے لئے راست ہوئی

رشکِ رسطو وفلاطون تھے لقمان تھے ہم
غیرت قیصر و کسریٰ تھے سلیمان تھے ہم

بادشاہوں کی حکومت ہے فقط ظاہر پہ
جس کی باطن پہ حکومت تھی وہ سلطان تھے ہم

اب ہر اک عیب ہیں ہر ننگ ہیں ہر عار ہیں ہم
جو مرض ہی کو دوا سمجھے وہ بیمار ہیں ہم

اپنے ہاتھوں سے ہے واللہ یہ ذلت اپنی
نہ سبب اس کا ہے افلاس نہ قلت اپنی
غلطی ہے کہ کریں غیروں پہ مسلم کو قیاس
کہ نرالی ہے ہمیشہ سے یہ ملت اپنی

اپنی پستی و بلندی کا ہے معیار ہی اور
قوم مسلم کے ہمیشہ سے ہیں اطوار ہی اور

کانگریس میں

(ہندو مسلم اتحاد پر)

مسلمان ہے بس سپاہی خدا کا
جو ہے معتقد ترک ہر ماسوا کا
یہ پروردہ ہے خاص رشد و ہدی کا
وہ ہو کیوں ہم آواز اہل ہوا کا

اسے زندہ رہنا ہے نام خدا پر
گذرنا ہے دنیا سے صدق و صفا پر

مسلمان دشمن ہے ظلم و ستم کا
وہ انگریز کا ہو کہ ہندو دھرم کا
اس کے لئے ہے وہ حامل علم کا
تو کیسے بنے دوست اہلِ صنم کا

تو انگریز و ہندو سے قطع نظر کر
بھروسہ پر اللہ کے بس سفر کر

ہو ہندو سے اسلام کا بولا بالا
عجیب فلسفہ یہ کہاں سے نکالا
ترے دل میں یہ وسوسہ کس نے ڈالا
تجھے قوم مسلم خدا کا حوالا

کیا اپنی ہستی کو غیروں میں مُدغم
بھلایا کہاں؟ درسِ قرآنِ محکم

تجھے اے مسلمان کے بیٹے ہوا کیا
تجھے جے سے اور ماترم سے بھلا کیا
سبق پڑھ لیا کافروں سے نیا کیا
نہ کافی ہوا تجھ کو نامِ خدا کیا

ترا کام نکلے گا نامِ خدا سے
طریقِ ہدیٰ اسوہ مصطفیٰ سے

ہراساں ہے کیوں اپنی قلت سے مسلم
کہ بھاری ہے کثرت پہ ملت سے مسلم
نہیں رہتا دنیا میں ذلت سے مسلم
ہے مجبور اپنی جبلّت سے مسلم

جو جینا ہو کافر سے مرعوب ہوکر
خدا کی قسم اس سے مرنا ہے بہتر

تم ان تنصروا ینصر کو دیکھو
تم آثارِ فاروقؓ و حیدرؓ کو دیکھو
وہ بدر اور فرشتوں کے لشکر کو دیکھو
فضائے تبوک اور خیبر کو دیکھو

نہیں کام مسلم کا مغلوب ہونا
نہ قلّت میں کثرت سے مرعوب ہونا

کرو یاد ان تنصروا اللہ ینصرُ
ڈرو کچھ نہ قلت سے بھولو نہ یہ گُر
جو بندہ بنا اس کا بس ہے وہی حُر
غلام اس کے ہیں سارے عالم کے عنصر

کھڑے اپنے قدموں پہ ہو اب خدارا
نہ تکتے رہو دشمنوں کا سہارا

اٹھو پرچمِ دینِ اسلام لے کر
کرو کام اللہ کا نام لے کر
طریقِ شریعت کے احکام لے کر
خدا کے پیارے کا پیغام لے کر

مسلمان اسلام پر ہوں منظم
تو جھک جائے ان کے لئے سارا عالم

خدا ان کی کشتی کا پھرنا خدا ہو وہ عقلِ سلیم ان کو پھر سے عطا ہو
نصیب ان کو فاروقؓ کا دبدبہ ہو عطا ان کو پھر ہیبتِ مرتضیٰؓ ہو

مسلماں کو یارب مسلمان کردے
عطا اس کو پھر صدقِ سلمانؓ کردے

....

عمر رفتہ در ۱۳۷۲ھ

اس قدر ہوگیا ہوں خوگرِ غم دل میں کوئی خوشی نہیں آتی
گدگدائے کوئی ہزار مگر اب لبوں پر ہنسی نہیں آتی
تم بدلتے ہو روز قول و قرار مجھ کو یہ دل لگی نہیں آتی
جس کی بنیاد صرف مطلب ہو مجھ کو وہ دوستی نہیں آتی
لوگ دلدادہ ہیں بہت لیکن تم کو خود دلبری نہیں آتی
عمر رفتہ کی یاد شام و سحر کس جگہ کس گھڑی نہیں آتی
ہوچکی ہے جو غفلتوں میں بسر پھر کے وہ زندگی نہیں آتی

عمر رفتہ کا مرثیہ پڑھ لوں
اس سے بڑھ کر حدی نہیں آتی

(لاہور صفر المظفر ۱۳۷۲ھ)

....

عمر رفتہ در ۱۳۷۶ھ

ہمنشین مجھ سے میری بات نہ پوچھ
اب مرے دل کی واردات نہ پوچھ
عہد ماضی کا کچھ گلہ سن لے
عمر رفتہ کا مرثیہ سن لے
عمر کے ہوچکے ہیں باسٹھ سال
اور اپنا وہی تباہ ہے حال
اف یہ موئے سفید و روئے سیاہ
الغیاث الغیاث یا اللہ
عمر گذری ہوا پرستی میں
غفلت و معصیت میں مستی میں
اب خلاصی کی کوئی راہ نہیں
تیرے در کے سوا پناہ نہیں
اب تو یارب یہ فضل فرمادے
گوشِ شنوا و چشمِ بینا دے
عہد ماضی میں حال کو دیکھوں
اس میں اپنے مآل کو دیکھوں
ترکِ ماسوا کا ذوق وہ اب
ذکر اور فکر ہی کا شوق ہو اب

کام آجائیں عمر کے لمحات
ہوسکے کچھ تلافی مافات

اے خدا میری التجا سن لے
اس سیاہ کار کی دعا سن لے
ہے رحیم و کریم تیری ذات
نام ہے تیرا قاضی الحاجات

....

۴ مئی ۱۹۵۸ء در راہ لائل پور

کس قدر تھا لذیذ خوابِ عدم
پر سکون تھا جہانِ بے خبری
رنج و راحت کی فکر تھی کس کو
کس کو سود و زیاں کی درد سری
آہ کس کشمکش میں ڈال دیا
تونے اے ذوق علم و دیدہ وری
جیب و داماں ہیں تار تار کبھی
اور کبھی سازگار بخیہ گری

۲۵ اپریل ۱۹۵۸ء در سفر لاہور

راز ہستی جو پاگیا ہوں میں — سارے عالم پہ چھا گیا ہوں میں
حکماء جس کا راز پا نہ سکے — اس حقیقت کی ابتداء ہوں میں
میری ہستی کو سرسری مت جان — ڈور الجھی ہے اور سِرا ہوں میں
آئینہ ہوں جمالِ مطلق کا — ایک جام جہاں نما ہوں میں

....

سجع از محمد عبد الرحمن کوکب جے پوری

۲۲ اپریل ۱۹۵۷ء

من بعالم بسے گنہگارم — نادم و شرمسار و ناچارم
رحمت او ولے نصیبِ من است — کہ محمدِ شفیع مے دارم

دیگر

روز عید ۱۳۷۶ھ از کوکب صاحب مذکور

بجز تو ہیچ ندیدم وقیع بر تو سلام — گذشتی از سر عرش رفیع بر تو سلام
ثواب فطرہ و صوم وصلوٰۃ و قربانت — سلام بر تو محمد شفیع سلام

....

نالۂ غم

مشتملات

....

مرثیہ

حضرت مولانا محمد یٰسین صاحبؒ والد ماجد ۹ صفر ۱۳۵۵ھ

یارب یہ کیا فضا ہے یہ کیسا سماں ہے آج مشغولِ گریہ صبح سے کیوں آسماں ہے آج
کون اٹھ رہا ہے آج جہاں سے کہ یک بیک تیرہ میری نگاہ میں زمین وزماں ہے آج
کیوں رو رہا ہے آج ہر اک خورد اور بزرگ تھمتا کسی طرح نہیں اشک رواں ہے آج
اسلاف کے چمن کی رہی تھی جو یادگار واحسرتا وہ پھول بھی وقفِ خزاں ہے آج
یعقوب اور رفیع و رشید ہمام کا یہ آخری نشاں بھی لو بے نشاں ہے آج
وہ حضرت رشید کا اک زندہ تذکرہ وہ کل سلف کی یاد کہاں گلفشاں ہے آج
بالین پہ آج حضرت یٰسین کے کیوں عزیز یٰسین پڑھ رہے ہیں یہ کیا سماں ہے آج
وہ والدِ شفیق وہ استادِ مہربان وہ مرشدِ طریق عزیز و کہاں ہے آج
یارب کہاں وہ ذکر و مناجاتِ صبح دم وہ گریہ سحر ہے آہ و فغاں ہے آج
کیوں آج ذکر نیم شبی کی صدا نہیں کیوں آہ وقتِ صبح بھی خواب گراں ہے آج
وہ صبحدم نماز کو اٹھو نماز کو کہہ کر جگانے والا الٰہی کہاں ہے آج
کیوں آج پوچھتا نہیں کوئی شفیع کو کس حال میں ہے کیوں نہیں آیا کہاں ہے آج
کل تک اداس دیکھ نہ سکتے تھے جس کو آپ وہ وقف رنج و نالہ و درد و فغاں ہے آج
دنیا بھی اک تماشہ عبرت ہے غافلو! باقی نہ کل رہے گا جو دور زماں ہے آج
اس گھر کا تجھ سے پہلے کوئی اور تھا مکیں گہوارہ عشرتوں کا جو تیرا مکاں ہے آج
جانا ہے سب کو ایک ہی منزل پہ ایکدن ہاں اتنی بات ہے کہ فلاں کل فلاں ہے آج

عالم میں جن کی شان جلالت کی دھوم تھی　　وہ قصر قیصری ہے نہ تخت کیاں ہے آج
اجڑے ہوئے دیار میں اور مقبروں میں آج　　ان کا مٹا ہوا سا کہیں کچھ نشاں ہے آج
دہلی و آگرہ کے وہ ایوان اور محل　　بس حسرتوں کی درد مری داستاں ہے آج
دربار عام و خاص ہے پامال خاص و عام　　وہ شوکت و جلال وہ حشمت کہاں ہے آج
کل گونجتے تھے جن کی صداؤں سے آسمان　　وہ قصر خاص دیکھ کہ ہو کا مکاں ہے آج
بیدار مرکے ہوتے ہیں سچ ہے کسی کا قول　　اور زندگی مرادفِ خواب گراں ہے آج
آنکھیں کھلی ہوئی تھیں تو حاجب تھے سینکڑوں　　جب آنکھ بند کی تو عیاں ہر نہاں ہے آج

کھو آج کو نہ بہرِ خدا کل کی فکر میں
غافل سمجھ لے اب بھی کہ تیرا جہاں ہے آج

....

مرثیہ

بروفات حسرت آیات مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

جن کا عالم نزع میں شیطان سے مباحثہ ہوا

کون اٹھتا ہے آج عالم سے　　پارہ پارہ ہے کیوں جگر غم سے
خون روتا ہے کیوں افق سر شام　　سینہ شق ہے یہ کس کے ماتم سے
حادثہ یہ کوئی عظیم نہ ہو　　یہ کہیں رحلت نعیم نہ ہو
آہ وہ عاشق کلام اللہ　　عالم و فاضل و ولی اللہ
دیکھ کس شان سے ہوا رخصت　　بر زباں لا الٰہ الا اللہ
وہ محمد نعیم خوش انجام　　ہے نعیم مقیم جس کا مقام
اس کا پہلا سبق تھا نامِ حق　　ورد تھا ہر گھڑی کلام حق

پس دم واپسیں بفضلِ حق صاف پہنچا اسے سلامِ حق
درسِ عبرت تھی اک حیاتِ نعیم قابلِ رشک ہے وفاتِ نعیم

تھا جو ہر وقت ورد قرآنی اور شیطان سے بغض پنہانی
آخری وقت بھی ہوا غالب حزب شیطان پہ مرد حقانی
حرب شیطان تھا جو کام اُنکا کام اسی پر ہوا تمام انکا

جس کی امداد پر ہو خود حنّان کیا بگاڑیگا انکا یہ شیطان
ہے اسی کی مدد سے بیڑا پار ورنہ کیا چیز ہے ضعیف انسان
دل کے کانوں سے سن لے غفلت کیش یہی منزل تجھے بھی ہے درپیش

اک کتاب عبریہ عالم ہے سبق آموز ابن آدمؑ ہے
کہیں جشن و طرب کے ہنگامے کہیں بزمِ عزاء و ماتم ہے
ہر تغیر ہے غیب کی آواز ہر تجدد میں ہیں ہزاروں راز

عبرتوں کے سبق ہیں لیل و نہار اور شام و پگاہ کی تکرار
کہیں تاراج کن ہے فصلِ خزاں کہیں رعنائیوں پہ فصلِ بہار
ہر تغیّر یہ عین حکمت ہے اس میں مستور دستِ قدرت ہے

کل جہاں جشن تھا تماشہ تھا شور رقص و سرور برپا تھا
آج ملتا نہیں نشان اتنا کون تھا کس جگہ تھااور کیا تھا
ذرے ذرے میں ہے جہاں کے عیاں آیت کل من علیھا فان

کوئی حاکم ہے اور کوئی محکوم کوئی ظالم ہے اور کوئی مظلوم
مال ودولت میں ہے کوئی مخمور کوئی نانِ جویں سے بھی محروم
کوئی آقا ہے اور کوئی مزدور کوئی گمنام اور کوئی مشہور
کہیں زینت میں مست ہے دلہن کہیں میّت کا سل رہا ہے کفن

ہے کہیں محفل سرور و طرب کہیں مصروف غم ہیں مرد و زن
یہ تغیّر یہ سارے شادی و غم زلفِ محبوب کے ہیں پیچ و خم

ہے کوئی تخت کے بنانے میں کوئی تختہ پہ ہے نہانے میں
کوئی لہو و طرب میں ہے مخمور کوئی رونے میں اور رلانے میں

تجھ کو معلوم ہے یہ سب کیا ہیں ان میں مخفی پیام رب کیا ہیں

کچھ خبر ہے یہ صبح و شام ہیں کیا ان میں تیرے لئے پیام ہیں کیا
غور سے سن کہ عمر کے ایام بے کلامی میں خوش کلام ہیں کیا

ہر گھڑی کہہ رہی ہے بے تاویل اٹھ کہ اب بج چکا ہے کوسِ رحیل

سورہا ہے تو کیا بوقتِ پگاہ قافلہ چل دیا ہے ، حالِ تباہ
اے مسافر یہ وقت خواب نہیں پڑھ کے اٹھ لا الہ الا اللہ

تیری پونجی ہے برف کی سی مثال بہہ رہی ہے جو ہر نفس ہر حال

فکر ماضی میں کھو نہ فرصت حال وقت ہے اب بھی سوچ اپنا مآل
ہے ابھی قدرتِ عمل باقی اور قبضہ میں اس کا استعمال

ان سے حاصل رضاء حق کرلے بہر حق یاد یہ سبق کرلے

اے خدا ہم کو چشم عبرت دے اور ہر ماسوا سے نفرت دے
اب تو اپنی ہی بس محبت دے آخرت کے لئے بصیرت دے

دل صد پارہ تیری منزل ہو اب تو حاصل رضاء کامل ہو

شغل دے اب فقط عبادت کا ذوقِ ایماں کی حلاوت کا
فکرِ دنیا سے اب نجات ملے شوق ہو بس تری اطاعت کا

تو ہی توفیق دے دعاء کی بھی اور تکمیل مُدعا کی بھی

سیدھے رستہ پہ بس چلا ہم کو کَید شیطان سے بچا ہم کو
زندگی ہو تو بس عبادت میں ساتھ ایماں کے پھر اٹھا ہم کو

جب* دمِ واپسیں ہو یا اللہ
لب پہ ہو الٰہ الا اللہ

سانحۂ جاں گداز

ہمشیرۂ خورد لیقہ خاتون مرحومہ کے انتقال پر بمقام دیوبند کہے گئے

یہ کون آج بزم سے اپنی نکل گیا — اٹھتے ہی جس کے بزم کا نقشہ بدل گیا
اک صدمہ عظیم ہے جانِ ضعیف پر — یارب مدد کہ غم سے ہر اک دل دہل گیا
چھوٹی بہن تھی سارے بڑوں کا تھی مشغلہ — چھوٹا بڑوں سے دیکھئے آگے نکل گیا
ہاتھوں میں جس کو آج تلک پالتے تھے ہم — وہ جسم ناز خاک کے تودے میں رل گیا
جو آفتاب آہ ابھی تک چڑھا نہ تھا — یارب یہ کیا ہوا کہ دمِ صبح ڈھل گیا
وہ والدہ کے دیدہ پُرنم کی روشنی — ہر غم میں جس سے ان کا بھرا دل بہل گیا
آج اس کے غم میں ان کی تسلّی کہاں سے ہو — اس رنج و غم سے اور کلیجہ پگھل گیا
پھر غمزدۂ بشیر کی آہ و فغاں نہ پوچھ — جس کا چمن خزاں کے حوادث میں جل گیا
دنیا تو اک سرائے مسافر ہے دوستو — جو آج اس میں سمجھ لو کہ کل گیا

ظالم! ابھی ہے فرصتِ توبہ نہ دیر کر
وہ ابھی گرا نہیں جو گرا پھر سنبھل گیا

....

☆ یہ شعر کسی قدیم بزرگ کا ہے مناسب سمجھ کر اس میں تضمین کی گئی۔ ۱۲ منہ

مرثیہ

حکیم الامّت حضرت تھانویؒ

وہ حکیم امّت خیر الوریٰ قطبِ ہُدےٰ وہ دوا امت کے ہر بیمار اور ناشاد کی
صدق صدیقی تھا جسمیں حزمِ فاروقی کیساتھ اک درخشاں یادگار اسلاف اور امجاد کی
مشعلِ راہ ہُدیٰ نورِ محمدؐ کی ضیاء آہ وہ زندہ نشانی حضرت امدادؒ کی
حضرتِ اشرف علی تھانوی روحی فداہ جن سے قائم تھیں ہزاروں مسندیں ارشاد کی
ہیں سبھی اہل کمال و اہل دل مصروفِ کار دیکھ لو خالی پڑی ہے پر جگہ استاد کی
کیوں نہ ہوں چشمِ فلک سے خون کے آنسو رواں کیوں نہ ہو روئے زمیں صف ماتم و فریاد کی
خستہ حالوں کے لئے اب ہے نہیں جائے پناہ آسماں تانبے کا ہے آج اور زمیں فولاد کی
وائے ناکامی کہ ہم جیسے تباہ و خستہ دل اور چھائی ہیں گھٹائیں ہر طرف الحاد کی
نا خدا گم کردہ ہے کشتی امت اے کریم ہے زبوں حالت ہمارے مجمع و افراد کی

الدد بہر حبیبِ خود الٰہی الدد
امّتِ مرحوم پھر محتاج ہے امداد کی

....

مرثیہ

استاد محترم حضرت میاں صاحب مولانا سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ

کیا اٹھا چاہتی ہے بزمِ کرم کیا مٹا چاہتا ہے اب عالم
کیا سمٹنے کو ہے بساطِ زمیں پھٹنے والا ہے گنبدِ نیلم

کیا سنبھالے سے لے رہا ہے فلک — کیا جہاں توڑنے کو ہے اب دم

کیوں مصائب اگل رہی ہے زمیں — آسماں سے برستے ہیں کیوں غم

مدرسوں میں ہیں روز کیوں بھونچال — خانقاہوں میں روز کیوں ماتم

اہلِ دل روز اضطراب میں کیوں — دل شکستہ ہیں کیوں یہ اہل ہمم

مدرسے کس کے سوگ میں ہیں روز — کس کو روتی ہیں مسجدیں پیہم

کس کے غم میں ہیں آج صدق و صفا — کس کو روتے ہیں آج علم و حِکم

کس کے غم میں شفق ہے خون آلود — کس کو روتی ہے صبحدم شبنم

اٹھتے جاتے ہیں سارے مقبولین — ایک کے بعد ایک قدم بقدم

ہر نئی صبح ہر نئی شب آہ — لیکے آتی ہے اک نیا ماتم

الغیاث الغیاث یااللہ — ارحم الراحمین ما ارحم

سبقت رحمتی علی غضبی — تیرا فرمان ہے یہ مستحکم

اب غموں کی نہیں رہی برداشت — جان و دل ہوچکے ہیں اب بیدم

داغِ دل تازہ تھے ہرے تھے غم — کہ گئے ہم سے اشرفِ عالم

آج سنتے ہیں چل بسے افسوس — سیّد اصغر حسین سوئے عدم

محفلِ شب کی رہ گئی تھی جو شمع — وہ بھی دستِ قضا سے ہے مدھم

آل ہاشم کے گوہر یکتا — ملجاء خلق مرجعِ عالم

اہلِ علم، اہل جود، اہل تُقٰے — اہل دل ،اہل حلم ،اہل کرم

جن کا درس حدیث شہرہ خلق — جن کے انفاس پاک وعظ و حِکم

جن کے دیکھے سے یاد آئے خدا — جن کی صحبت سے دین ہو محکم

جن کے جود و سخا سے زلّہ ابا — ہر غریب و امیر بیش وکم

آیت حق نما رخِ انور — رایتِ حق و قدوہ اعظم

باہمہ بے ہمہ کی ایک مثال | این و آں کے خیال سے بے غم
ذات تھی جس کی وقف خدمتِ خلق | عام تھے جس کے سب پہ لطف و کرم
یادگارِ سلف تھی آپ کی ذات | ان کی سنت تھی آپ سے قائم
آج رحلت ہے سب بزرگوں کی | ختم ہے آج بزمِ اہل کرم
آج رخصت ہیں حضرتِ محمود | آج جاتے ہیں اشرف عالم
حضرت احمد و عزیز و خبیب | انورِ عصر سب کا ہے ماتم
خاتمہ ہے یہ سب بزرگون کا | سب کے غم اس میں کیوں نہ ہوں مُدغم
کیوں نہ ہو آج جان صد پارہ | اور خون بار دیدہ پُرنم
سب کے دردوں کے آپ تھے درماں | سب کے زخموں کے آپ تھے مرہم
اب کہاں جاکے روئیں غم دیدہ | اب کہاں جائیں خستگانِ الم
آبلے دل کے اب کسے دکھلائیں | حال دل کس کو اب سنائیں ہم
چل بسے جن سے تھی دلوں کی حیات | اٹھ گئے جن سے دین تھا محکم
سال رحلت بھی خوب ہاتف نے | اک اشارے میں کہہ دیا یکدم
فاز اصغر میں دیکھ لو تاریخ | تم اگر آہ آہ کردو کم

۱۳۷۸ -- ۱۴ = ۱۳۶۴ | ۱۴

....

تاریخ دیگر

آسماں سے اترتے ہیں اسماء | اس میں ہوتے ہیں کچھ رموز و حِکم
سیّد اصغر کہ نام نامی ہے | سال رحلت بھی ہے مگر اک کم

۱۳۶۵ھ
۱۳۶۴ھ

....

راحت و کلفت اور سرور و غم | جب سے دنیا ہے دونوں ہیں توام
ہر حلاوت ہے اس کی زہر آلود | مہر میں اس کے قہر ہے منضم

مہر کی جس پہ کل ہوئی تھی نظر — آج ہوتی ہے اس پہ مشق ستم
بھیک بھی اب اسے نہیں ملتی — جس کو پالا تھا کل بناز و نعم
آج ان کو کفن نہیں جڑتا — جن کے لہرا رہے تھے کل پرچم
ٹھوکریں کھارہے ہیں آج وہ سر — کل جو تھے مالکان تاج وعلم
اب سکندر کہیں نہ دارا ہے — زال باقی کہیں نہ اب رستم
تاج کی خسرو و قباد کہاں — جم کہاں اور کہاں وہ جامِ جم
نہ کہیں قصرِ قیصری کا نشاں — نہ وہ دربار کسروی کا حشم
خاک میں مل گئے وہ سب فرعون — بے نشاں ہوگئے سب اہلِ حرم
درسِ عبرت ہیں آگرہ کے محل — اور دہلی ہے ساری قصّہ غم
حسرتوں کے مرقعات ہیں آج — سب حصونِ عرب قصورِ عجم
اکبر و شاہجہان و عالمگیر — اور جہانگیر و تغلق اعظم
جانے کس غار میں چھپے جاکر — محو حیرت ہے اس میں ایک عالم
کوستا ہے کوئی زمانے کو — کوئی کہتا ہے آسماں کے ستم
حق تعالیٰ اگر بصیرت دیں — تو حقیقت نہیں ہے کچھ مبہم

ذرّہ ذرّہ جہاں کا پڑھتا ہے
ما خلا اللہ باطِلُ فافہم

....

مرثیہ

دختر نیک اختر نعیمہ خاتون غفر اللہ لہا

تاریخ وفات ۲۸ شعبان ۱۳۷۵ھ در کراچی

آج رخصت ہے بزم سے ہیہات — لختِ دل، نورِ چشم، روحِ حیات
اے نعیمہ تجھے خدا بخشے — نیک دل، نیک ذات، نیک صفات
تیری خاطر خوشی سے تھے برداشت — ہم کو دنیا کے سارے مکروہات
کچھ تجھے بھی خبر ہے جانِ پدر — کیا گذرتی ہے ہم پہ اب دن رات
اپنی اس مادرِ ضعیف کو دیکھ — جس کے آنسو ہیں دائمی برسات
وہ شمیم و حسین* اور بی بی — وقفِ غم ہیں یہ تیری معصومات
جن کو پلکوں کی چھاؤں میں پالا — جس پہ مصروف تھے ترے دن رات
آہ آج ان کی شامِ تنہائی — ہے بھیانک بحیرۂ ظلمات
رات بھر ڈھونڈتا ہے تجھ کو سعید* — خوں رلاتی ہے اس کی اک اک بات
دیدنی* ہے مشرّف غمگین — اور وسیم و سلیم کے حالات
سینہ صد چاک ہے شریف حسین — جل گیا جس کا آج باغ حیات
کچھ تجھے بھی خبر ہے تیرے بعد — کیا گذرتے ہیں ان پہ اب صدمات
مرگِ ماں باپ ہے یہ تیری موت — موت ہے ہر خوشی کی تیری وفات

دار احزاں ہے یہ دنیا سب
اسمیں ممکن نہیں غموں سے نجات

حیٌ و قیّوم ہے فقط وہ ذات — جس سے قائم ہیں ساری موجودات
جس کے قبضہ میں ہیں زمین و زمان — جس نے پیدا کئے ہیں دن اور رات

* مرحومہ کی تین لڑکیاں۔ ۱۲ منہ ** سب سے چھوٹا لڑکا۔ *** تین بڑے لڑکے **** شوہر

وہی باقی ہے اور سب فانی ہے اسی کو فقط بقا و ثبات
عین حکمت ہے بزمِ ہستی میں اس نے تخلیق کی حیات و ممات
موت افراد کی جو رسم نہ ہو زہر ہوجائے سب کو آبِ حیات
تنگ ہوجائے عرصہ دنیا بھول بیٹھیں سب آخرت کی بات
یوں بنائے حکیم مطلق نے دفترِ محو و دفترِ اثبات
انقلابات اس کی زینت ہیں کل کے ثمرات آج کی آفات
ہے فنا و بقا پہ اس کا مدار اور عروج و نزول اس کی صفات
اس میں باقی نہ کوئی بادشاہ اور نہ موجود سیّد السادات
جو ترے گرد و پیش ہے اس میں اہل و اولاد و مال کی بہتات
سب امانت ہیں تری ملک نہیں ان پہ دل دے نہیں یہ عقل کی بات
عبرتوں کے سبق ہیں ان میں نہاں انّ فی کل ذرۃ ایات
وقت رحلت قریب ہے غافل سمجھ غنیمت یہ عمر کے لمحات
درِ توبہ کھلا ہے غفلت کیش اب بھی کرلے تلافی مافات
یاد رکھ قول سرورِ عالم اکثروھا ذکر ھاذم اللذات

موت کو کثرت سے یاد کرو

مرثیہ سیدین شہیدین

سیّد محتشم و سیّد محمد محترم جو بناء پاکستان کے وقت حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے ساتھ دیوبند سے کراچی آئے تھے واپسی کے وقت کراچی سے بذریعہ ہوائی جہاز دہلی پہنچ کر دہلی اور دیو بند کے راستہ میں کفار فجار کے ہاتھوں شہید ہوئے شب چہار شنبہ ۱۶ شوال ۱۳۶۶ھ مطابق ۲ ستمبر ۱۹۴۷ء قریب اسٹیشن گجرولہ ضلع مراد آباد اور وہیں دفن ہوئے۔ یہ دونوں محترم ہستیاں قصبہ دیوبند کے ان رؤساء میں سے تھیں جن پر اس قصبہ کو بجا طور پر ناز تھا۔ بڑے رئیس و زمیندار ہونے کے باوجود نہایت متواضع اور غرباء کے ساتھ رلے ملے رہنے کے عادی شرافت کے مجسّمے تھے ۱۹۴۷ء کہ ہنگامہ قتل و غارت گری میں ہندو درندوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

....

کسے تھاموں کہ ٹکڑے ہوگئے قلب و جگر دونوں
بجائے اشک خون برسا رہی ہیں چشم تر دونوں

الٰہی کیا قیامت ہے قیامت کیوں نہیں آتی
گہن میں تو بیک وقت آگئے شمس و قمر دونوں

وہ فخر قوم سیّد محتشم اور محترم دیکھو
ہوئے کس بیکسی میں قتل ذی جاہ و اثر دونوں

وہ دو خلق و مرّوت اور حیا کی زندہ تصویریں
ہر ایک حلم مجسّم پیکرِ فضل و ہنر دونوں

مسلمانوں کا شیرازہ تھا جن سے منتظم محکم
پناہِ بیکس و بے بس کریم و مقتدر دونوں

مسلّح کچھ درندے شکلِ انسانی میں آپہنچے
نہتے دو مسافر وہ بھی بیکس بے خبر دونوں

کمالِ الفت و وحدت جو دونوں بھائیوں میں تھی
تو راہِ آخرت میں بھی ہوئے وہ ہمسفر دونوں

کراچی سے تو دہلی تک ہوا میں اُڑ کے آپہنچے
مگر حکمِ قضا آنے نہ پائے اپنے گھر دونوں

جہاں کی خاک تھی آخر پہنچنا تھا وہیں ورنہ
کہاں وہ خاکِ گجرولہ کہاں یہ شیر نر دونوں

خدا کے ہاتھ میں ہیں قوتیں سارے عناصر کی
اسی کے قبضہ قدرت کے اندر بحر و بر دونوں

بلا اذن و مشیّت ایک ذرّہ ہل نہیں سکتا
مسخّر ہیں زمین و آسماں جنّ و بشر دونوں

مقدّر تھی شہادت کی سعادت روز اول سے
قضا سے ہوگئے ناکام تدبیر و حذر دونوں

ہزاروں رحمتیں ان دشت غربت کے شہیدوں پر
کہ گذرے ہیں جہاں سے بیکس و بے بال و پر دونوں

الٰہی احتشام * و واصف اب تیری امانت ہیں
پدر کے اپنے سچّے جانشیں ہوں یہ پسر دونوں

پھلیں پھولیں بڑھیں اور مرتبے پائیں
یہ خلف محتشم نخل تمنا کے ثمر دونوں

☆ موت کو کثرت سے یاد کرو۔ ☆ [illegible] محتشم ۱۲

(نوٹ) مفتی صاحب کی عربی نظمیں، قصائد اور مراثی ایک جداگانہ کتاب "نفحات" میں جمع کرکے طبع کر دی گئی ہیں۔ یہ نظم اتفاقاً اس میں شامل نہ ہوئی تھی اس لئے اس مجموعہ میں بطور نمونہ کے شائع کردی گئی۔ (ناشر)

حمامٌ فاجیٌ

(المولٰنا المفتی محمد شفیع دیوبندی دام فیوضہ)

"ابیات رثیت بھا اخی بن انعم المولوی ظہور احمد رحمہ اللّٰہ وکان من اکابر المدرسین بدار العلوم الدیوبندیۃ توفی رحمہ اللّٰہ فی اللیل یوم لاحد لعشرین مضین من الربیع الاول ۱۳۸۳ھ موافقا لاحد عشر من اغسطس ۱۹۶۳ء"

....

تساقط در ثم در بجندل — اعقد الثریا سلکھا انحلّ من عل

بقیت لابکی واحداً اثر واحد — بقلب کلیم ھائم متململ

الٰی این قرحا بعد قرح وانھم — یقولون لا تھلک اسیً وتجمل

اُخَیّ ظہور العلم والحلم والصفا — اصیب فبالاحشاء غلیان مرجل

بقیت کمکسور الجناح بفقدہ — ولا مشتکی الاعلی القادر العلی

رزئت اخی فی حین ضعفی وشیبتی — وقلبی عن تطلابہ غیر منسل

واسئل ربی ان یّمُنّ بلطفہ — علیہ ویلقاہ بفضل مفضل

وان یغفر اللّٰہُ الذنوبَ جمیعا — من السر والاعلان والدِقّ والجلی

ویرزقنا صبرا جمیلا وفکرۃ — لوقع حمام فاجی غیر موئل

بحق امام الانبیاء محمدّ ﷺ

وصفوۃ خلق اللّٰہ من خیر مرسل

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ

قطعہ تاریخ مولانا عبدالجمیل صاحب پشاوری

احقر نے ۱۳۹۰ھ میں مرکزی جمعیۃ العلمائے اسلام کے لئے سوشلزم کے خلاف جدوجہد میں حصّہ لیا۔ اور بیماری و معذوری کے تسلسل کے باوجود کراچی سے سوات اور دیر تک کا دورہ کیا۔ یہ بزرگ عالم باعمل اس دورہ میں رفیق تھے۔ میری واپسی کے بعد اچانک حرکت قلب بند ہونے سے ان کی وفات ہوگئی۔ اس کی خبر سے غیر معمولی صدمہ ہوا۔ لہٰذا شعر و شاعری کا ذوق ختم ہوچکنے کے باوجود کچھ اشعار لکھے گئے۔

....

ہست ایں خواب پریشاں کہ رسیداست خبر | کہ یکایک بکسوف آمدہ مہرِانور
آں جمالِ علماء، مشعلِ حق، عبدِ جمیل | پاک دل، پاک نفس، پاک زباں، پاک نظر
عالمِ بے بدل و عابد و زاہد درویش | زینتِ مسجد و محراب و فخرِ منبر
یادگارِ سلفِ صالح و مینارِ ہُدے | فیض غور عشق مرحوم ورد مستحضر
مردِ حق مردِ مجاہد کہ شہادت میخواست | در رہِ حضرتِ حق آمدہ اش عجز بسر
موتِ غربت وفجات بجہاد شب و روز | شد حیاتِ ابدی قسمتِ ایں پاک گہر

پئے تاریخ وفات عجبش از سر آہ
یغفر اللہ لہ گفت شفیع مضطر

۱۳۹۱
۱
۱۳۹۰

رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ

....

قطعہ تاریخ وفات حضرت مولانا خیر محمد صاحب

(بانی خیر المدارس ملتان شہر رحمہ اللہ)

یہ کیسی ہستی بے مثل کھو گئی تاریخ　　وفات جس کی ہے بے شک وفات علم و عمل
سر الم سے پکارا جو آج ہاتف نے　　وفات خیر محمد ہی ہوگئی تاریخ

۱۳۸۹ھ
۱
۱۳۹۰ھ

حکمۃ الاشعار

قدیم و جدید شعراء کے کلام سے انتخاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ انتخاب علم و حکمت، وعظ و نصیحت یا بلاغت کے اعتبار سے کیا گیا ہے بہت سے اشعار ضرب المثل کے انداز کے ہیں۔

حضرت سیدی حکیم الامّت تھانوی قدس سرہ نے ایک ایسا ہی انتخاب فرماکر " اشعار الحکمۃ " کے نام سے شائع فرمایا تھا۔ اس لئے اس کا نام مقلوب کرکے " حکمۃ الاشعار" رکھا گیا۔

....

بزبانِ فارسی

خدا گواہ کہ گر جرم ما ہمیں عشق است　　کمند کوتاہ و بازوئے ست و بام بلند
گناہ گبرو مسلمان بجرم ما بخشند　　بمن حوالہ و نومیدیم گنہ گیرند

جوہر طینتِ آدم زخمیرِ دگر است
تو توقع ز گِل کوزہ گراں میداری

تا کے ملامت نگہ اشکبارِ من
یکبارہم نصیحت چشمِ سیاہ خویش

دانم کہ شفیق اند طبیبان ہمگی لیک
مرہم کہ نہ محبوب نہد دشمنِ ریش است

تا بغایت ما ہنر پنداشتیم

خزینہ داری میراث خوارگان کفر است
بقول مطرب و ساقی بفتویٰ دف و نے

من کہ امروزم بہشت نقد حاصل میشود

من ارچہ عاشقم و رند و مست و نامہ سیاہ

ہزار شکر کہ یارانِ شہر بے گنہند

یارب ایں کعبۂ مقصود تماشاگاہ کیست

کہ مغیلان طریقش گل و نسرین من است

زہر مرض کہ بنالد کسے شراب دہید

دوا یکے است بدار الشفا میکدہا

مارا ہوائے گلشن و باغے نمانْدہ است

اے بوئے گل بروکہ دماغے نماندہ است

فراق دوست اگر اندک است اندک نیست

درون دیدہ اگر نیم موست بسیار است

یکطرف بانگ حدے یکجانب آواز درآئی (جامی)

نالہ از بہر اسیری نکند مرغ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نبود

یارب زسیلِ حادثہ طوفاں رسیدہ باد
بتخانہ کہ خانقہش نام کردہ اند

اے ہم نفسانِ آتشم ازمن بگریزند
آنکس کہ شود ہمرہِ من دشمنِ خویش است

عاشقی ہم ننگ و عارے بودہ است

از چشم خود بہ مپرس کہ مارا کہ می کشد
جانا نگاہ طالع و جرم ستارہ نیست

وعدۂ فردائی زاہد را چرا باور کنم

مدعی گو برو و نکتہ بحافظ مفروش

کلکِ ما نیز زبانے و بیانے دارد

سر خدا کہ عارف و زادہ کسے نہ گفت

در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

دل بے خون بکف آورد ولے دیدہ برہخت

اللہ اللہ کہ تلف کرد کہ اندوختہ بود

دیوانگی و مستی از بوئے تو مے خیزد

ہر فتنہ کہ مے خیزد از کوئے تو مے خیزد

چگونہ سر زخجالت برآورم بر دوست

کہ خدمتے بسزا بر نیامد از دستم

بسر حقیقت کشد شعر جامی

از گراں جانی بود آنرا کہ ماند دل بجائے
نجدی گویم و زاں قصدم زمین یثرب ست
کآفتاب جود و خورشید کرم را مغرب است

فیاخیر قول و یا شر قائل
جامی کہ بہ تحصیل فنون عمر بسر برد
بے حاشیہ شوق تو نہ گذاشت کتابے

مکن در گریہ ہر دم عیب چشمم — مولانا جامی کہ ایں گوہر فشانی زاں لب آموخت
در صورت تو ہر جمالے کہ مجمل است — در خط و خال و عارض زلفت مفصل ست

چشم بروئے شاہد و گوشم ببانگ چنگ
اے پند گو برو کہ نہ جائے نصیحت ست

زاہد بخلد مائل و عاشق بکوئے دوست
بلبل بباغ و چغد بہ ویرانہ مے رود

جامی بامید سر زلف تو
گفتمش ایاک و طول الامل

خوباں ہزار و از ہمہ مقصود من یکست
صد پارہ گر کنند بہ تیغم سخن یکے ست

خوش مجمعے ست انجمن دلبراں ولے
ماہے کز دست رونق آں انجمن یکے ست

از مدرسہ بکعبہ روم یا بمیکدہ
اے پیر رہ بگو کہ طریق صواب چیست

نکہت گل را چہ کنم اے نسیم
بوئے ازاں پیرہنم آرزو ست

اے صبا ایں امشم بدد فرما
از برائے شرف بنوک مژہ

بہ تیغ غمزہ اگر چاک مے کنی جگرم
چہ غم چو ناوک مژگان تو جگر دوز است

جامی ازاں لب سخن آغاز کرد
شد بلقبش جامی شیریں مقال

دل جامی بفکر نرگس تست
کل راء من العلیل علیل

خواہیم بہر ہر قدمش تحفۂ دگر
لیکن مقصریم کہ جاں دریدن یکسیت

عیادت مے کنی بیمار خود را
مرا ایں آرزو بیمار کردہ است

من کیم و بزم تو لیکن ز دور
دیدن آں انجمنم آرزو ست

اے خواجہ چند نقل کرامات شیخ شہر
نقدے ز وقت خویش بیار ایں فسانہ چیست

کہ سحر گہ شگفتنم ہوس است
خاک رہ تو رفتنم ہوس است

دریں زمان رفیقی کہ خالی از خلل است — صراحی مئی ناب و سفینہ غزلست
جریدہ او کہ گذرگاہ عافیت تنگ ست — بیاد گیر کہ عمر عزیز بے بدل است
نہ من زبے عملی در جہاں ملولم و بس — علماء ہم ز علم بے عمل است
بگیر طرہ مہ طلعتی و قصہ مخواں — کہ سعد و نحس ز تاثیر زہرہ داخل است
مقام امن و مئی بیغش و رفیق شفیق — گرت مدام میسّر شود زہے توفیق
جہان و کار جہاں جملہ ہیچ در ہیچ ست — ہزار بار من ایں نکتہ کردہ ام تصدیق
بہا مئی رود فرصت شمر غنیمتِ وقت — کہ در کمین گہ عمر ند قاطعانِ طریق
بیاکہ توبہ ز لعل نگار و خندہ جام — تصوریست کہ عقلش نمی کند تصدیق

اغیار بدل طعنہ زن و دل بتو مشغول
خلقے پس دیوانہ و دیوانہ بکارے

(نواب شیفتہ خواں)

بادۂ شیرازی

دردِ دلِ من نهفتنی نیست
وین درد دگر که گفتنی نیست

بگذشت بهار و وانشد دل
این غنچه مگر شگفتنی نیست

نیستم گل چیں برویم در مبند اے باغباں
می نشینم گوشه کاو از بلبل بشنوم

دوا یکے است بدار الشفا و میکدہا
زہر مرض که بنالد کسے شراب دہند

به از دل در متاع آفرینش نیست کالائے
چرا عاقل دل از اسبابِ دنیا برنمی دارد

درحقیقت عینکے بہتر زبست چشم نیست
دیده چوں بستی دو عالم راتماشا میکنی

از عمل عاری ز عمل راہنمائی
چوں قبله نما ساخته اہل فرنگ ست

امروز اگر پرسشِ من کن بتکلف
کیں خسته اگر دیر زند شام بمیرد

عاشقاں نامے بعجز و ناتوانی داشتند
کوه کن آخر بزور ایں قوم را بدنام کرد

خریطہ جواہر حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ

علاج سرکشی او تغافل است دریغ
که در طبیعت عشق ایں دوا ضرر دارد

آں که شام زندگانی شمع بالینم نشد
کے پس از مرگم چراغے بر سرگور آورد

کدام ماه جبین دوش مجلس آرا بود
که شمع از در فانوس در تماشا بود

باز شد چشم دلم از پستی مقدار خویش
عالمے را دیدم از افتادن دیوار خویش

ہر نگاہش بمن سوخته در روز وصال
در شبِ ہجر بلائیست که من میدانم

خوش آں ساعت که پنہانی بروے یار میدیدم
چومیگرد از نظر سویم سوئے اغیار میدیدم

چگونه شوم شاد از وعدۂ تو
که من طالع خویش را مے شناسم

نہ بر صحرائے سردارم نہ باگلزار سودائے ‏ بہر جای رسم از جوش می بالد تماشائے

من بیدل حریف سعی بیجا نیستم زاہد ‏ تو و قطع منازلہا من و یک لغزش پائے

نمی بالم زساماٴنے نمی نالم زحرمانٴے ‏ دل وارستہ میدارم نہ گریانے نہ خندانے

بعضے بہ تمنائی زر و مال خوش اند ‏ بعضے بہ تماشائی خط و خال خوشند

بیدل ہمہ را بہ چشم بدی نگرد ‏ خوش حال کسانیکہ بہرحال خوشند

جانِ پدر تو گریہ طفلان نہ دیدہ ‏ وقت صباح سفرہ بے نان ندیدہ

درخانہ گم نشستہ کہ ازبیم قرض خواہ ‏ ناگاہ از درآمدہ مہمان نہ دیدہ

گر در حق ما کسے بدی گفت ‏ زیں غم دلِ خود چرا خراشیم

من در حق او نکو بگویم ‏ تاہر دو دروغ گفتہ باشیم

غم جہاں مخور و پندِ من مبر ازیاد ‏ سلیم از دست بیداد کہ نالیم

کہ ایں لطیفہ نغزم ز رہروے یادست ‏ بکشت ما گذار لشکر افتاد

ابنائے زمانہ در پئے شورو شراند ‏ انباشتہ نفاق و عین ضرراند

مانندِ قطارِ شتر ایں فرقہ دون ‏ با یکدیگر اند و درپئے یک دیگرند

من نخواہم کرد ترک لعل و یارو جام مئے ‏ (جامی) زاہدان معذور داریم کہ ایں ہم مذہب ست

منتخبات از کلامِ شعرا

مخلوق بمن طعنہ زن و من بتو مشغول ‏ خلقے پس دیوانہ و دیوانہ بکارے

تو اے افسردہ دل زاہد یکے در بزم رندان شو ‏ (صائب) کہ بینی خندہ برلبہا و آتش پارہ دردلہا

اے کاش ہمدمے کہ رسانید نامہ ات ‏ (فیضی) گوید بمن حقیقت حرف سترہ را

چوں بگذری زتر بتِ من دردو دیدہ کش ‏ خاکے بآستان محبت سپردہ را

غیرتِ عشق زبانِ ہمہ خاصاں ببرید ‏ (حافظ) از کجا سرِ غمش در دہن عام افتاد

ہر دمش با من دلسوختہ لطفِ دگرست | این گدا بین کہ چہ شائستہ انعام افتاد
پاک بین از نظرِ پاک بمقصود رسید | احوال از چشم رِم دو بیں در طمع خام افتاد
زیر شمشیر غمش رقص کناں باید رفت | کانکہ شد کشتۂ او نیک سر انجام افتاد
در خم زلفِ تو آویخت دلِ از چاہ زنخ | آہ کہ ازچاہ برون آمد و در دام افتاد
آں شد اے خواجہ کہ در صومعہ بازم بینی | کارِ ما با رخ ساقی، و لبِ جام افتاد
من ز مسجد بخرابات نہ خود افتادم | اینم از روزِ ازل حاصل فرجام افتاد
صوفیانِ جملہ حریفند و نظر بازوے | زیں میانِ حافظ دلسوختہ بدنام افتاد

زانگہ کہ ترا برمنِ مسکین نظر است | آثارم از آفتاب مشہور تر است
گر خود ہمہ عیبہا دریں بندہ درست | ہر عیب کہ سلطان بہ پسندد ہنر است

تا یکسر موئے از توہستی باقی ست | اندیشہ کارِ بت پرستی باقی ست
گفتی بت پندار شکستم رستم | آں بت کہ زپندار پرستی باقی ست

پیوند عمر بستہ بموئیست ہوش دار | غمخوار خویش باش غم روزگار چیست

خود رفتہ ایم و کنج مزارے گرفتہ ایم | ندانم آں گل رعنا چہ رنگ و بو دارد
تا بار دوش کس نشود استخوان ما | کہ مرغ ہر چمنے گفتگوئے او دارد

عاقل خان میر عسکر عالمگیر

عشق چہ آساں نمود۔ آہ چہ دشوار بود | نیروئے عشق بین کہ دریں دشت بیکران
ہجر چہ دشوار بود یار چہ آسان گرفت | قدمے نرفتہ ایم بپایاں رسیدہ ایم

دل زدین سرچشمہ ہر قوت است | دیں ہمہ از معجزاتِ صحبت است
دیں نہ بود اندر کتب اے بے خبر | علم و حکمت در کتب دین در نظر

زمانہ کہنہ بتاں را ہزار بار آراست | وقتے ست کہ بکشائیم میخانۂ رومی را

من از حرم نگذشتم کہ کہنہ بنیادست پیران حرم دیدم در صحنِ کلیساست

مردِ میداں زندہ از اللہ ہوست زیر پائے او جہانِ چار سوست (اقبال)

بندۂ کو دل بغیر اللہ نہ بست میتواں سنگ از زجاج او شکست

چہ فرصت ہا کہ گم کردم دریں راہ (حافظ) زبختِ خوابناک غافل خویش

معاشران ز حریف شبانہ یاد آرید حقوق بندگی مخلصانہ یاد آرید

نمی خرید زمانے غم وفاداران زبیوفائی دور زمانہ یاد آرید

بوقت رحمت اے ساکنانِ صدر جلال

زروئے حافظ وآں آستانہ یاد آرید

نزاع برسرِ دنیاء دون کسے نکند پیوند عمر بستہ بمویست ہوشدار

باشتی پسر اے نور دیدہ گوئی فلاح غمخوار خویش باش غمِ روزگار چیست

سر شکم در طلب دریا فشانید ولے ازوصلِ او بے حاصلے بود

بگو دیگر کہ حافظ نکتہ دانست کہ مادیدیم محکم غافلے بود

یک چرا غیست دریں خانہ کہ از پر توآں آنانکہ بجز روئے تو جائے نگرانند

ہر کجامے نگرم انجمنے ساختہ اند کوتاہ نظر انند چہ کوتہ نظر انند

غزل

حضرت شاہ ولی اللہ (قدس سرہ)

۱۹۱

(ازکلماتِ طیبات)

بزلف پیچ در پیچ کسے گم کردہ ام خود را خروشے در دل شبہانمی کردم چہ می کردم

غمِ تحصیل و بارِ شغل و درد عزل می بینم جنوں گر ترکِ منصبہا نمی کردم چہ می کردم

کسے بامل ہی ساز کسے باگل ہی بازد اگر من یاد آں لبھانی کردم چہ می کردم
می تحقیق را از خم مشربہا برون دیدم خروج از قید* مشربہا نمی کردم چہ می کردم
حجابِ وصل مطلوبست دل بستن بمطلبہا آمین گر ترک مطلبہا نمی کردم چہ می کردم

بزبان اردو

خدا جانے کہاں جانا ہے ناواقف ہوں منزل سے ازل سے پھرتے پھرتے گور تک پہنچا ہوں مشکل سے
اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں
تھا جوش و خروش اتفاقی ساقی — رباعی — اب زندہ دلی کہاں ہے باقی ساقی
میخانہ نے رنگ و روپ بدلا ایسا میکش میکش رہا نہ ساقی ساقی
رونا کہاں ہوا مجھے دل کھول کر نصیب ہم رضا شیوہ ہیں تاویل ستم خود کریں
دو آنسوؤں میں نوح کا طوفان آگیا کیا ہوا ان سے اگر بات بنائی نہ گئی
لگے بڑھنے جوں جوں کہ ہوش و خرد قطعہ از داغ لگیں ساتھ بڑھنے پریشانیاں
بڑھاپے کی دانائی لیکر کوئی بدلدے وہ بچپن کی نادانیاں

اکبر الٰہ آبادی

سدھاریں شیخ کعبہ کو ہم انگلستان دیکھیں گے وہ دیکھیں گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے
خسیانِ عدوّ اتفا سے سامنا ہوگا میں دیکھوں گا انہیں اور وہ میرا ایمان دیکھیں گے
جوانوں کو ذرا پرواہ نہیں بے اعتدالی کی بڑھاپے میں نتیجہ اس کا یہ نادان دیکھیں گے
اسی امید پہ اب تک گلہ نہیں کرتا حسرت موہانی کہ شاید اس کا تغافل ہو امتحاں کیلئے
یہ سوز اور یہ خموشی ستم ہے عاشق پر الٰہی نطق ملے شمع کی زباں کے لئے
کہاں کی لوح کہاں کا مزار کافی ہے کسی نشاں کا نہ ہونا میرے نشان کے لئے

☆ اشارہ است باں معارفے کہ تعلق بشرائع ندارد تقلید شخصی پسندیدہ است۔ ۱۲

شکایت اہلِ زمیں کو ہے کس زمانہ سے پر اب تلک بھی کچھ نہ ہوا آسماں کیلئے

میری محرومیوں کی حد نہ رہی شب وہی شب ہے دن وہی دن ہے

ترے احسان بے شمار ہوئے جو تری یاد میں گذر جائے (حسرت)

(جگر مراد آبادی)

قید قفس میں یاد بہار آئی ہے مجھے
نشتر بنے ہوئے ہیں پر و بال آجکل

تا چند کریں ضبط مرے آبلہ پا
سوکھی ہوئی کانٹوں کی زباں دیکھ رہے ہیں

نہ جانے کان میں کہہ دیا محبت نے
پلٹ گئے مرے نالے لبوں تک آئے ہوئے

کچھ داغ دل سے تھی مجھے امید عشق میں
اب رفتہ رفتہ وہ بھی چراغ سحر ہوا

کیا کیا فریب دل کو دیئے اضطراب میں
ان کی طرف سے آپ لکھے خط جواب میں

کہاں سے کہاں لے گیا آب و دانہ
قفس سے بہت دور تھا آشیانہ

کچھ کھٹکتا تو ہے رہ رہ کے مرے پہلو میں
اب خدا جانے تری یاد ہے یا دل مرا

ہر چند کہ تھمتے نہیں آنسو صفت شمع
بارے تری محفل کا سماں دیکھ رہے ہیں

محفوظ اک جگہ بھی نہیں جسم زار میں
خود بن گیا ہوں اپنا گریباں بہار میں

مہمان ہے وہ غیرت خورشید و قمر آج
دن آج ہے رات آج ہے شام آج سحر آج

لطف جینے کا اگر ہے تو کسی کی یاد میں
اور مزا مرنے کا گر ہے تو کسی کے غم میں ہے

جھکی ہوں نہ جو ماسواء اللہ کے آگے
میں وہ نور پیشانیاں ڈھونڈتا ہوں

نیچی نیچی نگاہ کیا کہئے
بس خدا کی پناہ کیا کہئے

زیست کیوں کر سنوار دیتی ہے
ایک کرم کی نگاہ کیا کہئے

وقت آخر انہیں نہ دیکھ سکے
اشک تھے سدّ راہ کیا کہئے

اب نظر ہے ترے کرم ہی پر
اپنی فرد گناہ کیا کہئے

اب جواب آیا اب جواب آیا
تکتے رہتے ہیں راہ کیا کہئے

اب تک اسی روش پہ ہے اکبر مست و بیخبر
کہہ دے کوئی عزیز من فصل بہار ہو چکی

موقع بحث نہیں صاحب اقبال ہیں آپ
مری ہر بات بری آپ کی ہر بات اچھی

کتاب حقیقت کرے کون ختم
کہ ہر ایک خبر مبتدا ہو گئی

ایک زمانہ میں یہ خواہش تھی کہ جانیں ہم کو لوگ
اب یہ رونا ہے کہ ہم کیوں اسقدر جانے گئے

حالت نہ پوچھئے میرے شیب و شباب کی
دو کروٹیں تھیں عالم غفلت کے خواب کی

بارِ خاطر ہو تو واعظ کا بھی ارشاد برا
دل کو بھا جائے تو اکبر کی خرافات اچھی

ہم بغل شاہد دل جو ہو تو جاڑا اچھا
ہمنشیں ساقی مہوش ہو تو برسات اچھی

آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

گل ہوا چاہتی ہے شمع حیات
اب خدا ہی سے لو لگائی ہے

ان کو کبھی خیال ہو میرا یہ وہم ہے
جاگیں میرے نصیب یہ باتیں ہیں خواب کی

محسن کاکوری

مصحف کا ایک صفحہ جبیں ہے جناب کی
تقریظ حق نے لکھی ہے اپنی کتاب کی

سواد نجد نہ صحرائے بے ستوں چھوڑا
ہمارے شوق نے ٹھیکے کہاں کہاں کے لئے

بے زباں بھیجے جو بھیجے کبھی تم نے قاصد
خط لکھائے تو بلا کر خط تغرا والے

دام میں یار کے میں دیدۂ و دانستہ پھنسا
مجھ کو نادان نہ سمجھیں دل دانا والے

عشق بے پردہ محبت سے دکھاتا ہے چراغ
راہ بھولیں نہ کہیں وادی موسیٰ والے

آپ کیوں حشر میں پھرتے ہیں بھٹکتے محسن
چلئے بیٹھے ہیں جہاں یثرب و بطحا والے

اکبر مرحوم

زندگی کا مزا دل کا سہارا نہ رہا
ہم کسی کے نہ رہے کوئی ہمارا نہ رہا

پوچھتا کوئی دم مرگ سکندر اکبر کتنے دن کی یہ تعلّی تھی کہ دارا نہ رہا

جب یہ دیکھا کہ جہاں میں کوئی میرا نہ رہا شدت یاس سے میں آپ بھی اپنا نہ رہا

آپ تصنیف شرائط کی نہ تکلیف کریں مجھ کو خود ولولہ عرض تمنّا نہ رہا

اس کی پروا نہ رہی خوش رہے دنیا مجھ سے عاقلوں میں مری گنتی ہو یہ سودا نہ رہا

منتشر رہنے میں پاتے ہیں اب آرام حواس شوق مجموعہ ہوش خرد افزا نہ رہا

حیرت افزا ہے مرا حال مگر کون سنے دیدنی بھی ہے مگر دیکھنے والا نہ رہا

خانہ امید آتا ہے نظر اجڑا ہوا دل کو حیرت ہے کہ یااللہ کیا تھا کیا ہوا

کیا کسی بزم طرب میں ہوں میں اے اکبر شریک آنکھ بھی ہے روئی ہوئی دل بھی ہے تڑپا ہوا

بزم ہستی میں مرے پیش نظر کیا کچھ نہ تھا دیکھتے ہی دیکھتے لیکن جو دیکھا کچھ نہ تھا

یہ دونوں مسئلے ہیں سخت مشکل نہ پوچھو تم کہ میں کیا اور خدا کیا

رہا مرنے کی تیاری میں مصروف مرا کام اور اس دنیا میں تھا کیا

وہاں قالوا بلی یاں بت پرستی ذرا سوچو کہا کیا تھا کیا کیا

جہاں فانی کی حالتوں پر بہت توجہ عبث ہے اکبر جو ہو چکا ہے وہ پھر نہ ہوگا جو ہو رہا ہے وہ ہو چکے گا

مصیبت ہے مجھے اس بت سے الفت ہو گئی اکبر کہ جس کو بت کدہ میں بھی کوئی اچھا نہیں کہتا

کلیات محسن کاکوری

مجھے تو پسند اور مجنوں کو لیلی نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

دامن ہے وہ پونچھتا ہے آنسو رونے کا کچھ آج ہی مزا ہے

مجذوب

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

لاکھ جھڑکو اب کہاں پھرتا ہے دل ہو گئی اب تو محبت ہو گئی

آ گئے پہلو میں راحت ہو گئی چل دیئے اٹھ کر قیامت ہو گئی

جگر

مری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے قدم یہ خود نہیں اٹھتے اٹھائے جاتے ہیں

اکبر الٰہ آبادی

نئے طریقوں سے مقصد شرع کارفرما نہ ہو سکے گا ادھر سے پردہ نہ ہو سکے گا ادھر سے تقویٰ نہ ہو سکے گا

دوا ترقی کی میں نے دیکھی بصد ادب ہے یہی گذارش مرض ترقی کرے گا اس سے مریض اچھا نہ ہو سکے گا

کھڑے ہیں یا نشہ و حسرت و عبرت کا مضمون ہے ایضاً نہ جنگل ہے نہ ناقہ ہے نہ لیلیٰ ہے نہ مجنوں ہے

وہ رنگ بزم اب اکبر کہاں بہتر ہے اٹھ جاؤ یہی بس ایک تدبیر سکون جان محزون ہے

آمادہ حریف ہیں ستانے کے لئے ایضاً اور دکھ میں شریک ہونے والا نہ رہا

زندہ ہوں تو مجھ پر ہنسنے والے ہیں بہت مرجاؤں تو کوئی رونے والا نہ رہا

مجذوب

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

میرے لئے خواہاں جو خدا سے ہیں شفا کے وہ کوس رہے ہیں مجھے پردہ میں دعا کے

تمہیں تو حد نظر تک درود آساں تھا اگر بلند میں اپنی نگاہ کر نہ سکا

ہیں چاک گریباں کے تیور میں شکن اب تک کل عالم وحشت میں کس نے مجھے چھیڑا تھا

نازک مزاج پھول کا منہ سرخ ہو گیا چٹکی سی ایک لی تھی نسیم بہار نے

تصور میں وہ ان کی غمگساری کہ جیسے دل کو دل سمجھا رہا ہے

نہ چھیڑا اے تنگی صحن چمن پھر لوٹ جاؤں گا تصور کی نگاہوں میں ابھی صحرا سلامت ہے

پھرتا ہوں دل میں یار کو مہماں کئے ہوئے سارے جہاں کو کوچہ جاناں کئے ہوئے

جگر

مری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے — قدم یہ اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں

(مخمّس از حضرت مجذوب بر وفاتِ صاحبزادہ خویش)

نگاہوں سے جو اوجھل جلوہ جاناں نہ ہوجائے — تو نظروں میں مری تاریک کیوں دنیا ہوجائے
نصیحت تیری ناصح شکوہ بیجا نہ ہوجائے — رواں بے اختیار آنکھوں سے کیوں دریا نہ ہوجائے
کروں کیا صبر کا لبریز جب پیمانہ ہوجائے

یہ عالم عیش و عشرت کا یہ حالت کیف و مستی کی — بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی
جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی — بس اتنی سی حقیقت ہے فریب خواب ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہوجائے

کسی کو رات دن سرگرم فریاد و فغاں پایا — کسی کو فکر گونا گوں سے ہر دم سرگراں پایا
کسی کو ہم نے آسودہ نہ زیر آسماں پایا — بس اک مجذوب کو اس غم کدہ میں شادماں پایا
جو بچنا ہو غموں سے آپ کا دیوانہ ہوجائے

مجذوب

سکونِ دشمن طلاطم آشنا دل ہوتا جاتا ہے — وفورِ موج سے گرداب ساحل ہوتا جاتا ہے
بمقدار جنوں مجذوب عاقل ہوتا جاتا ہے — کہ ہوش اپنا تو زائل ان کا حاصل ہوتا جاتا ہے
نگاہِ خلق میں دنیا کی رونق بڑھتی جاتی ہے — میری نظروں میں پھیکا رنگِ محفل ہوتا جاتا ہے

عبید

ٹھہر کر ذرا آئے فصل بہاراں — گریباں سینے کو جی چاہتا ہے

مشرقی پاکستان (عادل صاحب)

قیامت ہی قیامت ہر کہیں معلوم ہوتی ہے — یہ دنیا تیرے کوچہ کی زمیں معلوم ہوتی ہے
نگاہ ناز جاناں خشمگیں معلوم ہوتی ہے — یہ غصہ کی ادا کتنی حسیں معلوم ہوتی ہے
جب تلک پیک نفس میں دم رہا مجذوب — تجھ کو ڈھونڈا تھک کے آخر تھم رہا
جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے — تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا
حسرت سے اسے دیکھ کے آنسو نکل آئے — دنیا میں مجھے جب کوئی ہنستا نظر آیا
صد شکر کہ آپہنچا لب گور جنازہ — لو بحر محبت کا کنارہ نظر آیا

(اصغر گونڈوی)

میں تو تنہا ہی چلا تھا جانب منزل مگر — لوگ کچھ ملتے گئے اور قافلہ بنتا گیا
صبح تک وہ بھی نہ چھوڑی تونے اے بادصبا — یادگار رونق محفل تھی پروانے کی خاک
یہ تنگ عاشقی ہیں سود و حاصل دیکھنے والے — یہاں گمراہ کہلاتے ہیں منزل دیکھنے والے
خط ساغر میں راز حق و باطل دیکھنے والے — ابھی کچھ لوگ ہیں ساقی کی محفل دیکھنے والے
کٹی ہے رات تو تری ہنگامہ گستری میں — سحر قریب ہے اللہ کا نام لے ساقی

مناجات از محمد شفیع

دلِ قاسی کو یارب اب توبس درد آشنا کردے — عطا وہ درد کر جو سارے دردوں کی دوا کردے
مٹادے یا الٰہی لوح دل سے نقشِ باطل کو — مجھے اب این و آں کے غم سے اے مولا رہا کردے

نگاہِ خلق میں دنیا کی رونق بڑھتی جاتی ہے مری نظروں میں پھیکا رنگِ محفل ہوتا جاتا ہے

(جگر مراد آبادی)

جب دیکھ نہ سکتے تھے تو دریا بھی تھا قطرہ جب آنکھ کھلی قطرہ بھی دریا نظر آیا
قربان تری شان عنایت کے دل و جان اس کم نگہی پر مجھے کیا کیا نظر آیا

جگر

حدود کوچہ محبوب ہیں وہیں سے شروع جہاں سے پڑنے لگیں پاؤں ڈگمگائے ہوئے
عمریں گذریں صدیاں بیتیں ہے وہی اب تک عقل کا بچپن
علم ہی ٹھرا علم کا باغی عقل ہی نکلی عقل کی دشمن
کانٹوں کا بھی حق ہے آخر کون چھڑائے اپنا دامن
سینے میں پھر تھرکنے لگی آتش خزاں دامن سے پھر معاملہ چشم تر ہوا
رگ رگ نے صدقے کردیا سرمایہ شکیب اللہ کس کا خانۂ دل میں گذر ہوا
دن وہی دن ہے شب وہی شب ہے جو تری یاد میں گذر جائے

اقبال

کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ بلبل فقط آواز ہے طاؤس فقط رنگ

بشیر درانی مقاصد

اللہ رے دور آزادی اب ہم جو غزلخواں ہوتے ہیں تفسیر مظالم ہوتی ہے اذکار شہیداں ہوتے ہیں
جب یاد قفس آجاتی ہے گلشن میں پریشان ہوتے ہیں صد شرم مآل آزادی ہم مائل زنداں ہوتے ہیں

ظفر اکبر آبادی

تری نگاہ کا اک جام چاہتا ہوں جو اب گردش ایام چاہتا ہوں
خیال دوست بہت تھک چکا ہے ذہن مرا مجھے نہ چھیڑ اب آرام چاہتا ہوں

احسان دانش

نہ قامدین کے حلقوں میں لے چلو مجھ کو میں بے ادب ہوں ہنسی آگئی تو کیا ہوگا

تمّت